نگار خانۂ ارضِ تاج کا نقشِ مصوّر

پیمانہ

مدیر
صدیقی الوارثی اکبر آبادی

مدیر ثانی
ساغر نظامی (دہلی)

مفت بھیج سکتے ہیں

حصول دولت و مسرت

اُن کی بیعنہ نقل

اس کتاب کے ذریعہ مفلس و بااوسط درجہ آدمی جلد دولتمند ہو جائینگے اور دولتمند اصحاب اپنی دولت کو بے انتہا فروغ دے سکیں گے۔ تو ہر قسم اور سود کی مصیبتوں سے نجات پائیں گے۔ کوئی صاحب اپنی آمدنی سے خالی نہ رہیں گے اگر آپ زندگی کے ضروری مرحلوں تاجرانہ رازوں سے کفایت شعاری کے طریقوں، انمول نصیحتوں اور دیگر بے انتہا مفید باتوں سے واقف ہو کر عزت آبرو سے بے فکری با آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کرتے ہوئے ہمیشہ خوشحال آسودہ خاطر اور بشاش رہنا چاہتے ہیں تو ضرور منگائیں جس میں دس باب ہیں قیمت مجلد کتاب ایک روپیہ ۱ر

انمول نصائح سو اسو نصیحتیں صدہا روپیہ کا فیض پہنچانیوالی بالکل مفت

ملنے کا پتہ: مشہور عام کتبخانہ محلہ سرائے بالا علیگڈھ سٹی

ایک رات میں کالا جادو

آپ بھی اگر زندگی کا حظ اٹھانا چاہتے ہیں دنیا میں اور سرفرو ہونا چاہتے ہیں عقبیٰ میں تو کسی پری رخسار سے دل لگائیے عمل حب کا ایک نہایت سہل الحصول پر تاثیر اور مجرب المجرب نسخہ ایک فقیر سے ہمارے ہاتھ لگا ہے صرف ایک رات میں کامیابی ہوتی ہے کسی دریا کے کنارے یا قبرستان جانا نہیں پڑتا۔ محبوب خواہ کیسا ہی پتھر دل کیوں نہ ہو ماہی بے آب کی طرح تڑپ اٹھیگا۔ اور جب تک ملاقات نہ کریگا اسکو کسی پہلو قرار نہ آئیگا تا زیست علیحدہ نہ ہوگا فیس نسخہ بمعہ کاپی قواعد صرف دو روپیہ (مشروط) رازداری کی حلفیہ تحریر ہمراہ آنی لازمی ہے ورنہ تعمیل ہرگز نہ ہوگی جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

دی آل انڈیا بیجیکل ہاؤس ملتان شہر

گدڑی میں لعل

منظور ہے گذارش احوال واقعی   سچ کہتا ہوں جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

آج دنیا کو میں اس بزرگ ہستی سے متعارف کرانا چاہتا ہوں جو باوجود کمال علوم ظاہری و باطنی کے دنیا میں شہرت حاصل کرنا نہیں چاہتی اور جس نے اپنی زندگی کا اصل الاصول ہی بقول علامہ اقبال یہ

"شہرت کی زندگی کا بھروسہ بھی چھوڑ دے"

قرار دے رکھا ہے عالم طبابت میں گمنام اور بے لوث زندگی بسر کر رہا ہے۔ حالانکہ دنیائے طب کو ایک شخصیت کی ضرورت ہے جو دنیا کی موجودہ کدر فضا کو تار عنکبوت کی طرح توڑ کر رکھ دے عمارت سے مسل دے۔ اور اس کلنک کے ٹیکے کو جو موجودہ اشتہاری حکیموں نے مادر وطن کی پیشانی پر لگا رکھا ہے اسطرح مٹا دے کہ صفحہ روزگار پر انکا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔

خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس بار گراں کو حضرت مولانا مولوی جناب حکیم سید عبدالخالق صاحب سند یافتہ نے اپنے سر لیا ہے آپ درویش صفت اور منکسر مزاج آدمی ہیں۔ اور مجھے بفضل ایزدی اپورا بھروسہ ہے کہ وہ اس کام کو نہایت خوبی سے سرانجام دیں گے اور ان مریضوں کو جو کچھ تو اپنی بدا عمالیوں اور کچھ اشتہاری حکیموں کی دیدہ دلیریوں کا شکار ہو کر اپنی زندگی کو موت کے انتظار میں بسر کرتے ہیں جیسے صفت بہار [illegible] قابل بنا دینگے کہ وہ میدان کارزار میں بڑھ کر قدم آگے بڑھا سکیں آپ کے جد امجد حضرت مولانا مولوی حکیم سید وجیہ الدین صاحب اور مولانا مولوی حکیم سید بدر بخش صاحب ریاست بہاولپور میں بڑا نام پیدا کر چکے ہیں تجربہ ثابت کر رہا ہے کہ ہندوستان میں ۹۵ فیصدی ایسے نوجوان ہیں جو اپنے ہاتھوں اپنی پیاری اور بیش قیمت زندگی کو تباہ و برباد کر چکے ہیں اور یہ وہی نوجوان ہیں جن پر ملک کی آئندہ ترقی کا دار و مدار ہے لیکن بیجا شرم و حیا نہیں اپنی جسمانی ترقی سے روکتی ہے تو وہ ملک و قوم کی ترقی میں کب ممد و معاون ہو سکتے ہیں ان کے دماغ معطل۔ حوصلے پست۔ اعضاء کمزور ارادے متزلزل۔ رنگت زرد۔ گویا وہ برف کے پتلے ہیں کہ کسی نامعلوم طاقت سے گردش میں ہیں پیارے نوجوانو بہانہ خدا اپنی حالت پر رحم کرو اور بیجا شرم و حیا کو اس وقت تک کے لئے اٹھا رکھو کہ تمہاری شریک زندگی جو یقیناً تمہاری ہمراز ہوگی تمہیں نظروں سے گرا دے۔ آؤ اور خدا پر بھروسہ رکھتے ہوئے "زندگی نو" کا ایک بکس استعمال کر دیکھو ادویات انشاء اللہ العزیز دو تین ہفتہ میں تمہیں اس قابل بنا دینگی کہ تم دنیا میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر سکو یہ ادویات تمام کمزوریوں کے لئے نہایت فائدہ بخش ثابت ہوئی ہیں۔ دوا منگواتے وقت عمر اور بیماری کی کیفیت لکھو خط لکھتے وقت اخبار یا رسالہ کا حوالہ ضرور دیں خط و کتابت محفوظ رکھی جاتی ہے۔ قیمت بکس "زندگی نو" چھ روپیہ علاوہ محصول ڈاک قیمت [illegible]

ملنے کا پتہ: سید عبدالحمید شاکر مالک مہتمم دار الشفاء امجدیہ بٹالہ۔ (پنجاب)



سکینه بیگم

ایوانِ مغلیہ کی شمع خاموش

(اثر۔ ساغر نظامی۔ علیگ)

اے سطوتِ جلوہ گاہِ شاہی　　اے حسن و وفا کی شاہزادی
اے رنگ دبہارِ بزمِ دیریں　　اے لعبتِ جشنِ کیقبادی
اے خلد کی صورتِ مجسم　　اے عیش کی قوتِ ارادی
جب غور سے میں نے تجھکو دیکھا　　تصویر میں روح مسکرا دی

اے حور کی آن بان والی
تیمور کی خاندان والی

یہ تیرا وقار یہ تجمل　　سنجیدہ متانت و تحمل
چتون میں رکا ہوا تبسم　　تیور میں چھپا ہوا تامل
آنکھوں سے نمودِ آہوئے خلد　　ہونٹوں سے طلوعِ لالہ و گل
آویزۂ گوش سے نمایاں　　لٹکے ہوئے تا بہ دوش کاکل

یہ خلعتِ فاخرہ بدن پر
ترتیبِ جمال بانکپن پر

یہ تو تری ظاہری ہے تصویر　　باطن ہے ترا جہانِ تنویر
ہے تیر ہر اک متین انداز　　مردانگی و وفا کی تفسیر
تن کر یہ ترا ذرا سا کھچنا　　گویا ابھی پھینکنے کو ہو تیر
یہ تاج شہی میں تین موتی　　ہیں اختر و ماہ و مہرِ تقدیر

تنظیمِ جہانِ حال ہے تو
سلجھا ہوا اک خیال ہے تو

اب حسن میں یہ ادا نہیں ہے　　عورت میں یہ ارتقا نہیں ہے
اب ولولۂ نسائیت میں　　یہ عزم یہ حوصلہ نہیں ہے
عورت ہے مگر حسینِ مطلق　　اب حسن میں دبدبہ نہیں ہے
ہمت میں نہیں ابھار ایسا　　فطرت میں یہ اعتنا نہیں ہے

اے کاش ترا وقار بن کر
عورت اٹھّے بہار بن کر

(نظم متعلق تصویر)

رجسٹرڈ نمبر ۔۔۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔۔۔ ل ۱۶۲۱۷

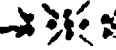
قیمت سالانہ ۔ ششماہی ۔ | **تعارف** | ممالک غیر سے: سالانہ ۔ ششماہی ۔

جلد (۵) | پیمانہ - دسمبر ۱۹۲۶ء | نمبر (۷)

میسرز "ویلر اینڈ کمپنی" کے بک اسٹال سے ہر بڑے اسٹیشن پر پیمانہ مل سکتا ہے

جرعات

اس نمبر کے ساتھ پیمانہ کی پانچویں جلد ختم ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ پیمانہ قبولیت و معیار کے اعتبار سے آج اردو صحافت کی صف اولیں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ذمہ داران ادارت مناسب نہیں سمجھتے کہ اپنے مذاق ترتیب کی خود ہی تعریف کریں لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ جس شاہراہ ترقی پر آج ہندوستانی صحافت گامزن ہے۔ آپ اور زمانہ کے بعد اس شاہراہ کا سب سے پہلا پیر مغاں پیمانہ ہے۔ پیمانہ کی تقلید و تائید آج وہ تمام رسالے سنتِ صحافت سمجھتے ہیں جن کا مذاق سلجھا ہوا ہے اور جن کی طبیعت ذوق سلیم سے لبریز ہے "کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا"



پیمانہ کو اب تک جن اقتصادی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان کی تفصیل سے ناظرین کو گراں خاطر کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن تجربہ شاہد ہے کہ ملک کے کثیر طبقات میں اعلیٰ مضامین کی اتنی قدر نہیں جتنی معمولی زیب و زینت کی قدر ہے۔ مضامین سے زیادہ آرائش و زیبائش کی قیمت لگائی جاتی ہے۔ جس ملک میں تصویر پرستی کا جذبہ اسقدر عام ہو اس کے سامنے خون جگر کے قیمتی قطرات پیش کرنا اور معنوی محاسن کا بکھیرنا خبط مذاق سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بایں ہمہ مارکیٹ اور موازنہ کی اہمیت کو نظر انداز کر دینا بھی دوسری غلطی ہے "اچھی چیز اور کم قیمت" کی صدائیں چاروں طرف سے چلی آرہی ہیں۔ جن کا احترام کرنا ناگزیر ہے اسلئے میں اعلان کرتا ہوں کہ

جنوری ۱۹۲۷ء سے پیمانہ ۸ جزو میں شایع ہوگا اور سالانہ قیمت بجائے صہ کے صرف چار روپیہ مع محصول لی جائے گی۔ طلباء صرف تین روپیہ میں سال بھر کے لئے خریدار ہو سکتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ انتہائی رعایت ہے جس سے ارباب ذوق کو فائدہ اٹھانا چاہئے۔



باوجود اس رعایت اور کمی قیمت کے مضامین کی رنگینی، کتابت و طباعت کی نفاست، اور پیمانہ کے معیار دائمی کے تحفظ میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی فرق نہ آئے گا۔ جنوری ۱۹۲۷ء سے جو اصحاب پیمانہ کے خریدار ہوں۔ وہ چار روپیہ ذریعہ منی آرڈر بھیجدیں وی پی بھیجنے میں ۸ر کے قریب فضول نقصان ہوگا۔

میں ان معاصرین سے بیحد شکوہ سنج ہوں جن کے اخباروں یا رسالوں میں مضامین پیمانہ پر کوئی تنقید ہوتی ہے یا پیمانہ کے خلاف کچھ لکھا جاتا ہے اور وہ اپنا رسالہ یا اخبار دفتر پیمانہ میں بھیجنے کی تکلیف گوارا نہیں فرماتے۔ اس قسم کے مضامین عموماً وہ رسائل اشاعت کے لئے قبول کر لیتے ہیں جن کا تبادلہ پیمانہ سے نہیں ہے۔ پیمانہ نے اصول تبادلہ میں اپنی روش ہمیشہ نرم رکھی ہے لیکن جو رسالے خواہ مخواہ اپنے پراگندہ کاغذوں کو "آسمانی صحیفہ" سمجھتے ہیں ان سے خوشامد بھی نہیں کرتا کہ وہ ضرور تبادلہ منظور کر لیں تبادلہ کے لئے میں ایسے معاصرین کو اب بھی مجبور نہیں کرنا چاہتا لیکن ان کے تاریک حملوں کی پالیسی کو میں انتہائے بزدلی اور ایک سفیہانہ حرکت سمجھتا ہوں۔ اعتراض و تنقیص سے انہیں کون روکتا ہے لیکن وہ جواب نہ سننے کیلئے دوسروں کو فریب لاعلمی کیوں دیتے ہیں۔ اور مقابلہ کے میدان میں مردانہ وار کیوں نہیں آتے؟ رسالوں کے اقتصادی دشمن اِدہر تو وہ حضرات ہیں جو وی پی طلب فرما کر واپس فرما دیتے ہیں اور اُدہر وہ مشتہرین ہیں جو اشتہار چھپواتے وقت اپنی خوش معاملگی کا ثبوت دینے کے لئے معتبر ترین الفاظ استعمال کرتے ہیں اور جب قیمت طلب کیجاتی ہے تو خط کا جواب تک نہیں دیتے۔ ایسے بدمعاملہ مشتہرین کے نام معاصرین اور عام آگاہی کے لئے اگر شائع ہوتے رہیں تو ان کی نقصان رسانی سے ایک بڑی حد تک ملکی رسائل کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ پیمانہ میں اشتہار دیکر جن لوگوں نے باوجود سخت تقاضوں کے قیمت نہیں بھیجی انکے نام اور پتے نوٹ کر لیجئے

(۱) پیرس بیوٹی ہاؤس۔ (ایف) پوسٹ بکس نمبر ۱۴۴۔ انارکلی لاہور۔

(۲) مفید عام دواخانہ۔ حلقہ نمبر ۹ دربھنگہ (بہار)۔

(۳) سپرانٹنڈنٹ بہار گارڈن نمبر ۸۹ دربھنگہ۔

(۴) ترکی و انیڈ کمپنی مچھی ہٹہ لاہور

میرے بعض خوش فہم معاصر مجھے الزام دے رہے ہیں کہ میں ہندوستان میں ایک نئی زبان ایجاد کر رہا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میری طرف سے ایسے خیالات کیوں پیدا ہو گئے ہیں۔ اگر تنگ نظری سے کام نہ لیا جائے تو اردو کے دامن کو جدید استعارات، نئی تراکیب، اور خوشگوار اسلوب بیان سے وسیع کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ قدیم الخیال اور قدامت پرست حضرات مطلق غور نہیں فرماتے کہ زمانہ ترقی کر رہا ہے۔ اور زمانہ کے ساتھ ساتھ ہماری زبان کو بھی ترقی کرنی چاہئے۔ "مہد ماضی" میں جو زبان بولی جاتی تھی اس کا "کنارادب" میں ترک کر دینا ہمارے لئے ناگزیر ہے۔ اور پرانے خیالات کو نئی کروٹ بدلوا دینا حقیقی خدمتِ ادب ہے۔ پرانے اور بوسیدہ برتنوں پر بار بار قلعی کرنے سے یہ بہتر ہے کہ نئے ظروف مذاق جدید کے مطابق مہیا کر لئے جائیں۔ ہمیں اُردو کو ان زبانوں کے مقابلہ میں لانا ہے جو اسوقت دنیا کی زندہ اور مکمل زبانیں سمجھی جاتی ہیں۔ تو کیا ہم اس مقصد میں اپنی قدیم الایام طرز نگارش کو قائم رکھتے ہوئے کامیاب ہو سکتے ہیں؟ اگر میں خوش ہوں کہ جدید طرز انشا

مخالف انگلیوں پر گنے جانے کے قابل رہ گئے ہیں۔ احسن، افسر میرٹھی، عظمت اللہ، شاداں، اپنے چند ہم نوا مبلغ جعل رسالوں اور اخباروں کے ساتھ بہاشا اور ہندی کی علم برداری کو موجب فخر سمجھے ہوئے ہیں انکا ساتھ وہی چند افراد دے رہے ہیں جو اردو کو علمی و ادبی زبان دیکھنا نہیں چاہتے۔ مگر شکر ہے کہ ان کے مقابلہ میں ایک کثیر الافراد طبقہ ایسا پیدا ہو گیا ہے جو ان کی مخالفت کو "مجبوری" اور حمق سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ یہ بیچارے شکستہ پا، جدید الطرز انشا پردازوں اور اہل قلم کے ساتھ میدان صحافت میں دوڑ نہیں سکتے، اس لئے چاہتے ہیں کہ تمام ملک ان کی طرح واماندہ ہو جائے۔ مگر ایسا ہو نہیں سکتا۔ اردو ان کے دماغوں، ان کی پھس پھسی زبان، اور ہچکیاں لینے والے قلم کو پیچھے ڈھکیل کر آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اور یہ اپنی شکستگی کے ماتم میں اسیر ہزیاں ہیں۔ اب تو ہمیں بھی ان سے ہمدردی ہوتی جاتی ہے!



مجھے کسی نے اطلاع دی ہے کہ "ہندوستان کی عریاں نویس خواتین" کے عنوان سے کسی رسالہ میں پیمانہ کے بعض نسائی مضامین پر بھی اعتراض کئے گئے ہیں۔ میری نظر سے یہ اعتراضات ابتک نہیں گذرے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ اعتراضات انہیں مولوی نما رندوں کے ہوں گے جو عورت کو صرف "پردہ کی پری" اور "گھر کی ماما" سمجھتے ہیں۔ جو نہیں چاہتے کہ عورت اپنے جذبات لطیف کا اظہار کسی پیرایہ میں کرے۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ وہ گونگی ہو جائے۔ اندھی ہو جائے۔ لنگڑی ہو جائے۔ اور ایسی ہو جائے کہ ترقیات حاضرہ کی روشنی اس کے پیکر محبوس کو چھو بھی نہ سکے۔ وہ اسی حالت میں مر جائے۔ اور پھر دنیا اس کا نام بھی نہ لے۔ معاف کیجئے، جسے یہ لوگ عریاں نویسی سمجھے ہوئے ہیں وہی دراصل حقیقت نگاری ہے۔ جب نسائی قلم مردوں کی بیجا شکایت، بدرسمیوں کے شکوے، پابندیوں کے گلے، اور صحیح جذبات کی آزادانہ ترجمانی کرتا ہے تو یہ لوگ اسے عریاں نویسی سمجھتے ہیں۔ یہ صرف ان کے خیال اور فہم کی نسائیت ہے جو انہیں عریاں نظر آ رہی ہے۔ ورنہ میں تو صحیح اور فطری جذبات نگاری کو عورت کے لئے "خلعت انسانیت" سمجھتا ہوں۔

سیماب اکبر آبادی

ادبیات

خلاصۃ الباب:-

شاعری مذہبی نقطۂ نظر سے

اکثر خشک حضرات شاعری کو مذموم ہی نہیں خیال کرتے بلکہ اسے جزو کفر جانتے ہیں دنیا میں ہر درجہ کے انسان پائے جاتے ہیں بعض میں بہت زیادہ احساس ہوتا ہے بعض میں کم اور بعض میں بالکل ہی نہیں ہوتا۔ جن میں احساس نہیں ہوتا ان کا تو ذکر ہی فضول ہے لیکن جنھیں احساس ہوتا ہے ان میں ایک گروہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جو مناظر قدرت کی دلچسپیوں سے لطف اٹھا سکتا ہے لیکن نہیں اٹھاتا، وہ ادبیات نادرہ سے محظوظ ہو سکتا ہے لیکن نہیں ہوتا وہ اپنے علمی تخیل سے لطف شاعری کو محسوس کر سکتا ہے لیکن نہیں محسوس کرتا۔ وہ اپنے علمی غرور کے نظریہ میں اس درجہ منہمک رہتا ہے کہ شاعری (فطری جذبہ) کی قدر ہی نہیں کرتا۔ رفتہ رفتہ یہ فطری احساس بالکل ہی بیکار ہو جاتا ہے جسکا نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ فطری شے (شاعری) ہی کو مذموم سمجھنے لگتا ہے۔

اب چند سوال پیدا ہوتے ہیں ۱۔ کیا مذہب درحقیقت شاعری کی ممانعت کرتا ہے؟ ۲۔ شارع علیہ السلام نے شاعری کو کس نگاہ سے دیکھا ۳۔ شاعری کی بابت صحابہ کیا رائے رکھتے تھے۔

اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن پاک میں خدا نے مختلف مقامات پر شاعری کو بُرا کہا ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے بلکہ دراصل اس مسئلہ کے سمجھنے میں معترضین سے بڑی غلطیاں ہوئی ہیں۔

جناب باری اس امر سے اچھی طرح واقف تھا کہ جس دنیا میں اسلام اور بانی اسلام کو بھیجا جا رہا ہے وہاں کی شاعری فصاحت و بلاغت کے مدارج میں غیر معمولی حد تک ترقی کر چکی ہے اور چونکہ شاعری بھی ایک ایسا فن تھا جس سے انسان ممتاز اور نمایاں شخصیت کا انسان ہو جاتا تھا اس لئے خدا نے اپنے رسولؐ کو شاعری کی نعمت دیکر بھیجنا نہ صرف اپنی بلکہ اپنے رسولؐ کی شان کے بھی منافی جانا اسلئے ارشاد فرمایا۔

مَا عَلَّمْنَاہُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِی لَہٗ — ہم نے اس (رسولؐ) کو شعر نہیں سکھایا اور یہ اسکے شایان شان بھی نہ تھا۔

شاعری رسولؐ کے شایان شان کئی وجہوں سے نہ تھی منجملہ اس کے یہ بھی وجہ تھی کہ اگر رسول کو شاعر بنا کر بھیجا جاتا تو جیسے اور شعراء کو خصوصیت حاصل تھی زیادہ سے زیادہ آپ بھی ایک نادر شاعر تسلیم کرلئے جاتے۔

لیکن قدرت کے نقطۂ نظر میں اپنے رسولؐ کو جس رتبہ پر پہونچانا منظور تھا وہ شاعری سے بہت ہی زیادہ ارفع اور اعلیٰ تھا۔ اسلئے خدا نے اپنے رسولؐ کو دنیا میں ایسی غیر معمولی شخصیت سے ظاہر فرمایا کہ اس کی فصاحت و بلاغت سے نہ صرف عرب بلکہ عالم کے دشت و جبل گونج اٹھے۔

یہانتک کہ ایک وہ وقت آیا کہ جب سورۂ "انا اعطیناک الکوثر" نازل ہوئی تو شعرائے عرب نے مل کر جواب لکھنا چاہا لیکن نہ لکھ سکے

بلکہ بالاتفاق یہ کہدینا پڑا کہ ما ہٰذا قول البشر (یہ انسان کا کلام نہیں) قرآن پاک نے جہاں جہاں شاعری کا ذکر فرمایا ہے اس سے شاعری کی مذمت مقصود نہیں بلکہ یہ بتایا ہے کہ رسولؐ کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ شاعر ہو کیونکہ شاعری کسی پیغمبر کا معیار قابلیت نہیں ہو سکتی اس لئے بعض بعض آیتوں میں صاف طور پر صراحت فرمادی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کلام سناتے ہیں وہ خدا کا کلام ہے اسکو شاعری یا کسی کاہن کی پیشین گوئی نہ سمجھ لینا۔ کیونکہ رسول کی شان اس سے بہت ہی بالا اور برتر ہے۔

ایک آیت ہے جو شاعری کی مذمت کے استدلال میں بہت زیادہ پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے۔ الشعراءُ یتبعہم الغاوٗن ۔ اور اس بنا پر شعراء کو گمراہ ٹھہرایا جاتا ہے حالانکہ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ غور کیجئے تو خدا شعراء کو گمراہ نہیں فرمارہا ہے کیونکہ اس نے الشعراء غاوٗن نہیں فرمایا بلکہ یتبعہم کا لفظ فرمایا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شعراء اور شعراء کی پیروی کرنے والے دونوں کی بابت خدا نے غاوٗن فرمایا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں اسلئے کہ الشعراء کے بعد عطف کا واؤ نہیں ہے اگر الشعراء کے بعد واؤ ہوتا تو غاوٗن کا شعراء پر بھی اطلاق ہو سکتا تھا یہاں تو خدا ان لوگوں کی گمراہی کا ذکر فرمارہا ہے جو بے سمجھے بوجھے شاعروں کی پیروی کرنے اور قدم بقدم چلنے کو طیار ہو جاتے ہیں۔ لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل مصرع کی موزونیت۔ غیر موزونیت مضمون کے مہذب اور غیر مہذب ہونے کا احساس ہی نہیں۔ اور شاعری کرنے کو طیار یہ نہیں سمجھتے کہ شاعری ایک فطری چیز ہے جو تقلید سے کسی طرح حاصل ہو ہی نہیں سکتی اسی لئے کسی بزرگ کا قول ہے کہ الشعراء تلامیذ الرحمان (شاعر رحمان کے شاگرد ہیں) خدا تو شعرا کی تعریف میں آگے فرماتا ہے کہ انہم فی کل وادٍ یھیمون۔ اس میں ہُم کی ضمیر شعرا کی طرف ہے یعنی وہی شعراء ہر قسم کی ہموار ناہموار گھاٹی کو طے کرتے رہتے ہیں۔

اگر مذکور الصدر آیت میں یتبعہم کو فاعل قرار دیا جائے تو بھی آیت شاعری یعنی جذبات نگاری کے منافی نہیں اس لئے کہ اس طرح اس آیت میں صرف ان شعرا کی مذمت ہے جنھوں نے شاعری کو گمراہ باتوں کے لئے وقف کردیا ہے اور اصل راہ سے بھٹک گئے ہیں رہا یہ کہ اصلی راہ کیا ہے اور شاعری کیسی ہونی چاہیئے اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاعری کو کس نظر سے دیکھا جب ہم اس امر پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ مختلف اوقات پر حضورؐ نے خود اشعار پڑھے ہیں اور پڑھنے کا حکم بھی دیا ہے اگر شاعری مذہباً مذموم ہوتی تو خود سرور عالمؐ کیوں ایسا فعل اختیار فرماتے۔

چنانچہ آپ نے کفار کے مقابلہ میں حضرت حسّان رضؓ کو تردیدی اشعار لکھنے کا حکم دیا حضرت حسّان رضؓ بن ثابت رضی اللہ عنہ دربار رسالت کے شاعر تھے۔ حضرت حسّان کے لئے مسجد میں آنحضرتؐ ممبر نصب کراتے جس پر بیٹھکر وہ کفار کی تردید اور آنحضرتؐ کی شان میں اشعار پڑھتے (دیکھئے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۳۶) اشعار میں حضرت حسّان رضی اللہ عنہ اس دلکش پیرایہ میں کفار کی تردید کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہو کر فرماتے "اللّٰھم ایّدہ بروح القدس" یعنی اے اللہ روح القدس سے اس کی مدد کر (دیکھئے مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۳۵) حضرت

عائشہؓ سے ایک حدیث مروی ہے

اَعْظَمُ النَّاسِ فِرْيَةً اِثْنَانِ شَاعِرٌ يَهْجُو الْقَبِيلَةَ بِاَسْرِهَا وَرَجُلٌ انْتَفٰى مِنْ اَبِيْهِ ابی الدنیا فی ذم الغضب (ھ) عن عائشۃ (صفحہ ۱۸ جامع الصغیر)	آدمیوں میں وہ شاعر بڑا جھوٹا ہے جو تمام خاندان کی ہجو کرتا ہے (اور دوسرا وہ جو) اپنے باپ کی نفی کرتا ہے ابن ابی الدنیا نے اس کو کتاب ذم الغضب میں روایت کیا اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ حدیث حسن ہے

اس میں صرف ہجو کی وجہ سے شاعر کی نسبت ایسا ارشاد فرمایا گیا ہے۔ نفس شاعری کو مذموم نہیں فرمایا کیونکہ ایک اور موقع پر نفس شاعری کی بابت حضورؐ فرماتے ہیں:۔

اٰمَنَ شِعْرُ اُمَيَّةَ بْنِ اَبِی الصَّلْتِ وَكَفَرَ قَلْبُهٗ (جامع الصغیر صفحہ ۱۴)	امیہ ابن الصلت کا شعر ایمان لایا (یعنی اسکے اشعار میں ایسے مضمون ہیں جو مقتضائے ایمان ہیں) اور اس کا قلب کافر ہوا۔

اب یہاں نفس شاعری کی بابت حضورؐ نے جو کچھ فرمایا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شاعری کوئی مذموم چیز نہیں۔ ہاں شاعر کی بداخلاقیوں سے شاعری البتہ مذموم ہو جاتی ہے اگر محض شاعری معیوب فن ہوتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ حدیث ارشاد نہ فرماتے

اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ " اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ " (ق ۰) عن ابی ہریرہ (جامع الصغیر صفحہ ۴۱)	جس شاعر نے بہت سچا کلام کہا ہے لبید شاعر کا کلام ہے۔ " الا کل شیء ما خلا اللہ باطل "

اسی مضمون کو حضور انور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور موقع پر اس طرح ارشاد فرمایا۔

اَشْعَرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَتْ بِهَا الْعَرَبُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ (جامع الصغیر صفحہ ۴۳)	بڑی سمجھ کا کلام جو عرب کے شاعر نے کہا ہے لبید (شاعر) کا کلام ہے۔ الا کل شیء ما خلا اللہ باطل (اس کا دوسرا مصرعہ یہ ہے) وَكُلُّ نَعِيْمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ (یعنی آگاہ ہو جاؤ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے اور تمام نعمتیں ضرور زائل ہونے والی ہیں۔

صحیح بخاری شریف کے حوالہ سے مشکوٰۃ شریف مطبوعہ انوار الاسلام امرتسر کے صفحہ ۴۰۶ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور موقع پر فرمایا۔

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا	شعر میں بے شک حکمت ہے اور بیان میں جادو۔

اس ارشاد پاک سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضورؐ نے نظم اور نثر دونوں قسم کی شاعری کی کن جامع اور بہترین الفاظ میں تعریف فرمائی ہے۔ فن شاعری کے لئے اس سے بڑھکر اور کیا فخر ہو سکتا ہے کہ ایک اولو العزم رسولؐ شعر کو حکمت کے لفظ سے تعبیر فرماتا ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت کعب بن مالک نے جب یہ شعر کہا۔

جَاءَ السَّفِینَۃُ کَےْ تُغَالِبَ رَبَّھَا	سفینہ آیا تاکہ اپنے مالک پر غالب ہو جائے ؏
وَلَیُغْلَبَنَّ مُغَالِبُ الْغَلَّابُ	اور اس شخص پر ضرور غالب ہوگا جو غالب پر فتح پا چکا ہو

توحضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَقَدْ مَدَحَکَ اللہُ یاکعب بہذا یعنی اے کعب تیرے اس قول سے اللہ نے تیری تعریف کی۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے یہ فرمایا ان اللہ لَمْ یَنْسَ ذَالِکَ لَکَ یعنی بیشک اللہ تیرا شعر تجھکو نہ بھلاکے (دیکھئے تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۰۰)

خصائص کبریٰ میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ نابغہ جعدی نے دربار رسالت میں ایک جید شعر عرض کیا توحضورؐ نے فرمایا اَجَدْتَ لَایُفْضِضُ اللہُ فَاکَ یعنی تو نے جید شعر کہا اللہ تیرے دانتوں کو نہ توڑے نابغہ نے سو سال کی عمر پائی لیکن دانت نہ گرے۔ (دیکھئے دلائل النبوت جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ اور خصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۶۶)

سیرت محمدیہ مولفہ مولوی کرامت علی صاحب دہلوی مطبوعہ بمبئی کے صفحہ ۲۰۴ میں ہے کہ حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میرا باپ میرا مال لینا چاہتا ہے آپ نے حکم دیا کہ اپنے باپ کو میرے پاس بلالاؤ جب اس کا باپ آیا حضورؐ نے فرمایا تمہارا لڑکا کہتا ہے کہ تم اسکا مال تصرف میں لانا چاہتے ہو باپ نے کہا حضورؐ جب اس کا مال چچا اور قرابت والوں کے مصرف میں ہے تو پھر میں اپنے لئے بھی اس کا صرف کرنا کیوں جائز نہ سمجھوں اتنے میں حضرت جبرئیلؑ تشریف لائے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس آدمی نے شعر کہا ہے جو ابھی تک اس کے دل میں ہے حضورؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے کوئی شعر کہا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ آپ کی بصیرت اور یقین کو اللہ ہمارے لئے ہمیشہ زیادہ کرے پھر وہ اشعار سنائے جن کا پہلا شعر یہ تھا۔

غَذَوْتُکَ مَوْلُوْدًا وَّعِلْتُکَ یَافِعًا	اللہ نے تجھکو اس حال میں عطا کیا کہ تو بچہ تھا اور تیری پرورش میں بہت تکلیف ہوئی۔ تو میری پسندیدہ اور جمع کی ہوئی چیزوں سے ایسا سیراب ہوا ہو اسکے بعد (تجھکو) کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں رہی۔
تُعَلُّ بِمَا اَجْنِیْ عَلَیْکَ وَتُنْھَلُ	

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گریہ فرمایا پھر اس کے بیٹے کا گریبان پکڑ کر فرمایا جاؤ تم اور تمہارا مال (دونوں) تمہارے باپ ہی کے ہیں۔

مشکوٰت شریف کے صفحہ ۴۰۳ میں ہے کہ شعر فی نفسہ برا نہیں ہوتا بلکہ مقصد کے اعتبار سے اس کی بابت اچھے یا برے کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ ایسا شعر جسکا مطلب خلاف شرع ہو جیسے ہجو وغیرہ تو وہ درحقیقت مذموم ہے لیکن وہ خلاف واقعہ الفاظ جو صرف تحسین کلام کے لئے استعارہ اور تشبیہ کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں چنانچہ قصیدہ

بانت سعاد میں شراب سے (لعاب) رضاب کی تشبیہ دی گئی ہے۔

تجلو عوارض ذی ظلم اذا ابتسمت	تو جو وقت مسکراتا ہے تو سامنے کی چیز روشن ہو جاتی ہے
کانہٗ منھل بالراح معلول	گویا تیرا منہ شراب کا لبریز چشمہ ہے

اس شعر میں تشبیہ (دیکھو وہ کیسی تشبیہ شراب) سے استعارہ کا کام لیا گیا ہے لیکن حضور روحی فداہ نے اس شعر کو سنکر کچھ نہیں فرمایا اس سے ثابت ہے کہ کلام کی زینت کے لئے استعاروں اور تشبیہوں کا استعمال کرنا بیجا نہیں لیکن نہ اسقدر کہ مبالغہ کی حد تک پہونچ جائے۔ سید محمد برزنجی مدنی نے اپنے بعض رسالوں میں اس کا ذکر فرمایا ہے کہ جب کعب زہیر نے حضورؐ کی شان میں یہ شعر لکھکر سنایا۔

ان الرسول لنور یستضاء بہٖ	رسول (روحی فداہ) بیشک ایسے نور ہیں جن سے روشنی حاصل
مہند من سیوف اللہ مسلول (سیف)	کیجاتی ہے۔ اللہ کی ننگی تلواروں میں سے آپ ایک تلوار ہیں

تو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر یہ اصلاح فرمائی کہ مہندؐ کی جگہ سیفؐ کر دیا جس سے سیف کا نہ صرف محدود ہونا جاتا رہا بلکہ مصرعہ نہایت زوردار ہو گیا اور چار چاند لگ گئے (دیکھئے شرح قصیدہ بانت سعاد صفحہ ۱۹۷ مطبوعہ یورپ ۱۸۷۱ء)

مسلم شریف کی دوسری جلد کے صفحہ ۱۹۰ مطبوعہ مصر اور تہذیب الاسماء مطبوعہ یورپ کے صفحہ ۱۶۴ میں ہے کہ ایک روز حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرید صحابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا " امیہ بن الصلت کا کوئی شعر یاد ہے ؟ انہوں نے عرض کیا یاد ہے۔ فرمایا سناؤ۔ انھوں نے سنایا۔ حضور سنکر خوش ہوئے۔ ان صحابی کا بیان ہے کہ میں نے سو اشعر حضور کو سنائے۔ اگرچہ امیہ ابن الصلت کافر تھا (جسکی بابت پہلے حدیث گذری) لیکن حضور نے اس کے اشعار کو پسند فرمایا اور سنا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مضمون شعر پر نظر رکھنا چاہیئے اس سے کچھ بحث نہیں ہونا چاہیئے کہ کس نے کہا ہے۔ پھر ایک اور موقع پر کعب بن مالک کے معروضہ پر حضورؐ نے فرمایا۔

ان المومن من یجاہد بنفسہٖ ولسانہٖ والذی	مومن تلوار اور اپنی زبان سے جہاد کرتا ہے بخدا جس کے ہاتھ
نفسی بیدہٖ لکانما ترمونھم بہٖ نضح النبل	میں میری جان ہے گویا تم تیر کی طرح شعر سے کفار کو مارتے ہو

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک لڑائی میں تھے کہ حضرت کی انگلی زخمی ہوئی آپ نے فرمایا

ہل انت الا اصبع دمیت	تو خون آلود انگلی ہے۔
وفی سبیل اللہ ما لقیت	اور یہ (خون آلود ہونے کی تکلیف) فی سبیل اللہ ہے

متفق علیہ انوار الاسلام جز رابع صفحہ ۳۵۷

حضرت انس سے مروی ہے مہاجرین اور انصار نے ایک بار خندق کھودنے میں دل بہلنے کے لئے یہ شعر پڑھا۔

نَحْنُ الَّذِی بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِہَادِ مَابَقِیْنَا اَحَدًا	ہم سب نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جہاد پر بیعت کی ہے

اسی وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی انصار کے ذوق بڑھانے کے لئے یہ شعر پڑھا

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا الْعَیْشُ الْاٰخِرَہ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَہ	اے اللہ زندگی نہیں۔ مگر آخرت کی زندگی انصار اور مہاجرین کو بخش دے

ایک بار جب حضور نے خندق کھودی اور مٹی آپ کے جسم سے بھری تھی تو آپ نے یہ شعر فرمائے۔

وَاللّٰہِ لَوْلَا اللّٰہُ مَا اھْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا اِنَّ الْاُلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَۃً اَبَیْنَا	اے خدا اگر ہم کو (کفار سے جنگ کے وقت) ہدایت نہ ہو ہم نہ صدقہ دے سکیں نہ نماز پڑھ سکیں تو ہم کو صبر عطا کر اور جب ہم اُنسے ملیں ہم کو ثابت قدم رکھ ان کفار نے زیادتی کی ہے وہ ہمارے دین میں فتنہ کا ارادہ کرتے ہیں اور ہم انکو دفع کرتے ہیں

حضور سے ایک بار ایک صحابی نے عرض کیا کہ شعر کی بابت حضور کی کیا رائے ہے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا شعر اچھا برا (شعر) برا۔ (دیکھئے صفحہ ۳۵۵ مشکوٰۃ شریف)

سچ پوچھئے تو بعض شعرا کی مبتذل اور مبالغہ آمیز شاعری نے فن شاعری کو بدنام کر دیا حالانکہ شعر ایسا ہونا چاہئے جو سچے حقیقی جذبات سے لبریز ہو جس سے قلبی دنیا میں نمایاں انقلاب ہو سکے شاعری ایک ذہنی قوت ہے جسے شاعر مختلف طریقوں سے ظاہر کرتا ہے یہی قوت جب کوئی دلکش پیرایہ اختیار کر لیتی ہے تو قلب پر ایسا غیر معمولی اثر پڑتا ہے کہ جس سے اکثر حالت بدل جاتی ہے حقیقی حسیات عالیہ کو شعر کا لباس اس طرح پہنانا چاہئے کہ سنتے ہی انسان مسرور یا مضطرب ہو جائے معمولی خیالات کو شاعری کے قالب میں ڈھالنا یہ کوئی نادر بات نہیں ہے حقیقت یہ ہے کہ جو انسان جیسا ہوتا ہے اس کے اشعار بھی ویسے ہی ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض شعرا کے کلام میں پستیوں کی جھلک پائی جاتی ہے۔ حالانکہ شاعری کا بلند تخیل ایسے مضامین سے متعلق ہونا چاہئے جن کا حسیات اخلاق سے تعلق ہو جسمیں دلکش مناظر قدرت کی طرف عرفانی توجہ دلائی گئی ہو جس کا ہر ہر لفظ نتیجہ میں روحانیات کی طرف متوجہ کر دیتا ہو۔

شعر ایسے حقیقی جذبات کا ترجمان ہونا چاہیے جس سے انسان کے دل میں خضوع، خشوع، سوز، اور گداز کی بجلیاں بھر جائیں۔ چنانچہ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک دن جبرئیلؑ حاضر ہوئے اور فرمایا کہ اے اللہ کے رسولؐ آپ کی امت کے فقیر مالداروں سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہوجائینگے حضورؐ اس اطلاع پر بہت مسرور ہوئے اور آپ نے اس مسرت پر فرمایا "کیا تم میں سے کوئی شعر پڑھکر سنا سکتا ہے ایک بدوی نے عرض کیا جی ہاں اور یہ اشعار پڑھے۔

كُلَّ صُبْحٍ وَ كُلَّ اِشْرَاقِ	ہر صبح سویرے
تَبْكِی عَيْنِی بِدَمْعٍ مُشْتَاقِ	میری آنکھ اشتیاق کے آنسو روتی ہے
قَدْ لَسَعَتْ حَيَّةُ الْهَوٰى كَبِدِی	محبت کے سانپ نے میرے جگر میں کاٹ لیا ہے
فَلَا طَبِيبَ لَهَا وَلَا رَاقِی	اس کا نہ کوئی علاج ہے نہ کوئی طبیب
اِلَّا الْحَبِيبَ الَّذِی قَدْ شَغَفْتُ بِهٖ	مگر (ہاں) میرا حبیب جس پر میں فریفتہ ہوں
فَاِنَّهٗ رُقْيَتِی وَ تِرْيَاقِی (صفحہ ۱۶۲ انتصاح)	میرا تریاق اور منتر اسی کے پاس ہے

یہ اشعار چونکہ جذبات حقیقی سے لبریز تھے سنتے ہی حضورؐ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی یہانتک کہ چادر مبارک کندھے پر سے گر گئی جو خاص صحابی تھے وہ بھی اس کیفیت سے متاثر ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا لوگوں نے حضورؐ سے دعائے مغفرت چاہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دو شعر لکھکر میت کے ساتھ قبر میں رکھدیئے۔

وَفَدْتُ اِلَى الْكَرِيمِ بِغَيْرِ زَادٍ	(اشعار کا خلاصہ یہ ہے) اچھائیوں اور قلب سلیم
مِنَ الْحَسَنَاتِ وَالْقَلْبِ السَّلِيمِ	کے ساتھ ہیں بغیر کسی توشہ کے اپنے کریم کے
فَاِنَّ الزَّادَ اَقْبَحُ مِنْ قَبِيحٍ	پاس پہونچا ایسی حالت میں کہ میں ایک کریم کے
اِذَا كَانَ الْوُفُودُ اِلَى الْكَرِيمِ (صفحہ ۱۶۲ انتصاح)	پاس جارہا ہوں توشہ بدترین چیز ہے۔

اب اگر ہم صحابہ کی شاعرانہ زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی جن میں مذہبی عنصر بہت غالب تھا ان میں بھی شاعری کی دلچسپیوں کا نمایاں احساس پاتے ہیں یہی وجہ تھی کہ آپ کو سیکڑوں شعر یاد تھے (دیکھیے الفاروق مطبوعہ کانپور صفحہ ۲۶۲) خوات ابن جبیر کا بیان ہے کہ میں ایک سفر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا لوگوں نے فرمائش کی کہ ضرار کے اشعار گاؤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ اپنے اشعار خود گائیں چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور رات بھر گاتا رہا۔ (دیکھیے الفاروق مطبوعہ کانپور صفحہ ۲۹۳ و ۲۹۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عرب کے اکثر شعرا کا کلام

یاد تھا کتاب العمدہ (جس کا قلمی نسخہ مولانا شبلی کے پاس تھا) میں علامہ ابن رشیق القیروانی نے لکھا ہے

وکان من انقد اھل الزمانة للشعر و انفذہم فیه معرفة	(یعنی حضرت عمرؓ) اپنے زمانہ میں سب سے بڑھکر شعر کے نقاد اور ادا شناس تھے۔

امرأ القیس۔ زہیر۔ نابغہ۔ ان میں سے زہیر کا کلام حضرت عمرؓ کو بہت پسند تھا ایکبار حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اشعر الشعرا کے شعر پڑھو انہوں نے عرض کیا وہ کون؟ تو آپ نے فرمایا زہیر۔ زہیر کے بعد وہ نابغہ کے معترف تھے پھر بھی حضرت عمرؓ کو امرء القیس کی جدّت طبع سے انکار نہ تھا ایکبار حضرت عبد اللہ ابن عباس نے آپ سے شعرا کی نسبت رائے پوچھی تو آپ نے امرا القیس کی نسبت فرمایا۔

سابقهم خسفَ لهم عن الشعر وَافتقرَ عن معانٍ عورٍ اَصحّ بَصرٍ	وہ سب سے آگے ہے اُسنے شعر کے چشمے سے پانی نکالا ہے اسی نے اندھے مضامین کو بینا کر دیا ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذوق سخن اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ آپ جب کوئی اچھا شعر سنتے تو اکثر مزے لے لے کر پڑھا کرتے تھے جس کو مولانا شبلی نے بالتفصیل بیان کیا ہے اس کے علاوہ آپ نے عرب کی شاعری میں یہ اصلاح فرمائی کہ عرب کے شاعر جو شریف عورتوں کے نام نظم کیا کرتے تھے اس کی بابت سختی سے حکم دیدیا اور سزا مقرر کر دی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو ایکبار آپ نے ایک فرمان لکھ بھیجا جسکا خلاصہ یہ ہے۔

"لوگوں کو اشعار لکھنے کا حکم دو کیونکہ وہ (یعنی اشعار) اخلاق کی بلند"
"باتیں اور صحیح رائے اور انساب کی طرف راستہ دکھاتے ہیں"

(الفاروق مطبوعہ لاہور صفحہ ۲۶۲) عمر بن خطاب"

فرمان کے مضمون سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کس قسم کے مضامین کے اشعار پسند فرماتے تھے اور انھیں واقعات سے ہم اور صحابیوں کی شاعرانہ زندگی کے متعلق بھی نتیجہ نکال سکتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ شاعری مذموم نہیں بلکہ دراصل شاعری کو مضامین اچھا یا بُرا بنا دیتے ہیں۔ شاعری کی ابتدائی زندگی کو چاہے کسی طرف منسوب کیا جائے لیکن اصل یہ ہے کہ دنیا کے قدیم سے قدیم مذہب میں بھی کچھ نہ کچھ شاعری کا عنصر ضرور ملے گا اس صورت میں شاعری کا قدیم ہونا مذہب کی قدامت سے متعلق ہو جاتا ہے اور متعلق ہو جانے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انسان کی قلبی کیفیات کی ترتیب کا دوسرا نام مذہب ہے اور انھیں کیفیات کی ارتفاعیت ایک جذبۂ روحانی ہے جسکا دوسرا نام شاعری ہے لیکن ہر کیفیت اور جذبہ کے لئے جامعیت درکار ہے اور جامعیت شعر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی نتیجہ یہ کہ شاعری اور مذہب لازم ملزوم

چیزیں ہیں جنکو کسی طرح جدا نہیں کیا جاسکتا۔

اسی سلسلہ میں مجھے اور بھی چند امور گذارش کرنا ہیں۔ صوفیانہ شاعری پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرات صوفیہ رح نے جدید اصطلاحیں قائم کرکے اسلام میں ظاہر و باطن (یعنی عشق مجازی اور عشق حقیقی) کی تفریق کردی حالانکہ اسلام میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس زمانہ ہی سے دو طرح کی تعلیم چلی آرہی ہے جسکے متعلق اس وقت صرف دو حدیثیں نقل کرتا ہوں۔

نَحْنُ معاشرالانبیاء اُمِرنا اَن ننزّلَ النّاسَ مَنَازِلَهُمْ وَنُكَلِّمَهُمْ عَلٰى قَدْرِ عُقُولِهِمْ (ابو داؤد۔ حضرت عائشہ)	ہم گروہ انبیا کو حکم ہے لوگوں کو ان کے مرتبوں میں رکھیں اور ان سے ان کی عقلوں کے موافق کلام کریں۔
اِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَاهِرًا وَّ بَاطِنًا وحدٌّ مُّطَّلعاً	قرآن پاک کا ایک ظاہر ہے ایک باطن ہے اور اس میں ہر ایک (آیت کا) ایک انتہائی مقام (ترقی) ہے۔ بروایت ابن حبان۔ دیکھو پرچہ الہادی ماہ شعبان ۱۳۴۳ھ

اب یہ کہ حضرات صوفیہ رح نے فن تصوف کی اصطلاحیں قائم کرکے اپنی کیفیات قلبی کو کیوں چھپایا اور عام کیوں نہیں کردیا اس کے جواب میں (معاشر الانبیا والی حدیث اور) یہ حدیث ملاحظہ ہو۔

اِسْتَعِيْنُوْا عَلَى الْحَوَائِجِ بِالْكِتْمَانِ	اپنی ضرورتوں پر پوشیدگی سے مدد لو۔

حضرات صوفیہ رح کی بابت شاہد پرستی کا گمان کرنا اِنَّ بعض الظّنِّ اِثمٌ (یعنی بعض گمان گناہ ہیں) کی حد تک پہونچا دیتا ہے۔ ان حضرات کا تو اس حدیث مبارک پر عمل ہے۔

مَنْ عَشِقَ فَعَفَّ وَكَتَمَ وَمَاتَ مَاتَ شَهِيْدًا باللّٰہ (صفحہ ۱۱۲ کنز العظیم)	جو عاشق ہوا اور پاک رہا اور چھپاتا رہا اور مرگیا وہ شہید ہے۔

اب آئیے ظاہر و باطن یعنی مجاز اور حقیقت کی شاعری پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالیں۔ شاہد پرستی (عشقیہ شاعری) جسکا الزام صوفیانہ شاعری پر رکھا جاتا ہے رودکی سے شروع ہوئی جیسا کہ رودکی کے اس شعر سے ظاہر ہے۔

دشوار نمائی رخ و دشوار دہی بوس آسان بربائی دل و آسان ببری جان	تو مشکل سے چہرہ دکھاتا ہے اور بوسہ بھی مشکل سے دیتا ہے لیکن دل اور جان نہایت آسانی سے اڑالیجاتا ہے

رودکی نے ۳۰۳ھ میں[۱] وفات پائی جس سے ثابت ہے کہ دوسری صدی ہجری سے عشقیہ شاعری کا آغاز ہوچکا تھا۔

[۱] شعر العجم پانچویں جلد صفحہ ۳۴۔

صوفیانہ شاعری جس نے عشقیہ شاعری میں شاہد پرستی اور خدا پرستی میں حدِ فاصل قائم کردی اس کا سہرا حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر رح کے سر ہے یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے فارسی شاعری کو تصوف سے روشناس کرایا ان کی ایک رباعی ملاحظہ ہو۔

غازی بر رہِ شہادت اندر تگ و پوست	غازی شہادت کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے
غافل کہ شہید عشق فاضل تر از وست	لیکن یہ نہیں جانتا کہ شہید عشق کا مرتبہ اس سے بڑھکر ہے
در روز قیامت ایں بداں کے ماند	قیامت میں وہ اس کے رتبہ کو کیسے پہونچ سکتا ہے
کیں کشتۂ دشمن ست واں کشتۂ دوست	کہ یہ دشمن کا مارا ہوا ہے اور وہ دوست کا

حضرت سلطان ابوالخیر رح نے سنہ ۴۶۴ھ میں[1] وصال فرمایا جس سے ثابت ہے کہ چوتھی صدی ہجری سے صوفیانہ شاعری شروع ہوئی درمیان میں دو صدی کا تفاوت ہے پھر صوفیانہ شاعری پر شاہد پرستی کی تہمت کہانتک صحیح کہی جا سکتی ہے چونکہ چوتھی صدی کے آغاز میں عشقیہ شاعری عام تھی اسلئے اس زمانہ کے بعض صوفی شعرا خال خال اس سے متاثر ہوئے لیکن

گر یکے عیبے بود با صد صفات
بر مثال چوب باشد در نبات

صوفیانہ شاعری کا اثر جتنا بڑھتا گیا اتنی ہی عشقیہ شاعری کمزور ہوتی چلی گئی۔ حضرت ابوالخیر۔ حضرت حکیم سنائی۔ حضرت عطار رح یہ سب ایسے حضرات ہیں جنکے کلام میں حقیقت کا پہلو اس درجہ غالب ہے کہ مجاز کا شک بھی نہیں ہوتا۔ درحقیقت شاعری پاکیزہ جذبات کے اظہار کا نام ہے۔ تصوف کا عنصر ملنے سے پہلے فارسی شاعری رزم، ہجو۔ مدح، قصائد کی بنا پر طلب جاہ اور کھانے کمانے کا ذریعہ بنی ہوئی تھی تصوف نے شاعری کے چہرہ سے یہ تمام بدنما داغ مٹا دئے اور اس کو سچے پاکیزہ جذبات سے لبریز کرکے حقائق معارف کا گنجینۂ روشن تر بنا دیا۔

اگر تصوف کی نعمت فارسی شاعری کے ہاتھ نہ آتی تو فارسی شاعری اخلاق اور فلسفہ سے بالکل محروم رہتی۔ یہ تصوف ہی کی بدولت اخلاق اور فلسفے[2] کی دولت شاعری کو نصیب ہوئی ہے۔

صوفیانہ شاعری میں ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ان الفاظ اور خیالات سے بالکل پاک ہوتی ہے جو تہذیب اور متانت کے خلاف ہیں مثلاً بوس و کنار وغیرہ کیونکہ تصوف میں عشق حقیقی کا بیان ہوتا ہے تصوف میں اگرچہ

[1] شعرالعجم پانچویں جلد صفحہ ۱۲۰۔ [2] شعرالعجم پانچوین جلد ۱۲۵ صفحہ

بہت سے خیالات مجاز کے پیرایہ میں بیان کئے جاتے ہیں لیکن ان کے مفہوم کا نتیجہ عرفان الٰہی ہوتا ہے اگر کوئی شخص الفاظ یا الفاظ کے مفہوم سے اپنے افعال قبیحہ کی تاویل کرتا ہے تو یہ اس کے نفس کا کید ہے تصوف یا صوفیانہ شاعری اس کی ذمہ دار نہیں ہوسکتی۔

فرض کیجئے کسی ڈاکٹر نے ایک مریض کو بیرونی استعمال کے لئے کوئی زہریلی مگر خوشرنگ دوا بتائی اس مریض نے باوجود علم ہونے کے اس دوا کو کھالیا جس سے موت واقع ہوگئی۔ اب بتلائیے کیا ایسی حالت میں دوا قصوروار ہے؟ اور کیا ڈاکٹر اس کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے؟۔

مجاز کے پیرایہ میں اگر بعض خیالات ظاہر کئے جاتے ہیں تو اسی حد تک کہ تشبیہ اور استعارہ کے ذریعہ عشق حقیقی پر محمول ہوسکیں۔ مگر بقول غالب۔

ہر بوالہوس نے عشق پرستی شعار کی　　اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

جب عام شعراء نے دیکھا کہ تصوف کے جذبات اور مسائل بیان کرنے سے شعر نہایت ہی بلند ہو جاتا ہے اور مذہب کی ریحانیت سے دفعتاً رگوں میں ایک خاص نورانیت دوڑ جاتی ہے تو بوالہوس فارسی اور اردو شعرا نے بھی اسی رنگ کو اختیار کرنا شروع کردیا لیکن دنیا جانتی ہے کہ اگر کوئی شخص کھانا پکانے کی ترکیبیں زبانی یاد کرے یا ان کو دلکش طرز ادا میں ظاہر کرتا پھرے تو اس سے وہ شخص اس فن کا ماہر ہرگز نہ کہلائے گا۔ جبتک عملی طور پر اسمیں کامل نہ ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شاعر حضرات صوفیہ رح کے طریقۂ تعلیم اور مسائل تصوف کو یاد کرے اور ان کو دلکش پیرایہ میں بیان کرتا پھرے تو وہ کسی طرح صوفی کہلانے کا ہرگز مستحق نہ ہوسکے گا اور کسی طرح فن تصوف کا ماہر نہ سمجھا جائے گا۔ جب تک عملی طور پر اس فن میں کامل نہ ہو یا کسی کامل کے سلسلہ سے وابستہ نہ ہو۔

فارسی صوفیانہ شاعری کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے اسی سے اردو صوفیانہ شاعری کے متعلق بھی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے ہمارے بعض جدید تعلیم یافتہ حضرات مغربی تہذیب سے متاثر ہوکر زور کے ساتھ اس رائے پر اڑے ہوئے ہیں کہ شاعری وزن اور قافیہ سے آزاد کردی جائے۔ لیکن چند مغربی　فاضلوں کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

۱؎ کارلائل واضح طور پر لکھتا ہے کہ "بذات خود میں قدیم شاعری میں وزن کے التزام کو جس سے موسیقیت پائی جاتی ہے ضروری پاتا ہوں"۔

۲؎ میتھو آرنلڈ کہتا ہے کہ شعر میں وزن ضروری چیز ہے۔

۳؎ بل کہتا ہے کہ انسان جب سے انسان بنا ہے اس کے تمام گہرے اور قلبی خیالات کا خیال مقفیٰ زبان میں ظاہر

۱؎ نگار اکتوبر ۱۹۳۶ء صفحہ ، دیکھئے۔

کئے جانے کی طرف جارہا ہے۔

جرمنی کے مشہور فلسفی کا مقولہ ہے کہ قافیہ اور وزن کا استعمال شعر کو بہت بلند کر دیتا ہے حقیقت یہ ہے کہ وزن اور قافیہ نہ صرف وہ چیزیں ہیں جن کو انسانی جذبات کے ابھارنے کا آلہ کہا جا سکتا ہے بلکہ یہ دونوں شعر کی موسیقی کے لئے نہایت ہی اہمیت رکھتی ہیں۔

اب ہم ناظرین کو اپنے اصل موضوع کی طرف پھر متوجہ کرنا چاہتے ہیں اور اسی سلسلے میں اپنے بحث سے ہٹ کر ہم نے جو کچھ بیان کیا اس کی معافی چاہتے ہیں۔

متقدمین شعرا کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے استعاروں اور تشبیہوں کا استعمال کیا کرتے تھے متاخرین نے محض اسی کو مایۂ ناز سمجھ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مبالغہ کے تیرۂ و تاریک غار میں جا گرے اور مشغلِ معانی کھو بیٹھے صرف اسی پر بس نہ کیا بلکہ اسی سلسلہ میں شعرا نے فحش اور گندے مضامین سے شاعری کو بھر دیا اور ایسے مضامین نظم کئے جن سے اسلام کی تنقیص ہوتی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب نے شاعری کو نہایت غضب آلود نگاہ سے دیکھا اور کفر کا فتویٰ لگا دیا ہم یہاں اردو فارسی شعرا کے ایسے اشعار کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

غالب

لاتقرب الصلات زنہیم بخاطر ست وزامر یاد ہست کلوا واشربوا مرا

سعدی

امرد آنگہ کہ خوبروئے بود تلخ گفتار و تند خوئے بود
چوں بریش آمد و بلاغت شد مردم آمیز و مہر جوئے بود

حافظ

با صنمے چو لعبتے خوش بہ نشیں بہ خلوتے بوسہ بدہ بکام از و نازہ بتازہ نو بنو
مئے دو سالہ و محبوب چاردہ سالہ ہمیں بس ست مرا صحبتِ صغیر و کبیر

ناسخ

اے پری تو نے جو پہنی ہو سنہری انگیا آج آئی ہے نظر سونے کی چڑیا ہم کو

رند

کھولئے شوق سے بندِ انگیا لیٹ کر ساتھ نہ شرمائیے آپ

امیر

بوسے بازی میں انہیں دھوکے ہوئے		بے گنے دس بنیں۔ دس گن کے لئے
اب مزے لوٹیں گے اٹھتی ہے جوانی انکی		نخل امید سے دو پھل ہیں اترنے والے

جلیل

بوسے کو جگہ ملی لبوں پر		اب رنگ جمے گا کیا مسی کا
جہاں بوسے ملے پھر وصل کے ارماں نکلتے ہیں		عجب یہ پھول ہیں جب توڑتا ہوں مجھکو پھلتے ہیں

داغ

لے لئے ہم نے لپٹ کر بوسے		وہ تو کہتے رہے ہر بار - یہ کیا؟
حوروں کا انتظار کرے کون حشر تک		مٹی کی بھی ملے تو روا ہے شباب میں

عظمت اللہ خاں علیگ دہلوی

اٹھتا جوبن گدرا گدرا		آپ ہی من میں کھب جائے

نامعلوم

رات کو خوب سی پی صبح کو توبہ کرلی		رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

شوق قدوائی

کوئی جائے قاضی خیالی کے گھر		تو در پر وہ دل لیتی ہے قاضیہ
نہ بھولے کبھی لطف اس گھر کا شوق		و لو کان فی عیشۃ الراضیہ

(جناب باری کے کلام سے یہ مضحکہ - استغفراللہ) متقدمین شعرا اگرچہ استعارات اور تشبیہات سے کام لیتے تھے تاہم ان کے اشعار میں سچے جذبات کی جھلک ضرور پائی جاتی ہے اور شاعری کی اصلی تعریف بھی یہی ہے کہ وہ سچے جذبات کی تصویر ہو اور جب سچے جذبات ہونگے تو وہ جادۂ اعتدال سے نہ ہٹے ہوئے کہے جائینگے نہ مذہبی گرفت میں آسکیں گے۔ نہ ان سے شاعری کے صحیح معنوں میں فرق آسکے گا۔ ذیل میں ہم فارسی اردو شعرا کا وہ کلام درج کرتے ہیں جس کا دامن ابتذال سے بالکل پاک ہے اور جو جذبات نگاری کی تعریف میں آسکتا ہے اور ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ ایسی شاعری ہدف مذہب نہیں ہوسکتی کیا اچھا ہو کہ ہمارے پرانے خیال کے شعرا بھی اسی قسم کی شاعری کیا کرتے۔

ملا ظہوری

سعی فرمائے کہ سیماب شوی از تف شوق ‏ ‏ کہ اگر کشتہ شوی قدر تو افزوں گردد

حضرت امام غزالیؒ

کس را پس پردۂ قضا راہ نہ شد ‏ ‏ وز سرِ قدر ہیچ کس آگاہ نہ شد
ہر کس ز سرِ قیاس چیزے گفتند ‏ ‏ معلوم نگشت و قصہ کوتاہ نہ شد

طالب آملی

گر من بجائے جوہر آئینہ بودمے ‏ ‏ بے رونما ترانہ تو کے رونمودمے

شکیبی صفاہانی

پروانہ نیک رفت کہ در پیش شمع سوخت ‏ ‏ آگہ نشد کہ سوختنِ غائبانہ چیست

مولانا رومؒ

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق ‏ ‏ تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

حضرت مغربیؒ

دل کشتنی نمی کند ہیچ مرا بسوئے او ‏ ‏ تا کششی نمی کند سوئے دلم بسوئے او

حضرت خسروؒ

جاں ز تن بردی و در جانی ہنوز ‏ ‏ درد ہا دادی و درمانی ہنوز

حضرت جامیؒ

ہر دم ز تو در سینہ صد داغ وفا خواہم ‏ ‏ با درد تو خو کردم حاشا کہ دوا خواہم

حضرت سرمدؒ

جانم بسوخت از غم و بے غم نمی کنی ‏ ‏ دانی جراحتِ دل و مرہم نمی کنی

نجم الدین آبرو

دل تو دیکھو آدم بے باک کا ‏ ‏ عشق سے تپلا بھرا ہے خاک کا

اشرف علیخاں فغاں

بھر لیجیو دامن میں فغاں لختِ جگر کو ‏ ‏ ہم خانہ بدوشوں کا سر انجام یہی ہے

خواجہ میر دردؒ

دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

مرزا مظہر جانجاناںؒ

آتش کہو شرارہ کہو کوئلا کہو
مت اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرو

شیفتہ

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
ہے آگ سی جو سینے کے اندر لگی ہوئی

سودا

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

ترابؒ

آدم کو ملک کہتے تھے کیا خاک بنے گا
سمجھے نہ کہ سرتا قدم ادراک بنے گا

ذاکر دہلوی

اثر ہیں دو طرح کے ایک میرے اشک رنگیں میں
جو بہہ جائے تو دریا ہو جو رک جائے تو گوہر ہو

غالب دہلوی

نغمہ ہائے دل کو بھی اے دل غنیمت جانئے
بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

صبا

دل میں ایک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

عزیز

عشق اک تبصرہ ہے حسن کی رعنائی پر
حسن اک فلسفہ ہے عشق کی رسوائی کا

درد کاکوروی

کاش!

(اثر: پروفیسر اکبر حیدری - ایم - آر - ایس)

کاش ہوتا مری تقدیر میں کوئی اعجاز — کاش تقدیر بناتی مجھے انشا پرداز
کاش میں شعر کے پردے میں سنا سکتا راز — کاش تصویر بناتا کوئی جذبات نواز
کاش ہوتا مری آواز میں کچھ سوز و گداز

شعلۂ عشق کو لفظوں میں اٹھاتا تھا مجھے — حالِ دل ہر کس و ناکس کو دکھاتا تھا مجھے
ایک طوفان محبت کا اٹھانا تھا مجھے — قصۂ حسن صدا سوز سنانا تھا مجھے
کاش ہوتا مری تقدیر میں کوئی اعجاز

پہلوئے شمع میں کچھ خاک تھی پروانے کی — کعبۂ دل میں نمائش تھی صنم خانے کی
خط کشیدہ تھی عبارت کہیں پیمانے کی — ہر تعلّی کو ضرورت تھی اک افسانے کی
کاش تقدیر بناتی مجھے انشا پرداز

نظر آتی مرے دامن پہ نہ غم کی تفسیر — یوں نہ ہوتے مرے آنسو مرے دل کی تصویر
آہ کرتی نہ محبت کی مکمل تشہیر — میرے الفاظ میں سمٹی ہوئی آتی تاثیر
کاش میں شعر کے پردے میں سنا سکتا راز۔

آنکھ کے پردے میں پنہاں تھا جمال محمود — تھا تصور میں کسی حسن کا نقشہ موجود
جنبشیں تھیں مرے ہاتھوں میں قلم کا مقصود — قطرۂ خونِ جگر میں تھی تمنائے نمود
کاش تصویر بناتا کوئی جذبات نواز

کاٹ دیتا یونہیں دل سوز زمانہ غم کا — بے تکلف میں لٹا دیتا خزانہ غم کا
ڈھونڈھ لیتا لبِ خاموش بہانہ غم کا — ایک دنیا کو سناتا میں فسانہ غم کا
کاش ہوتا میں مغنّی کی رسیلی آواز

لیکن اکبر مری تقدیر تھی ویرانہ طراز — میں مصور ہوں نہ شاعر ہوں نہ انشا پرداز
درد میں ڈوب کے نکلے گی نہ میری آواز — نہ مغنّی نہ مقرّر ہوں نہ میں پردہ ساز
میری خودداری نے سیکھے نہیں ایسے انداز

حسن اور عشق کے آغوش میں صادق ہوں میں — اپنے جذبات پہ قادر ہوں کہ عاشق ہوں میں

خدائے موسیقی تان سین

تان سین کے مولد، وطن اور تاریخ پیدائش سے متعلق صحیح حالات کی دستیابی سخت دشوار ہے! مگر جہاں تک تحقیق ہو سکا وہ یہ ہے کہ اس فخر ملک باکمال مغنی کی پیدائش ۱۵۳۱ء مطابق سمت بکرم ۱۵۸۸ میں اور بخیال بعض ۱۵۱۰ء میں ہندوستان کے مشہور شہر گوالیار کے متصل ایک موضع موسوم بہ "بیہٹ" میں ہوئی! مشہور انگریزی مورخ ونسنٹ اسمتھ (Vincent Smith) بھی تان سین کی پیدائش ۱۵۱۰ء میں بتاتا ہے!

تان سین کے والد کا نام "مکرند پانڈے" تھا جو بخیال بعض "کان کنج" اور بخیال دیگر "گوڑ" برہمن تھے، کہتے ہیں کہ وہ بھی علم موسیقی سے بخوبی واقف تھے!

مسرودم ونود میں لکھا ہے کہ "تان سین کا اصلی نام ترلوچن مسر تھا۔ وہ اپنے والد مکرند پانڈے کی وساطت سے "رام رنجن" راجہ گوالیار کے دربار میں باریاب ہوا۔ مکرند پانڈے پر راجہ کی خاص نظر عنایت تھی، چنانچہ ترلوچن مسر آہستہ آہستہ مقربان شاہی میں داخل ہو گیا بالآخر ایک دن راجہ نے اس کے کسی راگ پر بہت خوش ہو کر اسکو "تان سین" (راگوں کا راجہ) کا معزز خطاب عنایت کیا، اور جو بعد ازاں اسقدر مشہور ہوا کہ لوگ اس کے اصلی نام کو قطعی بھول گئے!!"

"مکرند پانڈے" کے جو اولاد ہوتی تھی، وہ اوائل عمر ہی میں فوت ہو جاتی تھی، چنانچہ جب ترلوچن یعنی "تان سین" پیدا ہوا تو اس کا باپ اپنے اس پیارے بچہ کو گوالیار کے ایک باخدا بزرگ محمد غوث شاہؒ کی خدمت میں لایا اور تان سین کو ان کے قدموں میں ڈال کر چلا گیا!

خدا کی قدرت کاملہ سے وہ زندہ رہا اور ایک ایسا شخص ثابت ہوا جس کا نام موجودہ نسلیں نہایت عزت، احترام اور عقیدتمندی سے لیتی ہیں اور آئندہ نسلیں بھی اس کو دنیا کے کاملان فن اساتذہ میں شمار کرتی رہیں گی! تان سین جس کی آواز قدرت نے قوت کہربا کا مظہر اور سحر مجسم بنائی تھی اپنے ولی کامل استاد اور سرپرست سے ایک مدت تک فیضان حاصل کرتا رہا۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تان سین کے کمالات میں اس کے مقدس مربی کا بھی حصہ تھا۔ آخر کار اپنی عمر کے طفلانہ ایام محمد غوث شاہؒ کی خدمت میں صرف کرنے کے بعد تقریباً دس برس کی عمر میں وہ "مان سنگھ تومر" راجہ گوالیار کی قائم کردہ درسگاہ موسیقی میں جو ۱۴۸۶ء سے ۱۵۱۶ء تک قائم رہی، داخل ہو گیا!

تان سین کو "درہوپد" راگ کی تعلیم اسی جگہ ملی تھی "منجانہ موسیقی میں درہوپد راگ اک نغمۂ مجسم ہے اور ایک ایسا ساغر منکیف جس کے لبوں پر صہبائے گلگوں مرتعش ہو! ماہران موسیقی اس راگ کو ارفع جانتے ہیں اور اس کی اثر اندازی کو دلکش، وجد آفریں، نفاس اور سحر آگیں مانتے ہیں! راجہ مذکور نے اسی راگ کی اشاعت کی غرض سے اس "ایوان نغمہ" کی بنا ڈالی تھی۔[1] راجہ مان سنگھ نے، جو خود بھی ایک عمدہ مغنی تھا، اپنے درباری مغنیوں۔ بکشو۔ مکھوا اور بھانو کے ذریعہ درہوپد راگ کی جو اس زمانہ میں بہت ہردلعزیز تھا خوب اشاعت کی!"

تان سین اس راگ کا مرد میدان تھا، چنانچہ آج تک یہ راگ اس کی اولاد میں وراثتاً مخصوص ہے۔ راجہ مان سنگھ کی درسگاہ سے تعلیم پانے کے بعد وہ بندرابن (متھرا کے متصل) کے مشہور و معروف مغنی سادھو "شری ہری داس سوامی" کی خدمت میں پہونچا اور ان کا شاگرد ہو گیا۔

"نادونود" नाद विनोद میں "شری ہری داس سوامی" کے آٹھ شاگردوں کے نام لکھے ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) بیجو [illegible] (۲) گوپال لعل गोपाल लाल (۳) مدن رائے मदन राय (۴) رام داس राम दास
(۵) پنڈت دیواکر देवाकर (۶) پنڈت سوم सोम (۷) تنا مسر तना मिस्र یعنی "تان سین" اور (۸)
راجہ سکو کاسن – सक कासन –

مذکورہ بالا تمام شاگرد بعد تکمیل تحصیل علم مختلف ممالک میں منتشر ہو گئے اور اپنے سحر آگیں و سامعہ نواز نغمہ ہائے ترنم سے فضائے عالم کو لبریز کر دیا! چنانچہ (۱) بیجو۔ گوپال لعل۔ مدن رائے۔ اور رام داس، دہلی گئے۔ (۲) پنڈت دیواکر اور پنڈت سوم ناتھ پنجاب گئے۔ اور (۳) تنا مسر یعنی تان سین ریاست ریوان میں داخل ہوا۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ پہلے وہ (یعنی تان سین) شیر خاں کے شہزادہ دولت خاں کی خدمت میں گیا، وہاں کچھ عرصہ تک بود و باش رکھتے اور دولت خاں کی شان میں متعدد توصیفی قصائد لکھنے اور پڑھنے کے بعد راجہ رام چندر (رام سنگھ) کے عہد مینو سواد میں ریاست ریوان کے دربار میں باریاب ہوا، جہاں تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی شہرت بام فلک تک جا پہنچی اور مہاراجہ ریوان نے اس کو اپنا استاد بنا لیا۔

تان سین کے کمال موسیقی کی شہرت فضائے اوج و عروج میں صعود کن تھی، دور دراز ملکوں سے لوگ اس کی صورت دیکھنے اور اس کا نغمہ سننے کے لئے مشتاقانہ آتے تھے ہر جا اس کا ہی چرچا تھا، حتیٰ کہ سلطان جلال الدین محمد اکبر نے بھی اس کی تعریف سنی اور راجہ ریوان کی وساطت سے اس کو اپنے دربار میں طلب کیا!

---

[1] آئین اکبری

مہاراجہ موصوف نے ایک جشن عام کیا، اس میں تان سین کی بہت تعریف کی اور نہایت بیش قیمت طلائی جواہرات سے مزین دو کنگھن بطور انعام دیئے! تان سین نے مہاراجہ کی عنایات اور پُرخلوص محبت سے متاثر ہو کر کل حاضرین دربار کے روبرو یہ قسم کھائی کہ "میں آج سے سوائے آپ کے کسی دوسری ہستی کو داہنے ہاتھ سے سلام نہ کروں گا"، چنانچہ اس نے مرتے دم تک اس عہد کو خوب نباہا اور یہی وجہ ہے کہ آجتک اس کی اولاد سوائے دربار ریوان کے کسی کو داہنے ہاتھ سے سلام نہیں کرتی!

ریوان سے وداع ہو کر تان سین ۱۵۶۲ء میں دربار اکبری میں پہونچا۔ جب اکبر بادشاہ نے اس کا گانا سنا تو حد درجہ محظوظ ہوا دو لاکھ روپیہ انعام دیا اور اسی وقت سے اپنا استاد بنا لیا۔

ایک دن جب محفل نشاط گرم تھی اکبر نے تان سین سے دریافت کیا کہ "تیرا استاد کون ہے؟" تان سین نے "سری ہری داس سوامی" کا نام لیا۔ بادشاہ نے ان کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا۔ مگر سوامی جی تارک الدنیا فقیر تھے انہیں بادشاہوں کی ملاقات سے کیا کام تھا۔ چنانچہ اکبر خود معہ تان سین وچند محافظین وہمراہیان کے بھیس بدل کر بندرابن پہونچا۔ اور سوامی جی کا کمال موسیقی مشاہدہ کیا۔

اس[1] دن کے گانے کا لطف، جب اکبر معہ تان سین بھیس بدلکر سوامی جی کی خدمت میں گیا تھا، احاطۂ تحریر سے باہر ہے، سوامی جی نے ایک الاپ لی اور تمام وحوش، طیور وانسان مبہوت ومتکیف ہو گئے۔ ہر ذی روح بیخود تھا اور ہر بیجان چیز متہیج، قرب وجوار کی ہر شے پر غضب کا سکوت چھایا ہوا تھا اور ابر ہر چہار اطراف سے مجتمع ہو کر اس باکمال مغنی پر بارش رحمت کر رہا تھا حتیٰ کہ موسیقی کے راگ دھیمے ہو کر بند ہو گئے اور فضائے عالم میں ایک ترنم گونج چھوڑ گئے، بادشاہ اسقدر مسحور ہوا کہ سوامی جی کو آگرہ لے چلنے پر مصر ہوا مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔

ایسی ہی اکثر باتیں تان سین سے منسوب کیجاتی ہیں، مثلاً ایک بار وہ دربار میں گا رہا تھا کہ ایک راگ کی الاپ سے تمام فانوس گل ہو گئے۔ اور پھر جب اس نے "دیپک راگ" شروع کیا تو سب کے سب خودبخود روشن ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔

اکبر گو اُمّی تھا۔ مگر شاعری اور علم موسیقی کے متعلق بہت کچھ جانتا تھا۔ ابوالفضل ایک جگہ لکھتے ہیں "اکبر علم موسیقی اکثر تربیت یافتہ مغنیوں سے کہیں بہتر جانتا ہے اور "نقارہ نوازی" میں تو وہ فرید دہر ہے!" مشہور مورخ ونسنٹ اسمتھ (vincent Smith) نے اپنی انگریزی کتاب "اکبر اعظم" Akbar the grate mogul — میں لکھا ہے کہ "اکبر بادشاہ کے دربار میں دور دراز ملکوں کے اہل کمال مغنی موجود تھے۔ اس میں ہندو۔ ایرانی۔ تورانی اور کشمیری گوئیے تھے۔ ان سب کے سات حصے یا قبیل کر دئے گئے تھے، ہر فرقہ ہفتہ میں ایک بار دربار میں اپنا کمال

---

[1] نادونود کار
नाद विनोद कार

دکھاکر حضّار سے خراجِ تحسین و انعام وصول کیا کرتا تھا" علاّمہ ابوالفضل آئینِ اکبری" میں لکھتے ہیں کہ "اکبر کے دربار میں ۳۶ باکمال مغنّی موجود ہیں" "آئینِ اکبری" میں ان چھتیسوں ۳۶ مغنّیوں کی فہرست ہے، جس میں مالوہ کے نواب "باز بہادر" کا بھی نام ہے، ان کو اکبر نے صرف علمِ موسیقی سے ماہر ہونیکی بنا پر یک ہزاری منصب دار بنا رکھا تھا، ابوالفضل کے قول کے مطابق اس زمانہ میں "باز بہادر" کا مثیل نزدیک و دور نہ تھا، اسی فہرست میں "سورداس جی" کا بھی نام ہے جن سے تان سین کے بہت مخلصانہ تعلقات تھے۔

"ونسنٹ اسمتھ" کا بیان ہے کہ "تان سین اور سورداس جی میں بہت دوستی تھی، کیونکہ دونوں نے "راجہ مان سنگھ تومر" کی درسگاہ موسیقی" میں ساتھ ساتھ تعلیم پائی تھی۔ ماسوا اس کے سورداس۔ رام داس کے لڑکے تھے جو سری ہری داس سوامی کی نسبت سے تان سین کے پیر بھائی ہوتے تھے "

تان سین جہاں ایک باکمال و بےنظیر مغنّی تھا وہاں ایک نازک خیال شاعر بھی تھا۔ ایک مرتبہ جبکہ تمام درباری مغنّی اور شاعر ہم جلیس تھے یہ ذکر ہوا کہ "موجودہ راگ راگنیوں میں شاہی دربار کے مذاق و معیار کے موافق و مناسب ترمیم و تنسیخ کردینا چاہئے"! کم تر لوگوں نے اس کی مخالفت کی مگر کثرت رائے سے یہ تجویز منظور ہوگئی اور تان سین نے چھ راگوں میں سے "ہنڈول" اور "میگھ" راگوں کو اسلئے متروک کردیا کہ وہ اسلامی مذاق کے منافی تھے۔ اس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی کہ تان سین ایک فطری شاعر تھا اور اختراع و ایجاد کی خداداد استعداد رکھتا تھا، کہا جاتا ہے کہ اکبر کی بہت سی نظمیں تان سین کی کاوش فکر کا نتیجہ ہیں۔

"تان سین" کی تصنیف کردہ کتاب "سروده ونود" دنیائے موسیقی کے لئے ایک گرانقدر صحیفہ ہے، اس کتاب میں تین ابواب ہیں۔ (۱) سنگیت سار (گانے کا جوہر) (۲) راگ مالا (۳) سری کرشن جی کی صفت و ثنا۔ یہ کتاب بکرم سمت ۱۶۱۶ مطابق سنہ ۱۵۵۹ء میں لکھی گئی تھی جبکہ وہ دربار ریوان میں تھا۔ تان سین نے دربار اکبری میں اعزاز پانے کے بعد اسلام قبول کرلیا تھا۔ اس کو دربار شاہی سے "میرزا" کا معزز خطاب بھی عطا ہوا تھا۔ "ونسنٹ اسمتھ" لکھتے ہیں "اکبر کے دربار کے اکثر باکمال و باہنر لوگ غیر مذہب کے ہندو وغیرہ تھے مگر اسلامی پاکیزہ معاشرت، تمدن، و تہذیب نے ان کو اپنا اس قدر گرویدہ کرلیا تھا کہ وہ بخوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے۔ بہت سے مغنیوں کو "خان" کا خطاب بھی ملا تھا" مورخ مذکور ایک جگہ اور لکھتے ہیں کہ "تان سین کا آخری زمانۂ عمر نہایت ہی عیش و عشرت میں بسر ہوا مگر افسوس کہ اس میں دیگر مغنیوں کی خراب صحبت سے بہت سی بری عادتیں پیدا ہوگئی تھیں"

کہتے ہیں کہ "موت کے کچھ پیشتر تان سین گوالیار آئے اور اکبر بادشاہ کی چونتیسویں ۳۴ سالگرہ یعنی سنہ ۱۵۸۹ء میں مختصر علالت کے بعد عالمِ بقا کو کوچ کرگئے "

تان سین کی قبر گوالیار میں اپنے دیرینہ سرپرست، مربی اور مرشد کامل محمد غوث شاہؒ کی درگاہ کے پاس ہی ہے جس پر گنبد بھی بنا ہوا ہے تان سین کی یہ پختہ قبر یا مقبرہ بائیس ۱/۲ فٹ مربع اور سولہ ستونوں کی چھوٹی سی عمارت ہے۔ مرتے وقت تان سین کی عمر تقریباً نوے سال تھی "شری بھوان راؤ پنگل" کے "انڈین میوزک" [illegible] میں لکھا ہے کہ "تان سین کا ایک اور بھائی جس کا نام بھگوان داس تھا یہ مہابھارت کے اشلوک یا "پدوں" کو مختلف النوع راگنیوں میں گایا کرتا تھا۔ مگر اس نے تان سین کی طرح اسلام قبول نہیں کیا!۔

تان سین کے چار لڑکے تھے۔ جن میں سے ایک کا نام سورج سین عرف تان ترنگ تھا۔ "تان سین" اور "تان ترنگ" کا نام اکبری درباری گویوں کی فہرست میں لکھا ہے۔ اس وقت تان سین کے خاندان کے موجودہ اراکین، جہاں تک میری ناقص تحقیق مکمل ہو سکتی ہے مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) امیر خاں گوالیار میں (۲) نہال سین۔ جے پور میں۔ ان کو ریاست کی طرف سے ایک گاؤں جاگیر میں ہے (۳) بہادر سین خاں کے لڑکے وزیر خاں جو آجکل ریاست رامپور میں ہیں۔ تان سین کی تصنیف کردہ چند چیزوں کا ذکر کر کے میں اب اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں:۔ (۱) جس وقت مہاراجہ ریوان نے اس کو اپنا استاد بنایا اس وقت اس نے یہ کہا تھا۔

(۱) اچل چھترپتی بدھ ہیلا	بندیلکھنڈ کا راجہ چھترپتی نہایت قوی ہے۔
جگتا نریش، گرو گنیش، بدھ سرپتا	جو روشن ضمیر اور دنیا کا سب سے بڑا حاکم ہے۔
سکل بدھ بنائی	اس کا گرو "گنیش" ہے۔
اچل.............. (انترہ)	خدا نے اس کو ایسا ہمہ صفت موصوف بنایا ہے۔
چھترپتی سنہاسن، اچل رہو	خدایا! چھترپتی ہی ہمیشہ برسر حکومت رہے
جو لودہی سمیر کھورا سلطانی	
اچل.............. (انترہ)	

(۲) ایک دن اکبر بادشاہ نے فرمائش کی اور تان سین نے فوراً یہ چیز جس کو "یمن کلیان راگ" کہتے ہیں بنا کر سنائی:۔

جیو کروکوٹ برس لون آجم + ات سکھ پاؤ تیہارے دہام	اے بادشاہ کروڑوں برس تک زندہ رہکر بڑی عزیزی سے سلطنت کرو! دیکھو کہ ہم نے آپکی حکومت میں بہت آرام پایا ہے۔ ہمیشہ آپ زندہ رہیں اور ہمیشہ آپ کی دولت، حکومت و تخت برقرار رہے۔ بطفیل حضرت محمد صلعم۔
جیو کرو..............	
ترا عمر باشد و دولت مدام + بحق محمد علیہ السلام	
جیو کرو..............	

محمود بریلوی

مالن

صبح بہار۔ دنیا بے فکر سو رہی ہے
مرطوب۔ سرد جھونکے۔ گلشن میں آرہے ہیں
کوئی خموش۔ کوئی کروٹ بدل رہا ہے
اٹھ کر کسان اپنے کھیتوں کو جا رہے ہیں
ارباب معتقد کچھ سجدے میں گر پڑے ہیں
گلشن میں تازہ تازہ کلیاں چٹک رہی ہیں
روتی ہے اوس۔ غنچے ہنستے ہیں کھل کھلا کر

لمحات رفتنی پر قربان ہو رہی ہے
مخمور عیشِ فانی۔ آرام پا رہے ہیں
بستر کی سلوٹوں پر کوئی مچل رہا ہے
کچھ بد نصیب قسمت اپنی سلا رہے ہیں
پتھر کے روبرو کچھ با صد ادب کھڑے ہیں
موتی بھری قبائیں گل کی مہک رہی ہیں
لو وہ نسیم بھاگی پہلو میں گدگدا کر

آتی ہے اک حسینہ اٹھکھیلیوں سے چلتی
محتاج شانہ چوٹی کچھ سرخ مانگ عریاں
دوپٹہ پشت سر پر۔ گردن میں کچھ حمائل
دامان پیش اپنا۔ اک ہاتھ سے سنبھالے
مرجھائی چند کلیاں۔ چاندی کی بالیوں میں
محشر خرام گلشن کی شبنمی روش پر

کچھ جھومتی ہوئی سی آنکھوں کو اپنی ملتی
ماتھے پہ بال سر کے کھل کر ہوئے پریشاں
پیچھے سے کچھ گھسٹتا۔ سینہ پہ ایک آنچل
اک ہار موتیوں کا اپنے گلے میں ڈالے
اٹھتی ہوئی جوانی سے مست۔ ڈالیوں میں
کچھ مسکرا رہی ہے۔ غنچوں سے گود بھر کر

انگشت ہائے نازک سے پھول توڑتی ہے
خاموش ہیں بہاریں اپنا لٹا کے گلشن
مہندی رچیلے ہاتھوں میں خود سلگ رہی ہے
نشتر زبانیاں ہیں کیا کیا ستائشوں میں
اُس مست ظالمہ کو اتنی خبر نہیں ہے

بیدردیوں سے شاخیں خوش ہو کے موڑتی ہے
معصوم ہستیوں کا کرتی ہے خون مالن
آراستگی فطرت میں آگ لگ رہی ہے
بربادئ فضا ہے گویا نمائشوں میں
غنچہ پھبن میں ٹہنی پر ناز آفریں ہے

وہ پھول بن رہے ہیں۔ سہرا کسی کے سر کا ہے حسن عارضی پر ساماں کہیں نظر کا
کرتا ہے نذر کوئی دیوی کے آشرم پر کوئی چڑھا رہا ہے خورشید برق دم پر
بکھرے ہوئے پڑے ہیں درگاہ پر کسی کے کچھ پھول فاتحہ میں شامل ہیں جنتی کے
کوئی اتارتی ہے خوش ہو کے آرتی میں یا عطر کھینچ رہا ہے۔ مہکی ہوئی کلی میں
گلدستہ ہائے زینت محلوں میں جا رہے ہیں کانوں میں یا سہاگن کے زیب پا رہے ہیں
کروٹ میں یا مسلتے ہیں ایک مہ جبیں کی اور پر پڑے ہوئے ہیں یا نعش پر حسیں کی
یا بنکے ہار گردن میں۔ ہیں طوائفوں کے ہاتھوں میں یا پڑے ہیں بیدرد قاتلوں کے

القصہ ہے ہر اک شے صد رنگ ہر ادا میں بس فرق ہے مقاصد اور زینت بقا میں
گل کی مثال انساں معصوم ہے چمن میں زیبائش عمل ہے مقسوم انجمن میں
ہر پھول پھول انور ہر اک بشر بشر ہے
انجام نیک و بد میں انصاف خیر و شر ہے

سردار انور۔ بی۔ اے (علیگ)

اعترافِ جرم

(فسانہ)

(اثر:- مولوی علیم الدین- سالک- بی-اے)[1]

نوشابہ بسترِ مرگ پر پڑی دم توڑ رہی تھی- اس کی عمر تو کوئی ۳۵ سال تھی- مگر اس کے بشرے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ۷۰ سال سے بھی تجاوز کر چکی ہے- اس کے چہرے کا رنگ بالکل سپید تھا- منہ پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں- آنکھوں کے گرد بڑے بڑے حلقے پڑ گئے تھے اس کی بڑی بہن زہرہ اس کے سرہانے بیٹھی سرد آہیں بھر رہی تھی- زہرہ نوشابہ سے دس سال بڑی تھی- اس کے پاس ایک چھوٹی سی میز اور میز پر چند دوائیں رکھی ہوئی تھیں- اس کے ایک طرف چندن کی لکڑیاں اور دیگر متبرک اشیاء جل رہی تھیں- وہ دونوں نہایت بیقراری اور اضطراب سے موبد کا انتظار کر رہی تھیں- کمرے میں بالکل اداسی چھائی ہوئی تھی-

---

عالم شباب میں زہرہ ایک نوجوان آدمی سے بے حد الفت رکھتی تھی- اور وہ بھی اسے جان سے زیادہ عزیز سمجھتا تھا- اس کی شادی ہونے والی تھی کہ یکایک وہ نوجوان مر گیا- اس کی اچانک موت نہایت عبرت انگیز اور وحشت خیز تھی- وہ چند گھڑیوں میں بیمار ہوا اور چل بسا- زہرہ کا دل اس کی وفات سے ٹوٹ گیا- اور اس نے قسم کھالی کہ وہ تا دم زیست شادی نہ کریگی- وہ اس پر اب تک کاربند تھی- اس کی چھوٹی بہن نوشابہ جو اسوقت بارہ برس کی تھی اس کے پاس آئی- اس نے خود کو ہمشیرہ کی گود میں گرا دیا اور نہایت پر درد لہجہ میں کہا "باجی! میں تمہیں غمگین نہیں دیکھ سکتی- آہ! میں تمہاری آہ وزاری نہیں سن سکتی- جب تم روتی ہو میرا دل ہل جاتا ہے- میں کبھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑونگی- میں بھی شادی نہ کرونگی اور تمام عمر تمہاری خدمتگذاری میں بسر کرونگی" زہرہ کے دل پر ان الفاظ کا خاص اثر ہوا- اس نے اپنی چھوٹی بہن کو گلے سے لگایا- اس کا منہ چوما اور پیار کیا- لیکن اسے ان الفاظ پر یقین نہ آیا- وہ سمجھتی تھی کہ نوشابہ ابھی کمسن ہے- وہ شادی بیاہ کو کیا سمجھ سکتی ہے جب بڑی ہوگی خود بخود شادی کرے گی- مگر اس کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی جب نوشابہ نے اپنے الفاظ کی پائداری کر کے بتا دیا کہ ایفائے عہد اس کو کہتے ہیں- اس کے والدین نے لاکھ سمجھایا مگر اس پر کچھ بھی اثر نہ ہوا- وہ اپنے الفاظ پر اڑی رہی- زہرہ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر اس کی تمام کوشش اکارت گئی-

نوشابہ حسن وجمال کی مجسم تصویر تھی- نزاکت ولطافت اس کے ہر عضو بدن سے ٹپکتی تھی- بہت سے نوجوان طالب عقد تھے مگر وہ اپنی ہمشیرہ کا ساتھ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی- دونوں بہنیں ساتھ رہتی تھیں- اور ایک منٹ بھی ایک دوسری سے جدا نہ ہوتی تھیں-

تھیں۔ لیکن نوشابہ ہر وقت غمناک اور اندوہگیں نظر آتی تھی۔ اگرچہ زہرہ بھی غمگیں رہتی تھی۔ مگر نوشابہ اس سے زیادہ غمگین معلوم ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قبل از وقت بوڑھی ہوگئی۔ تیس برس کی عمر میں اس کے سر کے بال بالکل سفید ہوگئے۔ اس کی صحت روز بروز خراب ہوتی گئی۔ اس کی بیماری کی تشخیص کوئی نہ کرسکا۔ یہاں تک کہ اس کی موت کا وقت قریب آپہنچا۔

گذشتہ چوبیس گھنٹہ کے اندر اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ سنا گیا۔ ہاں۔ کبھی کبھی وہ اتنا ضرور کہتی تھی کہ "موبد اعظم کو بلاؤ"۔ وہ چت لیٹی ہوئی تھی۔ اور شدت درد سے تڑپ رہی تھی۔ اس کی آہ و بکا کی صدا کسی شخص سے سنی نہیں جاتی تھی۔ اس کی چیخ پکار سے سننے والوں کا دل دہل جاتا تھا۔ اس کی بہن نہایت غمناک تھی۔ وہ رو رہی تھی اور دو زانو ہو کر اپنی بہن کے لئے دعائیں مانگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی تمام امکانی قوت اس کے علاج میں صرف کردی۔ مگر نوشابہ کو ذرہ بھر بھی افاقہ نہ ہوا۔ اس کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی گئی۔

یکایک پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ خادمہ نے اطلاع دی کہ جناب موبد تشریف لے آئے ہیں۔ دروازہ کھلا۔ ادھر موبد اندر داخل ہوئے۔ نوشابہ نے جونہی موبد کو دیکھا اٹھ بیٹھی اور اس کی حالت میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی پھر یکایک اس کی حالت بگڑی۔ وہ خوف سے کانپ اٹھی۔ اور ناخنوں سے اپنا منھ نوچنے لگی۔ جناب موبد آگے بڑھے۔ اس کا ہاتھ تھاما۔ اسکی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور تسلی آمیز لہجے میں کہا "میری بچی دلیر ہو۔ وہ وقت جس کا انتظار تھا اب سر پر آپہنچا ہے۔ اب تم بیدھڑک اعتراف جرم کرلو۔ تاکہ تمہارے لئے بخشش کی دعا مانگوں"۔ نوشابہ نے آنکھیں کھولیں۔ وہ سر سے پاؤں تک کانپ رہی تھی۔ اس نے زہرہ کو بیٹھ جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا "میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں"۔ زہرہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور جناب موبد نے تند و آہستا سے چند دعائیں پڑھیں۔ اور اس کی روح کے لئے بخشش طلب کی۔

(۲)

"بخشش دو ـــــ بخشش دو ـــــ مجھے بخشش دو ـــــ بڑی بہن مجھے معاف کردو آہ! ـــــ تم نہیں جانتیں کہ میں اس وقت سے کتنا ڈرتی ہوں ـــــ آہ خوف سے میری جان نکلی جارہی ہے۔ مجھے معاف کردو ـــــ یزداں کے لئے معاف کردو ـــــ ...."

زہرہ کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ وہ اپنی بہن کی تسلی کے لئے کہنے لگی "تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔ تم کس بات کی معافی مانگتی ہو۔ تم نے میرا کیا بگاڑا ہے۔ بلکہ تم مجھے معاف کردو۔ کیونکہ میں تمہاری ہی خطاکار ہوں۔ آہ

تم نے میرے لئے کیا کچھ قربانی نہیں کی؟ عیش و عشرت پر لات ماری۔ سب کچھ چھوڑ دیا۔ اپنی زندگی خراب کی۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا۔ تکلیفیں برداشت کیں۔ دکھ سہے۔ خود مٹ گئیں مگر میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ آہ! تمہاری یہ قربانی بالکل عدیم المثال ہے۔ تم معصوم ہو۔ تم بالکل پاک ہو ـــــــ تم فرشتہ ہو" وہ ابھی کچھ اور کہنا چاہتی تھی مگر نوشابہ بیچ میں بول اٹھی:۔

"چپ رہو۔ ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ تم کیا تم کہہ رہی ہو تم بالکل بے خبر ہو۔ آہ ـــــــ مجھے اپنی کہانی کہنے دو۔ یہ نہایت خوفناک کہانی ہے۔ ـــــــ سنو۔ تم ہرمز کو جانتی ہو؟"

زہرہ چونک اٹھی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ سرخی اس کے رخساروں پر نمایاں ہو گئی۔ اس نے اپنی بہن کی طرف دیکھا" ہرمز۔ آہ! ہرمز ـــــــ میں اسے ایک منٹ کے لئے بھی اپنے دل سے فراموش نہیں کر سکتی۔ وہ میرا جانباز پرستار تھا۔ میں اسے بھول سکتی ہوں؟ ہرگز نہیں"

"تم جانتی ہو وہ کب مرا؟" ـــــــ نوشابہ نے کہا" اس وقت میری عمر صرف بارہ برس کی تھی۔ آہ ـــــــ ماں باپ کے لاڈ نے مجھے اسقدر بگاڑ دیا تھا کہ ضد پرستی اور ہٹ دھرمی میرا جزو زندگی بن گئی تھی۔ میں جس چیز کو حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اسے کر کے چھوڑتی تھی۔ اور دنیا کی کوئی طاقت اسے میرے پنجے سے بچا نہ سکتی تھی ـــــــ آہ ـــــــ کیا کہوں؟ ـــــــ کیا بتاؤں؟ ـــــــ کلیجہ منہ کو آتا ہے ـــــــ

میں سخت شرمندہ ہوں ـــــــ میں سخت نادم ہوں ـــــــ مجھے معاف کرو۔ میں تمہاری گنہگار ہوں ـــــــ سنو سنو ـــــــ جب وہ پہلے پہل تمہاری ملاقات کے لئے آیا۔ وہ کتنا خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت وہ ہمارے باپ کا پیغام لایا تھا۔ تمہیں یاد ہے نا؟ ـــــــ اُف چپ رہو ـــــــ مجھے بولنے دو ـــــــ مجھے داستان غم سنانے دو۔ جب میں نے اسے دیکھا۔ وہ میری نظروں میں کھپ گیا۔ وہ مجھے بہت ہی پیارا معلوم ہوا ـــــــ میں آرائش خانہ میں کھڑی اس کے حسن کی بہار لوٹ رہی تھی۔ اور وہ امی کو ابا جان کا پیغام سنا رہا تھا۔ ـــــــ وہ مجھے بہت پسند آیا۔ میں اسے بھلانا چاہتی تھی مگر مجھے رہ رہ کر اسی کا خیال آتا تھا۔ میری آنکھوں میں اسی کا نقشہ تھا۔ میرے دل میں اسی کا جلوہ تھا۔ میرے سامنے وہی موجود تھا۔ میرے پہلو میں وہی جلوہ گر تھا۔ اس کا خیال میرا جزو روح بن گیا۔

وہ پھر آیا ـــــــ کئی دفعہ آیا۔ میں چھپ چھپ کر اس کے دیدار سے اپنا دل شاد کرتی تھی ـــــــ میں اپنی عمر سے زیادہ عقلمند تھی۔ تم جانتی ہونا؟ ـــــــ میں تم سے زیادہ مکار تھی۔ مگر ہر وقت بھیگی بلی

بنی رہتی تھی ——— تم سب مجھے نیک اور سیدھی سادی سمجھتے تھے - مگر میں سخت ریاکار تھی ——— وہ اکثر ہمارے گھر آیا جایا کرتا تھا - میں اسے دیکھا کرتی تھی - اور دل ہی دل میں بہار حسن کے مزے لوٹا کرتی تھی - یہانتک کہ میں اس پر فریفتہ ہو گئی - مگر تم اس سے بالکل بےخبر تھیں - بسا اوقات میں اکیلی بیٹھکر اپنا مستقبل سوچا کرتی تھی - میں اس کے ملنے کی تجویزیں ہر وقت سوچتی رہتی - مگر مجھے ہر طرف سے مایوسی ہی مایوسی نظر آتی تھی ——— اس کا نام میرا وظیفہ تھا - میں اس کے تصور میں زندہ تھی - ہرمز - ہرمز - پیارا ہرمز ہی میرا ورد تھا -

ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ تم اس سے شادی کرنے والی ہو - آہ - باجی ! میری تمام امیدیں ٹوٹ گئیں - میں بالکل مایوس ہو گئی - دنیا میری آنکھوں میں تاریک ہو گئی - آہ - مجھے سخت قلق ہوا - میری نیند حرام ہو گئی - میں آنکھوں ہی آنکھوں میں روتی تھی اور دل ہی دل میں کڑھتی تھی - رقابت کی آگ میرا تن بدن جلائے دیتی تھی ——— تم اس وقت کتنی خوش تھیں - اور کس مزے سے ہرمز کو میٹھی میٹھی روٹیاں پکا کر کھلاتی تھیں - آہ ——— مجھے بھی ان کے بنانے کی ترکیب معلوم ہوئی - اور میری سب سے بڑی حسرت یہ تھی کہ میں اسے ایسی ہی روٹیاں پکا کر کھلاؤں - وہ انہیں مزے لیکر کھائے اور میری تعریف کرے اور کہے "کتنی لذیذ اور کتنی مزیدار ہیں" آہ جب وہ تمہاری تعریف کرتا تھا تو میں جل بھنکر کباب ہو جاتی تھی"

"میرے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی - تمہاری شادی کے دن نزدیک آتے گئے - یہانتک کہ دو ہفتہ باقی رہ گئے - میرا دماغ پھر گیا - حسد میری زندگی تھی - رشک میری جان تھا - جلاپا میرا ایمان تھا - اور میں حسد کے بل پر ہی زندہ تھی ——— میں نے اپنے دل میں کہا کہ وہ زہرہ کے ساتھ شادی کیوں کرے ؟ نہیں ہو گی - اس کی شادی زہرہ سے کبھی نہیں ہو گی ——— جب میں بڑی ہو جاؤں گی تو میری ہی شادی اس کے ساتھ ہو گی - میں اس سے محبت کرتی ہوں - اس کے سوا میں کسی اور سے محبت نہیں کر سکتی ——— ایک دن یعنی تمہاری شادی کے دس دن پہلے، تم اس کے ساتھ چاندنی میں سیر کرنے کے لئے گئیں وہ باغیچہ میں بہت دیر تک تم سے باتیں کرتا رہا - تمہیں یاد ہے نا ؟ ——— مجھے معلوم ہے کہ یہ تمہاری عمر میں پہلا موقع تھا - کیونکہ جب تم واپس لوٹیں تو تمہارا چہرہ زرد تھا - تم کانپ رہی تھیں -

میں تمہیں دیکھ رہی تھی ——— میں چھپ کر یہ تماشا دیکھ رہی تھی - اور جب میں نے تم دونوں کو ایک جگہ دیکھا تو میرے تن بدن میں آگ لگ گئی - نہ ہوئی بندوق ورنہ تمہیں وہیں ڈھیر کر دیتی ——— تم دونوں کو ——— مجھے اس سے نفرت ہو گئی - اور میں نے قسم کھائی کہ وہ تم سے شادی نہ کر سکے گا - کیونکہ اگر وہ ایسا کریگا تو میں یہ دیکھ نہ سکوں گی -

پس تم نے اس کا انجام دیکھ لیا بیٹے کیا کیا ؟ کچھ تم جانتی ہو ؟ ——— کچھ نہیں ——— تو پھر سنو ———

مجھ سے سنو۔ میں نے اکثر بوڑھے باغبان کو زہر کی گولیاں بناتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس سے وہ کتوں کو مارا کرتا تھا۔ وہ شیشے کو پیستا اور گوشت پر چھڑک دیتا۔ کتے اسے کھاتے اور سرد ہو جاتے تھے۔

میں نے امی کی الماری سے ایک بوتل چرائی۔ اسے بہت ہی باریک پیسا۔ سفوف کو پڑیا میں باندھ کر میں نے رکھ لیا۔ یہ نہایت چمکیلا سفوف تھا ــــــــــ دوسرے دن میں نے چھوٹی چھوٹی روٹیاں پکائیں۔ میں نے چاقو سے ان میں شگاف کئے اور وہ سفوف ان میں بھر دیا۔ اس نے تین روٹیاں کھائیں۔ میں نے ایک۔ اور باقی چھ روٹیاں میں نے تالاب میں پھینک دیں ــــــــ تم جانتی ہو کہ اس دن دو راج ہنس تالاب میں مرے ہوئے پائے گئے تھے۔ یہ اسی کا نتیجہ تھے

خاموش ــــــــ خاموش ــــــــ سنو ــــــ مجھے اپنا بیان ختم کر لینے دو ــــــ میں کیوں نہ مری؟ ــــــ میں بچ گئی۔ لیکن اس دن سے میری صحت بگڑنی شروع ہو گئی۔ اور میں دائم المرض ہو گئی۔ یہ سب اسی کا اثر تھا۔ وہ مر گیا تم جانتی ہو ــــــــ بعد ازاں ــــــــ ہمیشہ ــــــــ میری زندگی تلخ ہو گئی۔ میری صحت نے جواب دیدیا۔ اور میں اسوقت سے قسم قسم کی ایذائیں برداشت کر رہی ہوں۔ میرا ضمیر مر گیا۔ اہرمن مجھ پر غالب آگیا۔ میں نے قسم کھائی کہ میں تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں گی۔ اور میں ایک نہ ایک دن تمہیں یہ داستان غم سناؤں گی۔ مگر میں ڈرتی تھی۔ میں سوچا کرتی تھی کہ میں یہ داستان کیسے سناؤں۔ کس دن سناؤں ــــــ وہ وقت آگیا۔ آہ کتنا خوفناک ہے! بڑی بہن مجھے معاف کر دو میں تمہاری مجرم ہوں ــــــــــــ

میں صبح شام۔ رات دن اپنے کئے پر پشیمان تھی۔ میں اپنے انجام سے ڈرتی تھی اور اکثر اپنے آپ ہی آپ کہتی تھی کہ ایک نہ ایک دن یہ راز ضرور افشا ہو گا۔ اور مجھے یہ تمام واقعہ تمہیں سنانا پڑے گا۔ میں اس وقت کا انتظار کرتی تھی ــــــ اب میں نے ساری داستان سنا دی ــــــ ! خاموش ــــــ ابھی خاموش ــــــ اُف۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتی۔ آہ مرنے کے بعد جب میں اس سے ملوں گی تو وہ مجھے کن نگاہوں سے دیکھے گا۔ آہ۔ بخش دو۔ میرے گناہ بخش دو۔ میری تقصیر معاف کر دو۔ اگر تم میرے گناہ معاف کر دو گی تو وہ بھی ممکن ہے معاف کر دے ــــــ اُف ــــــ آہ ــــــ روحانی باپ آپ ہی انہیں سمجھائیے۔ کہ وہ میرے گناہ بخش دیں۔ میں نہایت بری طرح سے مروں گی۔ میری موت نہایت عبرتناک ہو گی۔ اگر تم میرے گناہ معاف نہ کرو گی ــــــــــ"

وہ خاموش ہو گئی۔ اس کا سانس نہایت تیزی سے چلنے لگا۔ وہ اپنے کمزور ہاتھوں سے اپنے بال نوچ رہی تھی۔ زہرہ نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ اور وہ بالکل بے حس و حرکت ہو گئی۔ وہ ہرمز کے متعلق سوچ رہی تھی۔ وہ دن اسے یاد آگئے۔ ان کی زندگی کس مزے سے گذرتی اگر وہ شادی کر لیتی۔ ہرمز کا خیال اس کی رگ و پے میں سرایت کر چکا تھا۔ وہ اس کے خیال میں گھل گھل کر آدھی رہ گئی

جوانی کا نقشہ اس کی آنکھوں میں پھر گیا۔ وہ بے اختیار رونے لگی۔ موبد اٹھ کھڑا ہوا اور نہایت متانت سے بولا "زہرہ تمہاری بہن اب دم توڑ رہی ہے۔ وہ اس دنیا میں چند ساعت کی مہمان ہے۔ وہ تھوڑے عرصہ میں اجل سے ہمکنار ہونے والی ہے" زہرہ چونکی۔ اس نے اپنے چہرے سے آنسو پونچھے۔ اپنی بہن کو گود میں لیا۔ اور کہا "میں نے تجھے معاف کیا۔ میں نے تیری خطا بخشش دی۔ پیاری بہن میں نے تجھے معاف کیا" اس کے بعد نوشابہ میں کچھ نہ تھا۔

صحیفۂ وارث

سب سے پہلا وارثی مذہبی اسلامی رسالہ ہے جو عنقریب یادگار وارث کو قائم رکھنے کی غرض سے دیار محبوب (دیوہ شریف ضلع بارہ بنکی) سے ہر قمری ماہ کے اوّل ہفتہ میں بہ پابندی اوقات و بہ کمال زیب وزینت بہ سرپرستی عالیجناب ہز اکسلینسی سر راجہ راجگان مہاراجہ سرکشن پرشاد صاحب بہادر شادؔ جی سی۔ آئی۔ ای یمین السلطنۃ وسابق مدار المہام وپیشکار حضور نظام تاجدار حیدرآباد دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہٗ شایع ہوگا۔ اسمیں مذہبی اخلاقی ادبی مضامین کے علاوہ فلسفۂ الٰہیات کے نکات تصوف کے کماینبغی مکشوفات ہر مذہب و ملت کے اکابر کے تذکرات۔ بزرگان دین کے حالات اور اولیاء اللہ کے مقدس سوانحات وملفوظات شایع ہوں گے ونیز مجاہدۂ نفسانی وتزکیۂ روحانی کے وہ طریق عمل بتائے جائینگے جس سے ہر طالب عالم سفلی میں بیٹھا ہوا عالم برزخ کے اسرار مشاہدہ کرسکے غرضکہ صحیفۂ وارث بجائے مجموعی بنی نوع انسان کو صراط مستقیم کا وہ اصلی وحقیقی پہلو بتا دے گا جسپر چلنے سے ہر ایک شخص خواہ وہ ہندو ہو یا عیسائی۔ یہود ہو یا نصاریٰ۔ ہندی ہو یا چینی مشرقی ہو یا مغربی القصہ کوئی بھی ہو اور کہیں کا بھی ہو۔ بستان محبت میں داخل ہوکر گلزار عشق کی بوئے وحدت سے مست وسرشار ہوکر اتحاد واتفاق کی روشوں پر بلا تفریق مذہب وملت ایک دوسرے سے بغلگیر ہوکر کہیگا

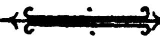
من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

قصہ مختصر صحیفۂ وارث ان پاک روحوں کیلئے جنھوں نے ازل میں الست بربکم کی صدا پر قالو بلیٰ کا اقرار کیا ہے ایک سچے اور سریع الاثر محرک کا کام دیگا۔ باوجود ان تمام ظاہری وباطنی خوبیوں کے اور اس عالمگیر گرانی کی حالت میں جبکہ ہر شے کمیاب بلکہ نایاب ہورہی ہے عام چندہ سالانہ ہے معہ محصولڈاک ہے۔ ارباب کرم واصحاب والاہمم ازراہ معاونت وسرپرستی جو کچھ بھی عطا فرمادیں وہ انکی عالی ہمتی وحوصلہ مندی پر محمول ہے کیونکہ دنیا کا کوئی کام ہو محض پبلک وقوم کی جمعیت اور اعانت کا محتاج ہے چنانچہ صحیفۂ وارث بھی ناظرین کی خدمت میں یہی آرزو لیکر حاضر ہوگا جلد سے جلد درخواست خریداری روانہ فرمایئے تاکہ رسالہ جاری کردیا جائے۔

تمام خط وکتابت وترسیل زر بنام جنرل منیجر رسالہ صحیفۂ وارث مقام دیوہ شریف ضلع بارہ بنکی (اودھ) ہونی چاہئے

فردوسِ گمشدہ

گل فریبِ چشمِ نظارہ تھی اک بزمِ نشاط گوشہ گوشہ جس کا صد فردوس درآغوش تھا
آئینے، موجۂ تسنیم تھے
غاشئے، جادۂ تسلیم تھے
پھول تھے یا آفتاب قمقمے تھے یا شہاب
ذرہ ذرہ سے طلوعِ بادۂ سرجوش تھا
قطرہ قطرہ کثرتِ مستی سے کوثر نوش تھا



عکس آئینوں میں حوروں کا مرقع تھا جمیل جتنی تصویریں تھیں سب میں زندگی بیدار تھی
تازگی، نور برساتی ہوئی
روشنی، طور چمکاتی ہوئی
چاندنی کی سلسبیل روشنی میں تھی وخیل
موجِ دودِ شمع ہنسنے کے لئے تیار تھی
فوج پروانوں کی تاروں کی طرح سیار تھی



صدرِ بزمِ عیش اک ساقی تھا، ہمرنگِ شراب جس کی آنکھیں مثلِ ساغر کیف سے لبریز تھیں
نغمے، مست اور جھومے ہوئے
زمزمے، شہد میں ڈوبے ہوئے
رقص میں تھی کائنات وجد میں تھی خود حیات
بے ارادہ جتنی سانسیں تھیں ترنم خیز تھیں
جسقدر نظریں تھیں فی الجملہ تبسم ریز تھیں

کردیا تاراج محفل کو طلوع صبح نے وہ جناں سامانیاں، خواب پریشاں ہوگئیں

مستیاں، دفعتاً غائب ہوئیں

خوبیاں، مطلقاً غائب ہوئیں

ہرکرن تھی اک حجاب چھپ گئی بزم شباب

محفلیں گم ہوگئیں، نظروں سے پنہاں ہوگئیں

جنتیں دنیا میں نکھری تھیں کہ ویراں ہوگئیں

طالب احمدی سیابی

قصر الادب کا کوکب موعود

ثریا

یکم جنوری ۱۹۲۷ء کو اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ شائع ہوگیا۔ اسکے اخلاقی، اور ادبی مضامین طلبا اور عام علم دوست حضرات کیلئے واقعی عجیب الاثر ہیں۔ انداز بیان اور اسلوب نگارش میں "ثریا" کے مضامین تمام ادبی اور علمی رسالوں سے فائق ہیں۔ ہر مضمون میں ایک اثر اور ہر نظم میں ایک خاص دلکشی پنہاں کردیگئی ہے۔ "ثریا" کی ہمہ گیر کرنوں نے یوپی اور پنجاب۔ دکن اور سندھ کے دامن آبسیں سی دئے ہیں۔ اس کی الہامی اٹھان۔ اور معصوم نوخیزی نے مغایرت اور بیگانگی کی خلیج کو پاٹ دیا ہے۔ اس میں جمنا کا تقدس اور راوی کا ترنم ایک ہی گھاٹ پر رقصاں نظر آتا ہے۔ آپ کم سے کم نمونہ ہی دیکھ لیں۔

ہر مہینے ایک متین مگر نایاب تصویر بھی ہوتی ہے

قیمت سالانہ صرف دو روپیہ۔ ششماہی ایک روپیہ چار آنہ۔ نمونہ کے لئے ۳ کے ٹکٹ بھیجئے

"ثریا" کی توسیع اشاعت کے لئے ہر شہر میں ایجنٹوں کی ضرورت ہے

منیجر "ثریا" قصر الادب آگرہ

ہندوستان کے عریاں نظر نکتہ چیں

(حضرت ارشد تھانوی کا مکتوب گرامی)

لکھنؤ کے اقتدار پرست مصلحت کوش اور باد عائے خود "مقبول وجہاں عزیز جریدہ" مرقع کے نمبر ۲ جلد اول میں، مولوی مسعود الرحمان خاں صاحب ندوی کا ایک سطحی مضمون "ہندوستان کی عریاں نویس خواتین" کے متعلق شائع ہوا ہے۔ نذر سجاد حیدر صاحبہ کے فسانوں پر جو ریویو اس میں کیا گیا تھا، اس کا جواب مرقع ہی کے اگلے نمبر میں کنیز فاطمہ علی احمد صاحبہ کے نام چھپ گیا ہے، لیکن یو۔پی کے مشہور حامی نسواں رسالہ کی انشا پرداز خواتین کی نسبت جو الزامات عائد کئے گئے ہیں، اس کی مدافعت کی کوئی کوشش، حیات تازہ کے باوجود، نقش مصور کے مصوروں کی طرف سے عمل میں نہیں آئی۔ شعر الحرم کے تحت میں عرب اور انگریز شاعر عورتوں کے تاریخی اقتباسات دیدینے سے جنکا پیمانہ نمبر ۱ (جلد ۵) حامل ہے۔ کام نہیں چلتا۔ اور قدرتاً مخاطب ہو کر کہنا پڑتا ہے کہ ؎

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھکو خلق خدا غائبانہ کیا

نثر کے جو اقتباسات ندوی، خانصاحب نے دئے ہیں، ان کی تاویل چاہے آپ نہ فرمائیے، مگر خدا کے لئے بتائیے کہ "تصویر ساغر دیکھکر" ایک عورت نے یہ کیونکر کہا کہ ؎

تری مستیاں وہ سمجھے جو خراب رنگ و بو ہو
ارے او جوان ساغر یہ جہاں ہو اور تو ہو

پیمانہ کے جس نمبر میں یہ نظم نکلی تھی اسے دیکھکر میرے ایک مدعی طبع سلیم دوست نے مجھ سے بھی تقدس مآبی کے انداز میں یہی سوال کیا تھا۔ میں نے کہا۔ کیوں صاحب! جب اسی آگرہ کے ایک رسالہ میں بمبئی کی کسی حسینہ کی تصویر نکلی تھی، تو اسکی متعلقہ نظم کا یہ شعر پڑھکر آپ بار بار جھومتے تھے ؎

کس بات پر آمادہ کس دھن میں کھڑی ہے تو
عالم کو مٹا دے گی کیا اسپہ اڑی ہے تو

اب اگر اسی قسم کی صحیح جذبات کا اظہار کسی عورت نے ایک پر شباب نوجوان کو دیکھکر دعائیہ پیرایہ میں کر دیا تو آپ اسقدر

چراغپا کیوں ہوتے ہیں؟ مرد تو اپنے جذبات شعری کا موضوع عورت کو بنائیں، مگر عورت کا موضوع مرد نہ ہو، کیا خوب، کس قدر خلاف فطرت توقع، آپ اس سے کرتے ہیں۔ ہندی شاعری قدیم سے فطری اصول کے ماتحت ہے اور اس میں مرد کی خصوصیات ہمیشہ عورت کی طرف سے پوجی گئی ہیں، لیکن اردو شاعری کے سر سے کوئی تاویل کوئی سعی اس الزام کو رفع نہیں کر سکتی کہ اس نے عورت کے حقوق مرد کی طرف منتقل کر رکھے ہیں اور ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

کے حوالہ سے یہ سمجھنا بالکل غلط استدلال ہے کہ مردانہ ضمائر کے پردہ میں دراصل مخاطب صحیح عورت ہی ہے ؎

خط بڑھا۔ زلفیں بڑھیں، کاکل بڑھے گیسو بڑھے
حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے

یا "ابتو خط آنیلگا شاید کہ خط آنیلگا" جیسے بھونڈے مستثنیات میں شامل حوالہ جات پر استدلال نہیں کرتا بلکہ غالب کا یہ سنجیدہ شعر پڑھکر ؎

سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پرسش حال
کہ یوں کہے کہ سر رہگذر ہے کیا کہئے

پوچھتا ہوں کہ اس انتہائی وضعداری و پاس تہذیب کے باوجود کونسا ماحول پیش نظر ہوتا ہے، آیا یہ تخاطب ایک عورت کے ساتھ ہو سکتا ہے، کہ سر رہگذر ہے کیا کہئے، یا ایک مرد کی مزاج پرسی کا جواب ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ فارسی شاعری کے منافی اخلاق تتبع نے "ترک شیرازی" کو اردو شاعری میں ؎

تم نہ پہنا کرو ہر روز گلابی ٹوپی
بلبل بے ادب آ بیٹھے نہ ایجاں سر پہ

سنوا کر ہندوستانی چھیلا بنا دیا ہے اور اب اس کی اصلاح کی صورت یہی ہے کہ اردو شعر میں بتدریج ضمائر کا تغیر اصلیت کی طرف ہوتا چلا جائے۔ عورتوں کی شاعری کے مخاطب مرد، اور مردوں کی شاعری کا مرکز عورتیں ہونا چاہئیں۔ رہا عورتوں کی عصمت وعفت کی حفاظت کا سوال! تو اردو کیا فارسی، اور فارسی کیسی، دنیا کی کسی زبان کی شاعری نے بھی عورت کی معصومیت کو محفوظ چھوڑا ہے؟ نسائیت کا کونسا راز ایسا ہے جو دنیائے شعر میں منظر عام پر نہیں لایا گیا۔ اور پردہ کی کونسی بات ایسی رہ گئی ہے جو ڈھکی چھپی چھوڑی ہو۔ مذہبی کتابوں میں، تاریخی داستانوں میں، سیاسی، جغرافیائی تحریروں میں، معاشرتی قصص اور ملکی

افسانوں میں، مردوں کے قلم نے عورتوں کی ایسی ایسی پردہ دری کی ہے اور متین سے متین تصنیفات میں ایسی ایسی فحش بیانیاں کی گئی ہیں کہ نام نہاد عریاں نویس، خواتین ان کے پڑھنے کی تاب بھی نہیں لاسکتیں۔

مسعود الرحمان خانصاحب لکھتے ہیں کہ "مردوں کی طرف سے جو لٹریچر ادب اردو کے پردے میں پیش کیا گیا ہے وہی برانگیختگی جذبات کے لئے کیا کم تھا مگر یہ تو بقول شخصے، انتہائی قیامت ہے کہ بعض جوان و نا کتخدا لڑکیاں مردوں کو بے تابانہ دعوت محبت دے رہی ہیں"۔ مرد کو دعوت محبت دینا عورت کا مقصد تخلیق اور منشائے حیات ہے، ابتدائے آفرینش سے یہی ہوتا رہا ہے، اور ہمیشہ ہوتا رہیگا۔ اگر عورت ایسا نہ کرے تو وہ عورت نہیں کوئی اور جنس ہو جائیگی۔ اصل اعتراض یہ ہے کہ سوسائیٹی کے موجودہ معیار کے خلاف عورتیں اظہار خیالات میں آزادی کیوں اختیار کرتی جاتی ہیں۔ اور رواج معاشرت کی عورت کیطرف سے یہ خلاف ورزی مرد کے لئے کس حد تک قابل برداشت ہے؟ مولانا کی رائے ہے کہ دنیا کی کوئی مہذب تاریخ کبھی ایسے حیاسوز خیالات کو تاریخ کا سرمایہ نہیں بنا سکتی۔ آج ادب اردو کے پردہ میں ہماری خواتین کی طرف سے جو نجس زہر آلود، مواد فراہم کیا جارہا ہے وہ کبھی بھی کام آنیوالی چیز نہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

لیکن جب ادب اردو کا ابتدائی مواد مردوں نے فراہم کرنا شروع کیا تھا۔ اس وقت اس میں بھی ایسا ہی نجس اور زہر آلود مادہ فراہم ہوتا تھا اور آج تاریخ شاہد ہے کہ وہی اس کا سرمایۂ ناز بنا ہوا ہے۔ اور اسی چراغ سے یہ چراغ بھی روشن ہو رہے ہیں۔ قدماء سے لیکر اسوقت تک کے ممتاز مشاہیر نظم ونثر کو لیلیجئے۔ تصانیف کا جائزہ لیتے وقت ظاہر ہو جائیگا کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی جگہ نسائیت کو ضرور موضوع بنایا گیا ہے اور حد درجہ بیباکی کے ساتھ اُس کی عریانی کو مبتذل حالت میں پیش کیا گیا ہے۔ بلکہ یہی نہیں تو جملہ معترضہ ہی کے طور پر ننگی بچی حالت میں دکھا دی گئی ہے۔ اور ہمارا ذوق ادب اس کا اسقدر خوگر ہو گیا ہے کہ محتاط سے محتاط علماء تو میں بھی ہیں اس کا احساس نہیں ہوتا۔ اس مادّی دنیا سے قطع نظر کرکے جب ہم عالم روحانیت میں پہونچتے ہیں، اور مذہبی تصنیفات میں سراپا تقدس ہی تقدس نظر آتے ہیں۔ تب ہی غریب عورت کی مٹی پلید کئے بغیر نہیں رہتے۔ اور استعارہ و تخییل ہی میں اس کے کپڑے اوتارتے چلے جاتے ہیں۔ جس عفت وعصمت کا مطالبہ عورتوں سے کیا جاتا ہے، کیا اسکی کوئی ذمہ داری مردوں پر عائد نہیں ہوتی؟ اور مرد خواہشات کی انتہائی حدود سے گذر جانے پر بھی معصوم الموجودات، مگر عورت پاکیزہ سے پاکیزہ فضاؤں میں بھی لعنت ہستی ہے۔

میں متحیر ہو گیا۔ جب میں نے مسعود الرحمٰن صاحب کے مزعومہ گندہ اور حیاسوز لٹریچر کے انتخاب میں یہ اشعار دیکھے۔

خبر میری نہ لی، برباد کرکے فتنہ گر تونے
میں تکتی رہ گئی اور پھیر لی اپنی نظر تونے

اسی شعر میں اگر "تم" میں تکتا رہ گیا اور پھیر لی اپنی نظر تونے" لکھا ہوتا تو معترض صاحب بھی دل تھام کر رہ جاتے

سزا ملتی ہے لیکن بیوفا ایسی نہیں ملتی
ہمارے جرم الفت پر ستایا عمر بھر تو نے

کوئی عریانی، حیاسوزی، بیعزتی، بظاہر اس شعر میں نظر نہیں آتی۔ یوں تصوف کا میدان بہت وسیع ہے۔ جو مفہوم چاہے پیدا کرلو! ایک صاحب فرماتے تھے کہ کوئی نامعقول سے نامعقول شعر بھی ایسا نہیں جسمیں لطیف سے لطیف معانی نہ پیدا کئے جا سکتے ہوں۔ انکے سامنے تمثیلاً یہ شعر پڑھا گیا ؎

تجھے میں نے چڑھنے کو گھوڑا دیا
کہ اس مالزادی کو جوڑا دیا

سنتے ہی بول اٹھے کہ مالزادی کی ضمیر زال دنیا کی طرف پھیر دیجئے۔ اور اس شعر کو ارشاد خداوندی کا حامل سمجھ لیجئے بالکل اسی طرح کوئی مقدس سے مقدس کلام بھی ذلیل سے ذلیل مفہوم سے نہیں بچ سکتا۔

پھر پھر کے دیکھتے ہیں کیا جانے کیا ہے جی میں
جاتے ہیں وہ بگڑ کر لیکن یہ بات کیا ہے

زخمی کیا جگر بھی کیوں دل کی دشمنی میں
اے ناوکِ نگاہِ مست ہے "تظلم"؟

جاؤں میں اس بہانے اس شوخ کی گلی میں
بن کر گدائے الفت مضراب عشق لیکر

تینوں شعروں کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ عورت کے نام سے شائع ہوئے ہیں، کوئی غیر معمولی بیباکی، یا فحش ان میں مستور نہیں، مشاعرہ میں کسی پختہ مشق کی زبان سے ارشاد ہوتے تو چھتیں اڑ جاتیں۔

پتی پتی اب نظر آتی ہے عریانِ جنوں
پھر بہار آئی کیا پھولوں نے سامان جنوں

آج کچھ بیکار بیٹھے ہیں پریشانِ جنوں
ہاں فدا وحشت فروش آنکھوں کو کر تو دو طلوع

چھد نہ جائے حسن کے سینہ میں پیکانِ جنوں
تم نظر بھر کر نہ دیکھو چشم یاس عشق کو

یہ غضب نہیں تو اور کیا ہے کہ متذکرہ بالا اشعار "نسوانی عریاں نگاری" کے نمونے کے طور پر پیش کئے گئے ہیں، واللہ کیسا لاجواب مطلع ہے ؎

پھر بہار آئی کیا پھولوں نے سامانِ جنوں
پتی پتی اب نظر آتی ہے عریانِ جنوں

کہیں لفظ، عریاں ہی سے تو ندوی مولانا کو اس شعر کی عریانی کا یقین نہیں ہوگیا۔ اگر انہیں عورتوں کی شاعری پر اعتراض ہی کرنا تھا تو اتنا کافی تھا کہ غزلگوئی و شعر نگاری، صنف لطیف کے لئے زیبا نہیں۔ لیکن عریاں اشعار کے ایسے منتخب نمونے

پیش کرنیکی مطلق ضرورت نہ تھی، میں کہتا ہوں کہ عورتیں شعر نہ کہیں، بلکہ پڑھیں بھی نہیں، لیکن اگر کہیں تو ہ کن الفاظ میں، کس موضوع پر، کس تخیل کے ساتھ۔ کیا اس طرح۔

خبر تم کو اے، بی صنوبر ہوئی — سنا ہے کہ بلی کبوتر ہوئی
کہا کس نے جادو کو برحق نہیں — مجھے تو پس و پیش مطلق نہیں
بہت ہی برا ہے ہوائی جہاز — نہ لانا مرے گھر تو بھائی جہاز
گئے تھے جو پردیس کو جیل میں — وہ آئے ہیں اب بیٹھکر ریل میں

زبان اُردو نے اپنی پیدائش سے ابتک جو سرمایۂ علم و ادب حاصل کیا ہے، جب عورتیں تعلیم پائینگی، تو اُسی سے استفادہ کرنیگی آپ کہتے ہیں کہ یہ شجر ممنوعہ ہے تو پھر آخر اور کونسا لٹریچر ان کیلئے مخصوص کر دیا ہے۔ کیا مرحوم ڈپٹی نذیر احمد اور ان کے بھانجے مولانا راشد الخیری کی چند کتابیں، یا دو چار مصنفین کے کچھ صفحات تمام ہندوستان کی عورتوں کے لئے عمر بھر کو وجہ انہماک ہو سکتے ہیں ؟ اس سے تو بہتر یہی ہے کہ ہزار میں ایک عورت جو شد بد حاصل کر لیتی ہے اس کو قطعی معصیت قرار دیدیا جائے۔

اندروں قعر دریا تختہ بندم کردہ ئی
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

کمال ہے کہ عورتیں لکھنا پڑھنا بھی سیکھیں اور پڑھیں لکھیں بھی نہیں۔ ایک صاحب جو تُتلے تھے بچہ کو، الف، با، پڑھا رہے تھے۔ جب ق پر پہونچے تو فرمانے لگے کہ سنو میاں، میں تو کہتا ہوں۔ ٹاف۔ تم ٹاف نہ کہنا۔ لڑکے نے حیران ہو کر پوچھا تو میں کیا کہوں ؟ بہت تراۃ سے فرمایا تم کہو "ٹاف" سمجھے، بچہ بہت حیران ہوا۔ اور باوجود سخت کوشش کے ٹاف کو قاف نہ کہہ سکا۔ اسیطرح جو صاحب عورتوں کی شاعری کو قابل اعتراض، حیا سوز، مہلک اثرات ڈالنے والی قرار دیتے ہیں، اور ان کی فسانہ نگاری و انشا پردازی پر بیباکی و بیحیائی کا الزام عائد فرماتے ہیں ان کو چاہئے کہ مردوں کی فسانہ نگاری و انشا پردازی کا قدیم و جدید ذخیرہ جو ان عیوب سے پاک ہو، مرحمت فرمائیں کہ دیکھو یہ دیوان کے دیوان اور فسانوں کے ڈھیر ہیں، جنمیں انشائے لطیف اپنے پورے کمال کے ساتھ موجود ہے۔ اور کہیں ایک لفظ ایک حرف بھی ایسا نہیں، جس پر انگلی رکھی جا سکے، ورنہ ٹاف کا قاف ہونا بہت دشوار بلکہ ناممکن ہے۔

ارشد تھانوی

سردی کا چاند

(اثر: منظر صدیقی سیمابی اکبرآبادی مدیر "ثریا")

صاف ہے سطحِ سما | بھیگی ہوئی ہے فضا
ژالہ فشاں ہے ہوا | چاند ہے نکھرا ہوا
خلق ہے خواب آشنا | کوئی نہیں دیکھتا
دیدۂ خود بیں بتا | عالمِ سرما ہے کیا؟
عالمِ سرما ہے کیا، خلق پہ چھایا ہوا | یا ہے کوئی سرد مہر دلیں سمایا ہوا
ہے وہی شانِ طلوع | چاند ہے جانِ طلوع
جلوہ فشانِ طلوع | رنگِ جہانِ طلوع
بادہ چکانِ طلوع | سرِ عیانِ طلوع
نام و نشانِ طلوع | نونِ اذانِ طلوع
نونِ اذانِ طلوع دائرۂ ماہ ہے | کیوں نظرِ کارواں خاک پہ گمراہ ہے؟
خفتہ ہیں مہتابیاں | نیند میں ہے گلستاں
قسمتِ اہلِ جہاں | اب وہ تماشا کہاں
دشت کا دھندلا سماں | گند ہے آبِ رواں

اب ہے خموش آسماں | جوش پہ ہیں سردیاں
جوش پہ ہیں سردیاں گرم نگاہیں نہیں | چاند سے سرگوشیاں کرسکو آہیں نہیں
سرد ہے عالم مگر | چاند ہے گرمِ سفر
اور نہیں چاند پر | اب وہ ہجومِ نظر
صاف ہوئی رہگذر | رات ہے گویا سحر
بردِ گراں ترِ بسر | اٹھ کے ذرا غور کر
اٹھ کے ذرا غور کر دیکھ خمِ انقلاب | چاند وہی ہے مگر صرفِ غمِ انقلاب
چاند وہی شب وہی | چاندنی کا ڈھب وہی
مجلسِ کوکب وہی | منظرِ انسب وہی
مہر کا منصب وہی | ماہ کا موکب وہی
آنکھ وہی لب وہی | تو وہ نہیں سب وہی
تو وہ نہیں سب وہی، دیکھنے کی بات ہے | صرف تلون پسند ایک تری ذات ہے

مقدس سانپ (افسانہ)

(بسلسلہ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

لوروں نے اس حقیقت کو تاڑ لیا اور کہا "بس" —— پھر اپنے کندھے ہلا کر شہزادہ کی طرف دیکھنے لگا، جس نے سارینا کی طرف اشارہ کیا، لوروں نے ہاتھ ہلائے، اور سازندوں نے جو اسے بغور دیکھ رہے تھے، "رقص خاص" کا راگ شروع کیا، ایک لمحے کے لئے سارینا بالکل بے حس و حرکت کھڑی رہی، اسکی باہیں کھلی تھیں اور وہ محبت بھری نگاہوں سے ارکیس کی طرف دیکھ رہی تھی، موسیقی دلکش، مدہم اور غمگین تھی، اس میں ابھی ابھی تک کوئی سرگرمی نہ تھی۔

اچانک سارینا نے اپنے جسم کو جھٹکا دیکر رقص کرنا شروع کیا وہ ایک چھوٹے سے لکڑ آبر یا شعلے کی مانند حرکت کر رہی تھی، اس کی آنکھیں نیم وا اور اس کا سر اسقدر پیچھے گرا ہوا تھا، کہ اس کا سفید براق گلا صاف دکھائی دیتا تھا، وہ عورت کے بھیس میں مسرت تھی،

لوگ اسے بغور دیکھ رہے تھے اور خاموش تھے، لوروں مسکرا رہا تھا، اور اسکی حرکت پر تڑپ جاتا تھا، سارینا کے پہلو میں اسوقت ایک عورت کا دل تھا، جو مسرت سے اچھل رہا تھا، وہ اپنے اعضا اور اپنے جسم کی حرکات اور پر معنی چہرے کے حسن سے ایک عورت کی ساری وارداتِ قلب بتا رہی تھی۔

موسیقی کی لے کے ساتھ وہ بھی تیز ہو گئی تھی، اور حیرت انگیز سرعت سے ناچ رہی تھی، وہ جھومتی تھی، مسرور تھی، اور خوشی کی دلکش حرکات سے ہوا پر لیٹتی دکھائی دیتی تھی، اس کی بڑی بڑی آنکھیں اس کے جسم کا ہر عضو، محبت اور شوق سے لبریز تھا، اسکے بازوؤں کی سانپ جیسی حرکات میں، اسکے نازک ہاتھوں میں، اس کے خوبصورت سینہ میں، اس کے سفید گلے میں محبت ہی محبت بسی تھی وہ ارکیس کی طرف دیکھ رہی تھی، وہ ارکیس جو اس کے دل و جان کا مالک تھا، وہ ارکیس جس کے لئے وہ رقص کر رہی تھی۔

سازندوں نے ایک آخری سُر نکالا، سارینا نے ایک چکر لگایا، اور خاموش کھڑی ہو گئی، اس کی باہیں کھلی اور اس کا چہرہ سیب کے مانند سرخ تھا، وہ اپنی کامیابی کی خوشی سے کانپ رہی تھی، لوگ سمندر کی موجوں کی طرح اٹھے، اور چلّا چلّا کر اس پر پھولوں کی بارش کرنے لگے، سارینا نے ان کا دل موہ لیا تھا۔

ارکیس قربانگاہ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھا سارینا کو سلام کر رہا تھا، گویا وہ ایک دیوی تھی جس کی وہ پرستش کر رہا تھا۔ وہ ابھی تک بیٹھا ہی تھا، کہ اس نے ایک آدمی کو سارینا کی طرف بے تحاشا دوڑتے دیکھا، جس نے چیتے کی کھال پہن رکھی تھی، یہ ہیلو پہلوان تھا، وہ سارینا پر جھپٹا، اور اپنے بازو اس کے جسم کے گرد لپیٹ دئے اور اسے اٹھا کر سر سے بلند کر لیا، سارینا کا چہرہ آسمان کی طرف تھا اور سیاہ بال ہوا میں لہرا رہے تھے ہیلو نے چلا کر کہا "انعام۔ شہزادہ صاحب! ایک انعام! میں اس کا دعویدار ہوں!"۔

(۶)

ہجوم نے چلانا شروع کیا "میلو! میلو! وہ میلو کی رفیقہ ہے!"

پھر ہر طرف خاموشی چھا گئی، ایک نوجوان کود کر آگے بڑھا، اور اور ایک غضبناک دیوتا کی مانند میلو پر جھپٹا، یہ ارکیس تھا، اس نے میلو کو گلے سے پکڑ لیا، اور جونہی میلو کے بازو ڈھیلے اور کمزور ہوئے اس نے سارینا کو ان کی گرفت سے علیحدہ کر کے ایک طرف ہٹا دیا اور کہا "مجھے اس سے محبت ہے اور یہ میری ہے۔"

سارینا نے کہا: "اسے نیچا دکھاؤ۔ ورنہ میں مر جاؤنگی"

ارکیس فوراً پلٹ کر میلو کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ میلو جسکا کسی نے بھی ایسی دلیری سے مقابلہ نہ کیا تھا۔ ارکیس نے کہا "او چربی کے پہاڑ! یہ میری ہے۔"

میلو ہنسا، ہجوم نے چلا کر کہا "انہیں اسکے لئے لڑنے دو۔"

عورتوں نے ایک دوسرے سے چمٹ کر اور دونوں طرف اشارہ کر کے چلانا شروع کیا "انہیں لڑنے دو، انہیں لڑنے دو!"

لیکن وہ اسوقت بھی لڑ رہے تھے جب عورتیں چلا رہی تھیں، نہ تو انھوں نے رسم کا اعلان کیا، نہ شہزادہ سے اجازت لی، اور نہ "نیبر رسوم" کی آواز ہی سنی، وہ پتھر کے اس چمکدار فرش پر لڑ رہے تھے جہاں سارینا ناچی تھی، وہ سارینا جسے حاصل کرنے کے لئے دونوں لڑ رہے تھے۔

ہجوم خاموش تھا، یہ ایک سانڈ اور چیتے کی لڑائی تھی، میلو جھک گیا اس نے اپنا سر اپنے کندھوں سے لگانا شروع کیا، وہ شیخی بگھارا کرتا تھا، کہ وہ ایک ہی گھونسے سے اپنے حریف کو لنگڑا کر دیتا ہے، وہ گھونسوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتا، اور انہیں ایک چٹان کی طرح برداشت کرتا ہے۔

لیکن یہ نوجوان اس کے لئے ایک غیر معمولی انسان تھا۔ ایک چھپا ہوا شعلہ، ایک چیتا، ایک گندمی نوجوان جو بہت شہ زور اور چالاک تھا، ارکیس بالکل مطمئن تھا، وہ میلو جیسے کئی پہلوانوں سے لڑ چکا تھا، جو مار کھاتے جاتے، اور ہٹنے کا نام نہیں لیتے۔

ارکیس بڑی مکاری اور چالاکی سے وار کرتا تھا، وہ ایسے گھونسے رسید کر رہا تھا، جو روکنے مشکل تھے، میلو نے غصے سے ارکیس کو گھونسہ رسید کیا، جو ہوا میں خالی گیا، جسکے ساتھ ہی ارکیس نے اسکی پسلیوں میں ایک زبردست گھونسہ رسید کیا، وہ غضبناک ہو کر ارکیس کو کچلنے کے لئے آگے بڑھا، لیکن وہ کمال پھرتی سے بچ گیا، عورتوں نے چلا چلا کر کہنا شروع کیا "وہ ایسا اچھا لڑتا ہے جیسا سارینا ناچتی ہے۔"

ارکیس پھر جھپٹا، اور میلو کو حیرت انگیز طریقہ سے مارا، پھر پیچھے ہٹا، اور ایک تیز جست سے اس کا گلا پکڑ لیا، میلو کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

سارینا مسکرائی، اسکی آنکھوں سے خوف رخصت ہو چکا تھا۔ میلو اور اس کی طاقت کا خوف، گلے کے گھونسے سے میلو گر پڑا اور بری طرح زخمی ہوا، وہ اٹھکر اپنی پوری طاقت سے ایک بھینسے کی مانند جھپٹا، لیکن ارکیس اس عمدگی سے بچا جس طرح دھواں پنکھے سے۔

لوگ کہنے لگے "وہ تو اسے چھو بھی نہیں سکتا۔"

"یہ تو ایسا ہے، جیسے ایک سانڈ کسی سایہ کو اچھالنے کی کوشش کرے۔"

اب ارکیس پھر جھپٹا، میلو کی طاقت جواب دے چکی تھی، وہ ایک بلند چٹان کی مانند کھڑا تھا، اس کا سر نیچے گرا ہوا تھا، ارکیس اسے پوری طاقت سے مار رہا تھا، وہ مار کھا رہا تھا اور جواب نہ دیتا تھا، یکایک چٹان لرزی اور میلو گر پڑا، ہجوم نے چلانا شروع کیا، عورتوں کی آوازیں ارکیس کی جانب تھیں۔

"نوجوان ہی جیتا"

"سارینا اس کی ہے"

سارینا دوڑ گئی اور اپنی باہیں ارکیس کے گلے میں ڈالدیں، دونوں لپٹ گئے، اور مردوں نے ارکیس پر اور عورتوں نے سارینا پر رشک کیا۔

(۷)

فتح و مسرت کی اس مبارک گھڑی میں ایک قرنا کی آواز آئی اور عظیم الشان ہجوم خاموش ہو گیا — سب لوگوں پر موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ کسی دیوتا نے انھیں پتھر بنا کر ان کے جوش و خروش کو خاموشی میں تبدیل کر دیا ہے، کوئی زن و مرد حرکت نہ کرتا تھا، یہانتک کہ شہزادہ مینوس بھی اپنی کرسی پر خاموش بیٹھا تھا، رقاصہ لڑکیوں کا طائفہ تصویر بنا کھڑا تھا، میلو جہاں گرا تھا، وہیں پڑا تھا اور ارکیس اور سارینا ایک دوسرے کی آغوش میں تھے

ایک دفعہ پھر قرنا کی آواز آئی، ابھی تک خاموشی چھائی ہوئی تھی، بہار آگئی تھی، بزرگ دیوی زمین پر چلی تھی، اسکی عبادتگاہ کے دروازے کھلے تھے، ارکیس نے، جو سارینا سے لپٹا تھا، مقدس بالاخانہ کی طرف دیکھا، اس کے دروازے کھلے اور ان میں ایک عورت نمودار ہوئی، جسکے سر پر سونے کی ٹوپی تھی، وہ ارغوانی رنگ کا ایک شاندار لباس پہنے تھی، جس پر ایک پیٹی تھی جو قیمتی جواہرات سے مرصع تھی، ایک سانپ اس کے کندھے پر کنڈلی مارے بیٹھا تھا، اور اس کا سر عورت کے سینہ کے درمیان لہرا رہا تھا،

یہ راہبہ گلانطس تھی، ماہ تمام اور بہار کی بزرگ خاتون، ایک زرد آنکھوں اور خوبصورت لیکن شیطانی چہرہ والی عورت، اس کی آنکھیں پر نفرت اور کسی چیز کی بھوکی معلوم ہوتی تھیں، اس کے نتھنے ہل رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ وہ تمام دنیا اور اسکے باشندوں کو اس حملہ آور بھوکی شیرنی کی طرح دیکھتی ہے جس کی آنکھیں کسی شکار کی تلاش میں ہوں۔

تمام لوگ اس کے روبرو جھک گئے، لیکن فدا نفرت سے، کیونکہ وہ محبت و الفت کی نگاہوں سے نہ دیکھی جاتی تھی، وہ بہت ظالم جابر اور پُر نفرت تھی، وہ ایک پر راز عورت تھی جس کی روح تاریک تھی۔

سارینا نے اپنا سر ارکیس کے کندھے سے لگا دیا، دونوں عورتوں کی آنکھیں چار ہوئیں، سارینا کانپی، اور ارکیس سے چمٹ گئی اور کہنے لگی "میرے پیارے اپنا چہرہ چھپا لو"!

اس نے سارینا کی طرف دیکھکر کہا "تم کس چیز سے خوف کھا رہی ہو؟" معاً اسے بکریوں والی بوڑھی کے الفاظ یاد آئے، اور اسے اپنے دل کی حرکت بند ہوتے دکھائی دی، گلانطس اپنی زرد آنکھوں سے اس کی طرف اس طرح دیکھ رہی تھی، جس طرح شیرنی اپنے شکار کو تاڑتی ہے۔

وہ حیرت زدہ اور بے یار و مددگار کھڑا تھا، سارینا کا گرم جسم اس سے لپٹا تھا، کہ کلانطس چھڑی اٹھا کر ارکیس کی طرف اشارہ کیا، سانپ جو اس کے کندھے پر بیٹھا تھا، پھنکارنے لگا، وہ کہنے لگی "دیوی کے منظور نظر میری طرف دیکھ ـــــ دیوی کے دولہا!"

تمام لوگوں کی نگاہیں ارکیس اور سارینا کی طرف اٹھ گئیں عاشق و معشوق جدا ہو رہے تھے۔ عورتوں کی زبان سے رحم کے کلمات نکل گئے، لوگوں نے بڑبڑانا شروع کیا، کلانطس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اس نے چھڑی اٹھا کر کہا "کون ہے جو مقدس قربانی کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکالے؟ سپاہیو اسے لیجاؤ"

سارینا نے کلانطس کی طرف غضب آلود نگاہوں سے دیکھا، وہ ارکیس کو چھوڑ کر مینوس کے بالاخانہ کی طرف دوڑی، اسکی آنکھیں شعلہ زن اور باہیں کھلی تھیں۔ اس نے کہا "اے شہزادہ مینوس! وہ میرا ہے، اس قربانی کو روکدو"

لیکن مینوس کے چہرے نے اسے تسلی نہ دی، یہ قریطش کا قانون تھا، اور وہ اسے تبدیل نہ کر سکتا تھا، اس نے اپنی خوبصورت باہیں اس کی طرف پھیلا کر کہا "میں صرف رحم کی التجا کرتی ہوں، وہ موت کے منھ میں جا رہا ہے، اور وہ میرا ہے"

اس نے ارکیس کی آواز سنی، جو سپاہیوں سے جھگڑ رہا تھا، اس نے سارینا کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہا "سارینا! سارینا!"

وہ ایک رنجیدہ، پر درد اور مایوس چہرے سے اسکی طرف بھاگی، اس کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگالیا اور چوم کر کہا "آہ میرے پیارے ـــــ"

سپاہیوں نے اسے دور ہٹادیا، وہ قربانگاہ کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی، اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپالیا،

بعض عورتیں رو رو کر کہہ رہی تھیں "وہ دعا مانگ رہی ہے"

"ایک زخمی پروں والا پرندہ"

لیکن سارینا دعا نہیں مانگ رہی تھی، اس کی محبت کا شعلہ بھڑک اٹھا تھا جس نے اس میں نسوانی فریب و دغا کو روشن کر دیا تھا، اس نے کلانطس کی طرف دیکھا ـــ ظالم، بدکار، ارکیس کے حسن اور طاقت سے جلنے والی، ایک ایسی عورت جس کا مقابلہ فریب سے کیا جائے۔

ہجوم ابھی تک سارینا کو بغور دیکھ رہا تھا، اس نے اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹائے، وہ اٹھی اور لڑکھڑاتی ہوئی عبادتگاہ کی طرف گئی، جہاں کلانطس اپنی کرسی پر متمکن تھی، سارینا مقدس بالاخانہ کے نیچے گھٹنوں کے بل جھک گئی، اور اسقدر جھکی کہ اس کے سیاہ بال پتھروں سے چھونے لگے، اس نے کہا "اے بزرگ خاتون! میرا گناہ بخشدے ـــ میرے غرور کو خاک میں نہ ملا"

کلانطس اس کی طرف دیکھکر حقارت سے مسکرائی اور کہنے لگی، "دیوی تمہارے لئے کوئی اور عاشق تلاش کریگی"

سارینا کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، اور وہ خاموش تھی،

(۸)

سارینا کھڑکی میں کھڑی تھی، اس کا رنگ زرد تھا اور وہ اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھامے خیالات میں غرق تھی، ماہ تمام سیاہ آسمان میں سفر کر رہا تھا جس کی ٹھنڈی چاندنی سے مینوس کا عظیم الشان محل منور تھا، شمال کی جانب پہاڑیوں کے پار، سمندر افق پر ایک سیمیں خط میں ختم ہوتا تھا، محل میں ہر طرف خاموشی طاری

تھی، دعوتیں اور جلسے ختم ہو چکے تھے، اور لوگ خاموش سو رہے تھے، لیکن ارائیدن جاگتی تھی، وہ دیوار کے ساتھ سہارا لگائے بیٹھی تھی، وہ تمام لڑکیوں سے زیادہ شریف، شرمیلی، حلیم الطبع، رحمدل اور بہت جلد متاثر ہوجانیوالی لڑکی تھی، وہ گھنٹوں سے چپ چاپ سارینا کو بغور دیکھ رہی تھی، اور اس کا دل شفقت سے لبریز تھا، لیکن سارینا خواب مدہوش میں مشغول تھی، سارینا کی اداس بیداری نے ارائیدن کو مفتوں کر لیا تھا، وہ چاند کی روشنی میں ایک بے حس و حرکت خاموش تصویر تھی، اور زبان سے کوئی لفظ نہ نکالتی تھی،

ارائیدن اس خاموشی کو زیادہ دیر برداشت نہ کر سکی، وہ سارینا کے پاس جا کر اسے تسلی دینا اور اسے شفیق اور مہربان ہاتھوں سے چھونا چاہتی تھی، وہ چپکے سے بستر سے اٹھی، اور ایک ننھی چوہیا کی طرح سارینا کی خاموشی میں مخل ہوئی، وہ کہنے لگی "سارینا!"

سارینا چونکی، لیکن بغیر دیکھے کہنے لگی "تم اس وقت تک کیوں جاگ رہی ہو؟"

ارائیدن نے اپنی باہیں اس کے گلے میں ڈالکر کہا "تمہیں دیکھکر مجھے نیند نہیں آتی"

"آہستہ بولو، ارائیدن تم دوسری لڑکیوں سے بالکل مختلف ہو"

"سارینا میں بھی محبت میں گرفتار ہوں، لیکن میرا پیارا میرے پاس ہے، اس لئے مجھے تم پر رحم آتا ہے"

سارینا کانپ کر کہنے لگی "تین دن کے بعد وہ مرجائیگا، لیکن تین دن تک وہ زندہ رہیگا۔ اور میرے پاس بھی زندہ رہنے کو تین دن ہیں ـــ"

"لیکن اس نے تمہیں پیار تو کیا ہے"

"کیا اتنی بات مجھے تسکین دے سکتی ہے، وہ میرا ہے۔ میرے دل میں ہے ـــ میں دیوتاؤں سے لڑوں گی"

"سارینا!"

"ہاں، یہ سچ ہے، میں یہاں مینوس کے محل میں کھڑی ہوں لیکن میرا دل اسی کے پاس ہے، ارائیدن میں تمہیں بتاتی ہوں کہ میری محبت ایسی پختہ اور مضبوط ہے جیسی ـــ ہاں ـ اور ایسی مکار جیسی دیوتاؤں کی عقل، میں ان سے لڑوں گی"

ارائیدن خوفزدہ ہو کر کہنے لگی "لیکن سارینا ـــ"

یکایک سارینا پلٹی، اور ارائیدن کو اپنی آغوش میں لیکر اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالکر کہنے لگی "کیا تم میری خاطر جھوٹ بول سکتی ہو؟ کیا تم خاموش رہ سکتی ہو؟"

"سارینا میں ڈرتی ہوں کہیں ـــ"

"اور تم دعویٰ کرتی ہو کہ تم محبت میں گرفتار ہو؟ اور میرا ـ آہ میرا کوئی دوست نہیں! میں اتنا حقیر سوال کرتی ہوں"

"میں کیا کر سکتی ہوں؟"

"سنو، اگر تم سے میری بابت پوچھا جائے، تو قسم کھا کے کہنا کہ میں آج رات کہیں باہر نہیں گئی، اور یہ کہ تم نے مجھے بستر میں لیٹے دیکھا ہے"

"سارینا اگر تم بستر میں لیٹ جاؤ تو ـ میں قسم کھا سکتی ہوں"

سارینا نے مسکرا کر کہا "واہ ری پارسائی! کیا یہ آسان ہے کیا تم وعدہ کرتی ہو؟"

"ہاں میں اپنی محبت کی قسم کھا کر کہتی ہوں"

دونوں اپنے اپنے بستروں میں گئیں، تھوڑی دیر بعد سارینا

اٹھی اور ایک لمحہ کے لئے سیاٹرؔ پر جھکی، لیکن وہ ایک بچہ کی مانند نیند میں مشغول تھی، سارینا خاموشی سے نیچے اتری اور مینوس کے عظیم الشان محل کی گہرائیوں میں چلی گئی، جہاں خزانے کے محافظ تک بھی ماہِ تمام کی دعوت کے بعد سو گئے تھے، سارینا کو کوئی شخص نہ ملا، لوگ گہری نیند میں مشغول خراٹے لے رہے تھے، غلام پیشگاہوں اور برآمدوں میں مردوں کی مانند پڑے تھے، سارینا ننگے پاؤں خاموشی سے دیوارِ کے ساتھ ساتھ اور ایک ستون سے دوسرے ستون کے پیچھے چھپتی ہوئی چلی گئی "ایوانِ عظیم" میں اسے ان لوگوں کے جسموں پر سے گذرنا پڑا جو وہاں سو رہے تھے۔

آخرکار وہ اس چوڑی سڑک پر ہو لی جو ایوانِ عبادتگاہ کو جاتی تھی، یہاں سے وہ ایوان کے وسط میں قربانگاہ کے مدہم شعلوں کو دیکھ سکتی تھی، اس نے خیال کیا شاید یہاں محافظ ہوں جو دروازوں کی حفاظت کر رہے ہوں، سارینا فوراً دیوار کے سایہ میں ہو گئی وہ ایک غلام کے پاس سے گذری جو ایک کونے میں لیٹا تھا، لیکن وہاں قربانگاہ کے مست شعلوں کے سوا نہ تو کوئی جاگتا تھا اور نہ کوئی حرکت ہی کرتا تھا، سارینا کا دل دھڑکنے لگا، کیونکہ غلام کے پاس سے گزرتے وقت اس نے سانس روک لی تھی۔

عبادتگاہ کے دروازے کھلے تھے، سارینا تیزی سے ایوان میں سے گذر کر عبادتگاہ کی دیوار کے پاس جا پہنچی، پھر ایک دو جستوں میں وہ سیڑھیوں کے قریب پہنچ گئی، اور اس پر لیٹ کر آہستہ آہستہ اوپر چڑھنا شروع کیا، یہانتک کہ وہ سب سے آخری سیڑھی پر پہنچ گئی اور یہاں وہ رک گئی۔

- بادتگاہ ایک لمبے برآمدے کی طرح دکھائی دیتی تھی - جسکے دروازوں پر چلمنیں پڑی تھیں - دیواروں پر قیمتی پردے اور جھالریں لٹک رہی تھیں جو زمین سے چھوتی تھیں، عبادتگاہ کے دوسرے سرے پر سنگ مرمر کا ایک ستون تھا، جسکے قریب ہی قربانگاہ تھی، اور قربانگاہ کے نیچے پیتل کا ایک بڑا سا پیالہ تھا جو قرمزی رنگ کے کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ یہ مقدس سانپوں کا پیالہ تھا۔

سارینا نے یہ تمام چیزیں نہ بھولنے والی آنکھوں سے دیکھیں یہ مقام اسقدر خاموش تھا کہ سارینا کا دل بڑھ گیا، اور وہ دہلیز پر سے رینگتی ہوئی اندر داخل ہو گئی، سونے کا ایک بہت بڑا آویزاں لیمپ مقدس ستون، قربانگاہ اور مقدس سانپوں کے پیالے کو روشن کر رہا تھا، لیکن عبادتگاہ کا باقی حصہ مدہم روشنی میں گم تھا،

سارینا اٹھی اور پردوں کی طرف گئی اور سب سے پہلے وہ اُنکے قریب ہو گئی تاکہ اگر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دے تو وہ فوراً اسکے پیچھے چھپ جائے، سارینا نے ابھی پردے کو چھوا ہی تھا کہ ایک چھوٹی سی گھنٹی تیزی سے بجنے لگی، سارینا اس گھنٹی سے واقف نہ تھی، کیونکہ وہ پردے کے دوسری طرف تھی،

وہ تیزی سے دوڑ کر دروازے پر پہنچ گئی اور سیڑھیوں پر لیٹ گئی اس نے پلٹ کر قربانگاہ کی طرف دیکھا، تین سیاہ چیزوں نے پیتل کے پیالہ سے سر نکالکر لہرانا اور پھنکارنا شروع کیا، اس لیمپ کی روشنی سے جو وہاں آویزاں تھا، ان کے سیاہ مہیب جسم اچھی طرح نظر آتے تھے۔

اب سارینا سمجھ گئی، یہ مقدس سانپ تھے، جو عبادتگاہ کے

محافظ تھے۔

(۹۱)

سارینا اپنے کمرے میں واپس آگئی، راستے میں نہ اسے کوئی ملا اور نہ کوئی واقعہ ہی پیش آیا، وہ ایک گھنٹہ سے زیادہ غیر حاضر رہی تھی، سپائر سو رہی تھی، لیکن ارائیدن بیدار تھی، جب سارینا اندر داخل ہوئی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی، سارینا اس کے بستر میں گھس گئی، ارائیدن نے کہا "میں ڈر گئی تھی اور اسی لئے میں جاگ رہی ہوں"

سارینا نے کہا "میں چاندنی میں اپنا دل ٹھنڈا کر رہی تھی، میں یہاں اجنبی ہوں، لیکن تم تین سال سے شہزادہ کے محل میں ہو"

"ہاں تین سال سے"

"تو مجھے وہ تمام حالات سناؤ، جو میرے پیارے کے ساتھ واقع ہونگے"

ارائیدن اس کا بازو پکڑ کر اس کے نزدیک ہو گئی، اور کہنے لگی "لو سنو، تین دن تک اسے "سفید برج" میں رکھا جائیگا جہاں اسے عمدہ خوراک دی جائیگی، اور وہ ایک شہزادہ کے مانند رہیگا، اس کے جسم پر وہ تیل اور خوشبوئیں ملیں گے، سازندے اس کی کھڑکی کے نیچے کھڑے ہو کر ساز بجائیں گے، عورتیں "سفید برج" کے گرد پھول بکھیرینگی، پھر تیسرے دن کی شام کو اسے بڑے عظیم الشان جلوس کے ہمراہ ایوان عبادتگاہ میں لیجائینگے، وہاں عبادتگاہ میں گلاطس اس کی منتظر ہوگی، دروازے بند کر دئے جائیں گے اور وہاں موت کی سی خاموشی طاری ہو جائیگی"

"محافظ کہاں متعین کئے جاتے ہیں؟"

"کوئی محافظ نہیں ہوتا، دیوی کا منظور نظر بھی بھاگنے کی کوشش کرتا ہے"

سارینا نے غصہ سے کانپ کر کہا "تو پھر دیوی کا منظور نظر مار دیا جاتا ہے۔ لیکن کس طرح؟"

"کہتے ہیں کہ مقدس سانپ اسے ڈستے ہیں، اور وہ مر جاتا ہے تین دن تک گلاطس اس کے جسم پر موجود رہتی ہے، اور جسم صاف ستھرا رہتا ہے، کیونکہ وہ مقدس ہوتا ہے، چوتھی رات عبادتگاہ کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، اور دیوی کا دولہا پہاڑ میں لیجا کر دفن کر دیا جاتا ہے"

سارینا کہنے لگی "میرا ارادہ ہے کہ میں بھی اس کے ساتھ ہی مروں، لیکن میں گلاطس جیسی عورت کا مقابلہ کیسے کروں؟"

ارائیدن نے اسے تسلی دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "یہ دیوتاؤں کا حکم ہے، سارینا تم نہ مرو، تم بہت حسین ہو، اور سارے جزیرہ قریطش میں تم سی ناچنے والی کوئی نہیں"

سارینا سو گئی، اس کا سر ارائیدن کے بازو پر تھا، لیکن خواب میں ارکیس کے پہلو میں تھی۔

علی الصبح وہ بیدار ہو کر منہ ہاتھ دھونے نیچے ایوان میں آئی وہ بہت مطمئن تھی، اور آہستہ آہستہ چل رہی تھی، دوسری لڑکیاں اس کے اطمینان پر حیران تھیں، انھیں تو یہ امید تھی کہ سارینا کا چہرہ مرجھایا ہوا ہوگا، اور وہ ہم سے دور بھاگے گی، گلائیطس نے اسے طعنہ دیا "سارینا تو خوب سوئی ہے، وہ آسانی سے تمام باتیں بھول جاتی ہے"

سارینا نے جواب دیا "میں کون ہوں کہ دیوتاؤں سے لڑوں؟"

جب منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہوئی تو باغ میں پھول چننے گئی، جہاں غلام بلبل باغات کا محافظ تھا، وہ ایک سیاہ و سفید سر والا اور تبسم چہرے والا بوڑھا تھا، اس کے پاس ایک پالتو سانپ تھا جو اسکا بڑا منظور نظر تھا، اور اس کی مانند ہی سیاہ تھا، سارینا نے آگے بڑھکر اس سے کہا "میں تھوڑے سے پھول چننا چاہتی ہوں"

بلبل نے سفید دانت نکالکر کہا "جتنے چاہو چن لو"

سارینا نے بلبل کی جھونپڑی میں سانپ کو دیکھ لیا اور اسکی بہت تعریف کی، بلبل نے ہنستے ہوئے کہا "یہ بھی میری طرح سیاہ ہے، بیچارہ بڑا شریف ہے"

سانپ نے سر اٹھایا، اور سارینا۔ اس کی ٹوکری پر جھک کر ایک دلکش گانا گانے لگی، سانپ نے اور سر اٹھایا، اور کنڈلی سے جدا ہو کر ٹوکری سے باہر نکل آیا، سارینا نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا، وہ اس کے کندھے پر چڑھ گیا، اور اپنا سر اس کے سینہ پر رکھ دیا۔

بلبل نے حیرت سے کہا "اسے تم سے محبت ہے، تم ضرور ایک سانپ کی روح کو پہچانتی ہو"

"میں ان پر جادو کر لیتی ہوں رقاصہ ہونے سے پہلے میں سانپوں کی ساحرہ تھی، یہ بہت اچھا سانپ ہے"

پھر سانپ کے سر پر ہاتھ پھیر کر پوچھنے لگی تم نے اسے کیسے پکڑا؟

بلبل نے جواب دیا "میں نے اسے سانپوں کی وادی میں پکڑا تھا پرانے زمانہ میں وہاں ایک عبادتگاہ تھی، لوگ کہتے ہیں کہ بہت سے سانپ وہاں سے چلے گئے ہیں، لیکن اب بھی وادی ان سے پٹی پڑی ہے۔ اور وہ بہت ظالم ہیں"

سارینا نے پوچھا وہ وادی کس طرف ہے؟"

"پہاڑ کے اس طرف یہاں سے آدھے دن کا راستہ ہے کھیتوں میں سے ہو کر دریا کے ساتھ ساتھ ایک پگڈنڈی پر چلتے ہیں، جو جنگلوں کو چلی جاتی ہے تمہیں خود پتہ لگ جائیگا کیونکہ وہاں جنگلوں کے کنارے پر زیتون کا ایک برباد شدہ درخت ہے"

سارینا نے بلبل کی طرف دیکھ کر کہا "میں ضرور جاؤں گی، لو پیارے اب بلبل کی ٹوکری میں واپس چلے جاؤ، میں اور پھول چن لوں"

بلبل نے کہا "بہترین پھول تالاب کے قریب ہیں، میں ان لوگوں کو بہت چاہتا ہوں جو میرے ذنیک کو پسند کرتے ہیں لیکن وہ بہت تھوڑے ہیں"۔

سارینا نے تالاب کے کنارے سے سوسن، چنبیلی، موتیا اور گلاب کے پھول چنے اور محل میں سے گذر کر "سفید برج" کی طرف گئی "سفید برج" کے دروازے پر محافظ کھڑے تھے بہت سی عورتیں پھول لائی تھیں، کیونکہ بہار کے دیوتا کے لئے پھول لانا مبارک تصور کیا جاتا تھا، بعض عورتوں نے سارینا کو پہچان لیا، اور اس پر رحم کرنے لگیں، انھوں نے آپس میں سرگوشیاں شروع کیں "یہ کسقدر مطمئن ہے!"

"ان کی محبت ایک عظیم الشان محبت ہے، وہ اسکی خاطر ناچی اور وہ اس کے لئے لڑا"

سارینا نے پھول "سفید برج" کے نیچے ڈال دیئے، اور واپس جانے لگی، اس کی نگاہ لورون پر پڑی جو سورج کی روشنی میں بیٹھا خیالات میں غرق تھا، سارینا نے کہا "میرے استاد،

میرا دل بہت اداس ہے، میں باہر کھیتوں میں جا کر سیر کرنا چاہتی ہوں"

اس نے جواب دیا "جاؤ، اگر میں جوان ہوتا تو تمہیں تسلی دینے کی کوشش کرتا"

"میرے لئے اب کوئی تسلی نہیں، کیونکہ اب دنیا میں کون رہ گیا ہے جو مجھے تسلی دے؟ میرا پیارا "زرین جزائر" کو جا رہا ہے، اور میں — مر رہی ہوں"

"نہیں تم ناچنے اور ہمیں خوش کرنے کے لئے زندہ رہو، رفتہ رفتہ تمہیں خود تسکین ہو جائیگی"

اس نے جواب دیا "میں اس طبیعت کی ہوں کہ فراق کی تکلیف اٹھانے سے پہلے اپنا کلیجہ کھا کے مر جاؤں گی، تب کہیں مجھے تسکین ہوگی"

وہ چل دی، لوردن نے دونوں کندھے ہلائے، اس نے دنیا میں بہت کچھ دیکھا تھا، اس نے آہستہ سے کہا "یہ سب بانی جمع خرچ ہیں"

کسی نے بھی سارینا کو محل چھوڑتے نہ دیکھا، وہ باغوں اور سرد کے کنجوں میں سے ہوتی ہوئی کھیتوں کی طرف نکل گئی، وہ تیزی سے جا رہی تھی، اور ایک پرانے لبادے میں لپٹی تھی جو اسے ارائیدن نے دیا تھا، گرمی شدت کی تھی، فصلیں اور انگور پکنے کو تیار تھے، اور زیتون کے درختوں کا کوئی سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا، لیکن وہ بہت جلد سایہ میں پہنچ گئی، وہ اب پہاڑیوں میں صنوبر کے جنگل میں تھی، جو تاریک اور قبرستان کی طرح سنسان تھا، سارینا نے وہ راستہ دریافت کر لیا تھا، جو بلبل نے اسے بتایا تھا، وہ راستہ جو سانپوں کی وادی کو جاتا تھا۔

(۱۰)

دوپہر ہو گئی تھی جب سارینا صنوبر کے جنگل سے نکل کر وادی میں پہنچی، یہ ایک ویران اور بنجر مقام تھا جس پر دیوتاؤں کی لعنت تھی، پتھروں کے درمیان خوشبودار جھاڑیاں تھیں جنگل کے کنارے ایک چشمہ تھا، جو ذرا آگے چل کر ایک ندی میں مل جاتا تھا، سارینا نے ٹھہر کر اس چشمے سے پانی پیا۔

وہ اپنے نیچے کسی تباہ و شکستہ حال عمارت کی دیواریں دیکھ رہی تھی، جو جنگلی انجیر اور جھاڑیوں سے پوشیدہ تھیں، اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، اس نے دیواروں کی طرف دیکھا، اس کا پھول سا چہرہ کمہلا گیا، کسی چیز نے اسے بتا دیا کہ یہ ایک ملعون اور خوفناک مقام ہے، جہاں کوئی بھی قدم رکھنے کا حوصلہ نہیں کرتا۔

وہ خوفزدہ ہو گئی، لیکن پھر سنبھل گئی، وہ اس سنسان مقام میں اپنی طاقت آزمانے اور یہ ثابت کرنے آئی تھی، کہ کیا اب بھی وہ ساحرہ ہے یا نہیں، کیا اب بھی اس کی وہی طاقت ہے یا نہیں، کیونکہ اس خوف اور خطرے کے پیچھے اسے امید کی شمع ٹمٹماتی ہوئی نظر آتی تھی۔

اس نے ارائیدن کا لبادہ وہیں چشمہ کے کنارے رکھ دیا اور ندی کے بہاؤ کی طرف چل دی، وہ اس بات سے بڑی خوفزدہ تھی کہ کہیں اس کے پاؤں پتھروں سے زخمی نہ ہو جائیں، کیونکہ خون کی بو سے جادو کے خراب ہو جانے کا احتمال تھا، مربع پتھروں کی عمارت ابھی تک ندی کے کنارے کھڑی تھی، یہ عبادتگاہ تھی

ایک عبادت گاہ کی قربانگاہ جسے دیوتاؤں کے غضب نے تہ وبالا
کردیا تھا، سارینا کو معلوم ہوگیا کہ بلبل نے اس مقام کے متعلق کتنا
سچ کہا تھا، یہ کھنڈرات سانپوں کے مسکن تھے، وہ سورج کی روشنی
میں کنڈلی مارے بیٹھے یا گرم پتھروں پر رینگ رہے تھے۔

سانپ چوکنے ہوگئے، انھوں نے سر اٹھاکر اس عورت کو دیکھا
جو اسقدر دلیری سے عبادتگاہ میں آئی تھی، وہ پھنکار رہے تھے، سیاہ
جسم پتھروں سے نکلکر پیچ وتاب کھا رہے تھے۔

سارینا روئی کی مانند سفید ہوگئی۔ اس کی آنکھیں موت کی منتظر
نظر آتی تھیں، یہ اس کی قربانی اور محبت کے امتحان کا عظیم الشان
موقعہ تھا، اگر وہ سانپوں کو مسحور کرلے تو اریکس کے بچنے کی امید
تھی۔

وہ تیزی سے قربانگاہ کی طرف کودی، اور تن کر قربانگاہ پر
کھڑی ہوگئی، ہر طرف سے سیاہ سانپ اسکی طرف حرکت کر رہے
تھے، سارینا نے ایک عجیب دلکش سُر اپنے ہونٹوں سے نکالا، ایک
میٹھی اور سریلی آواز جیسے دریا کے کنارے گھاس پر ہوا چلتی ہے"
اس نے اپنے جسم کو حرکت دی، اپنی باہیں آہستہ آہستہ ہلانا شروع
کیں، پتھروں کی کھڑکھڑاہٹ رک گئی، سیاہ سر ہلنے لگے۔

اس کے جسم کی حرکات اور اس کے بازوؤں کی گردش زیادہ
تیز ہوتی گئی، دلکش سُر ایک غمگین گانے میں تبدیل ہوگیا، اب وہاں
وہ ناچ ہوا، جو تمام ناچوں سے انوکھا اور نرالا تھا، یہ سانپوں کا
ناچ تھا، وہ قربانگاہ کے قریب جمع ہوگئے، اور سارینا کے جسم
کی حرکات اور اس کے ترانے پر سر ہلانے لگے، جب وہ خاموش
ہوجاتی تو وہ بھی پتھر میں کھدے ہوئے سانپوں کی طرح بے
حس وحرکت معلوم ہوتے، صرف ان کی چمکیلی آنکھیں اور زبانیں
ان کے زندہ ہونے کی شہادت دیتی تھیں ایک بڑے سیاہ سانپ
نے، جو یقیناً سب کا سردار تھا، اپنا چوڑا سر قربانگاہ کے پتھر پر
رکھدیا اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ ایک گہری نیند میں چلا گیا ہو،

سارینا مسرور تھی، وہ ان کی ملکہ تھی، نہ انہیں اس کا خوف
تھا، اور نہ وہ ان سے خوفزدہ تھی، اس نے بڑے سانپ کو ہاتھوں
میں پکڑ کر اپنے کندھے پر بٹھالیا، اور قربانگاہ سے نیچے اتر کر وہ آرام
واطمینان سے چمکیلی کنڈلیوں میں سے گذری، سانپوں نے
اپنے سر اوپر اٹھا کر اس کے ہاتھ، لباس اور ٹخنوں کو چاٹا، اور سارینا
کو معلوم ہوگیا کہ اس کی طاقت بڑی زبردست ہے۔

پھر اس نے ہاتھوں کو ہلاتے اور گانا گاتے سب کو سلام دیا،
اس نے بڑے سانپ کو اتار کر قربانگاہ پر رکھدیا، اور سیاہ کنڈلیوں
میں سے صاف بچکر وہ چشمہ پر پہنچی، جہاں وہ اپنا لبادہ چھوڑ گئی تھی

(۱۱)

سارینا دسترخوان پر دیر میں پہونچی، اور یہ ارائیدن تھی جس نے
اس کی آنکھوں میں ایک چمک دیکھی، دوسری لڑکیاں یا تو باہر
صحن میں چلی گئی تھیں، یا ان لوگوں سے ہنسی میں مشغول تھیں جو انکی
کھڑکیوں کے نیچے جمع ہوگئے تھے۔

اس نے صبح سے کچھ نہ کھایا تھا، اس لئے دسترخوان پر بیٹھتے
ہی وہ بڑی تیزی سے کھانے لگی، وہ کھاتے کھاتے عجیب نگاہوں
سے ارائیدن کو دیکھتی تھی، اور خاموش تھی، ارائیدن کو ایسا
معلوم ہوا کہ یہ خاموشی اسے کسی پنجرے میں قید کردیگی، اور ارائیدن
اٹھکر باہر دوسری لڑکیوں کی طرف چلی، سارینا نے چونک کر

اس سے کہا "میں سارا دن جنگلوں میں پھرتی رہی ہوں کوئی غیر معمولی بات تو نہیں ہوئی؟"

"کچھ نہیں"

"اگر آج رات تم جاگو تو میری خاطر سپائر کو میرے واپس آنے تک دیکھتی رہنا"

"ارائیڈن نے پوچھا "کیا زیادہ دیر لگاؤ گی؟"

"ایک گھنٹہ اگر تم سو گئیں تو میں تمہیں جگا دونگی"

"اور اگر سپائر جاگ پڑی تو؟"

"تو تم اسے کوئی کہانی سنانے بیٹھ جانا"

"ہاں یہ میں کر سکتی ہوں"

آدھی رات کے بعد سارینا پھر مینوس کے محل کی گہرائیوں میں اتری، اس کے تمام باشندے اطمینانِ قلب سے خواب راحت میں مشغول تھے، جزیرۂ کریٹس سمندروں کا بادشاہ تھا، اسکے شہروں کے گرد کوئی فصیل نہ تھی، شہروں کے دروازوں پر کوئی پہرہ دار نہ تھے۔ لوگ جب دل چاہتا آتے جاتے رہتے تھے، وہاں غلاموں تک کو آزادی نصیب تھی۔

سارینا خزانے کے پہرہ داروں کے خیال سے چھپتی ہوئی بغیر کسی مزاحمت کے ایوان عبادتگاہ میں پہنچی، عبادتگاہ کے دروازے کھلے تھے آگ تیزی سے جل رہی تھی، بڑا لیمپ روشن تھا۔

جب سارینا عبادتگاہ کے سامنے آئی تو اس کا چہرہ شعلے کی مانند چمکنے لگا، وہ ٹھیر گئی اور اپنی دلکش آواز نکالکر ناچنے لگی، وہ بڑی مسرور تھی، وہ ناچتی اور گاتی ہوئی ایوان عظیم میں پہنچی اس کے دل نے پکار کر کہا "وہ میرے ہیں، میں نے انہیں تسخیر کرلیا ہے، وہ میری خدمت کرینگے"

جب وہ اپنے کمرے میں واپس آئی تو ارائیڈن جاگ رہی تھی، سارینا نے جھک کر کہا "ارائیڈن مجھے تم سے بڑی محبت ہے"

"سارینا تم آگ کے مانند گرم ہو؟"

"اور پیاری میرا دل بھی ایسا ہی گرم ہے"

وہ سو گئی کیونکہ وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔

دوسرے دن علی الصبح وہ پھول لینے باغ میں گئی، اور ڈینک کی ٹوکری پر جھک کر اس سے پیار کرنے لگی، جس نے اس کے ہاتھوں کو چاٹنا شروع کیا، بلبل نے کہا "جتنے پھول چاہو لیلو"

سارینا پھول لیکر سیدھی "سفید برج" کی طرف گئی، اس صبح وہ پہلی عورت تھی، جو وہاں پھول لائی، دروازے کے دونوں پہرہ داروں نے اسے پہچان لیا، سارینا سرنگوں کھڑی تھی، اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے، پہرہ داروں نے چونکہ نرم دل تھے اور اس کے حسن سے متاثر نظر آتے تھے، اس پہ رحم کھانا شروع کیا، کیونکہ مرد ایک عورت کی گرمی چشم کے سامنے موم کی مانند ہے

انھوں نے آپس میں کچھ سرگوشیاں کیں، اور ان میں سے ایک نے سارینا کے قریب آکر کہا "ہم اچھے آدمی ہیں اور ہمارے لئے یہ بہت مشکل ہے کہ ایک حسین عورت کو روتے دیکھیں کیا تم ارکیس سے ملنا چاہتی ہو؟"

سارینا نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس کا شکریہ ادا کر کے کہا "ہاں آخری دفعہ ملنا چاہتی ہوں، اور ایک بات کہنا چاہتی ہوں، اس سے پہلے کہ وہ زریں جزائر کو چلا جائے"

اس نے کہا "تو جلدی کرو، اور بہت جلد واپس آجاؤ، نہیں تو ہم مصیبت میں پھنس جائینگے، سیدھی اوپر چلی جاؤ"

سارینا ایک پرندے کی طرح اڑ کر گئی، پھول اس کے سینہ سے لگے تھے، سیڑھیاں برج کے اندر بل کھاتی ہوئی جاتی تھیں سارینا نے سیڑھیوں کے اختتام پر ایک عالیشان کمرہ پایا، اسکے دروازے کھلے تھے، لیکن ان کے آگے سونے کی تار کا ایک حیرت انگیز جال تھا، جو حد بندی کا کام دیتا تھا۔

سارینا نے ایک آدمی کو گدیلے پر اوندھے منھ لیٹے پایا، اسکا چہرہ سرہانوں میں دبا تھا، وہ ایک قیدی تھا، مسرت اور محبت سے محروم سارینا نے سونے کے جال کے قریب جاکر کہا "اریکس — میرے اریکس!"

وہ چونکا اور حیرت زدہ کھڑا ہوگیا، اسکی دونوں آنکھوں میں حلقے پڑے تھے، اس کا چہرہ لاغر تھا، سارینا کے ہونٹ جال سے لگے تھے اور وہ محبت سے باتیں کر رہی تھی "جلدی کرو پہرہ داروں نے مجھ پر عنایت کی ہے!"

اریکس ایک آہ سرد بھر کر آگے بڑھا، وہ ایک ایسے شخص کی طرح معلوم ہوتا تھا جو شراب کے نشے سے از حد مدہوش ہو، اس نے کہا "سارینا!"

دونوں کے ہونٹ مل گئے، لیکن سونے کے تار درمیان تھے اس نے آہستہ سے کہا "میں اپنا سالا راز اس لئے نہ کہونگی کہ کہیں کوئی سن نہ لے، میرے اریکس مجھے بتاؤ کہ کیا تم اب بھی میرے لئے زندہ رہنا چاہتے ہو یا زرین جزائر کو جانا چاہتے ہو؟"

اس نے جواب دیا "سارینا! میں کیسے مروں جبکہ میری محبت تمہارے لئے تڑپ رہی ہے"

اس نے اپنے منہ پر انگلی رکھکر کہا "تم بہت بلند آواز سے بولتے ہو، آہ پیارے یہ ممکن ہے کہ میں تمہیں بچالوں، اور اگر میں نے تمہیں بچالیا، تو ہمیں جنگلوں میں بھاگنا اور سمندر عبور کرکے کسی اور ملک میں جانا ہوگا۔ اس وقت تک کہ مینوس ہمیں معاف کر دے"،

"اس نے کہا "میں ایک فقیر کی مانند زندگی بسر کرنیکو تیار ہوں لیکن سارینا تمہارے لئے ایسی زندگی ناشائستہ اور سخت ہوگی"،

"نہیں میں بھی تمہارے ساتھ ہر حال میں خوش رہونگی"

اریکس نے سینہ پر ہاتھ رکھکر کہا "کاش میں ایک رات کیلئے آزاد ہو جاؤں، تاہم — سارینا بچنے کی کوئی امید ہے؟"

اس نے جواب دیا "سنو، جب وہ تمہیں عبادتگاہ میں لیجائیں اور دروازے بند کردیں تو تم گلانطس کے سامنے ایک گونگے بہرے کی مانند کھڑے ہوجانا، اور اپنے چہرے پر حیرانی کی کوئی علامت ظاہر نہ ہونے دینا، اگر گلانطس اپنا خنجر نکالے، تو ضرور چھین لینا اگر خون کا ایک قطرہ بھی گرا تو ہم سب کی جانیں خطرہ میں ہیں"،

"لیکن — سارینا!"

انھوں نے نیچے سے ایک پہرہ دار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا "وقت گذر چکا ہے نیچے آجاؤ"، اس نے کہا "امید رکھو، ہمت نہ ہارو، اب میں جاتی ہوں"،

ایک دفعہ پھر ان دونوں کے ہونٹ ملے اور سارینا نیچے چلی آئی۔

(۱۲)

قربانی کی رات سارینا عبادتگاہ میں ان پردوں کے پیچھے

چھپ گئی جو دیواروں سے لٹکتے تھے، اس نے دائیں ہاتھ کی دیوار منتخب کی کیونکہ اس طرف کوئی دروازہ نہ تھا، اس نے اپنے پاؤں زرد کپڑے سے ڈھانپ لئے تاکہ ان کی سفیدی اس کی موجودگی کو ظاہر نہ کردے۔

سارینا انتظار میں کھڑی تھی، اور اپنے بالوں سے چاندی کا پن نکالکر پردے میں ایک سوراخ کرنے میں مشغول تھی، قربانی کی عظیم الشان رات خوشیوں کی رات تھی، وہ بانسریوں اور گانوں کی آواز بخوبی سن سکتی تھی جو محل کے ایوانوں اور پیشگاہوں سے آرہی تھی۔

یکایک قرنا کی آواز آئی، اور سارینا بالکل بے حس وحرکت کھڑی ہوگئی، وہ اریکیس کو "سفید برج" سے نکالکر عبادتگاہ کی طرف لارہے تھے، وہ گاتے اور ناچتے تھے، مشعلیں ہلاتے اور ایک دوسرے پر پھول برساتے تھے، کئی دعوتیں اڑا رہے تھے، اور کثرت سے شراب پی رہے تھے، عشاق نے اپنی رفیقان حیات منتخب کرلی تھیں، وہ عورتیں جو اولاد سے محروم تھیں جلوس میں مردوں کے پہلو بہ پہلو شامل تھیں۔

بانسریوں کی آواز اور لوگوں کے نعرے بالکل نزدیک آن پہونچے، سینکڑوں مشعلوں کی روشنی دروازے سے اندر آئی اور معبد عبادتگاہ کو روشن کردیا، ہجوم ترانۂ بہار گارہا تھا، اور پھول بکھیر رہا تھا۔

سارینا نے عورتوں کو چلا کر کہتے سنا "الوداع اے خوشرو جوان! الوداع اے مبارک عاشق!"

قربانگاہ کے سانپ پھنکارے، اور عبادتگاہ میں ایک گھنٹی بجی، سارینا نے سوراخ میں سے جو اس نے پردہ میں بنایا تھا، گلانطس کو آتے اور قربانگاہ کے سامنے کھڑے ہوتے دیکھا، وہ ایک شاندار گلانطس تھی، جو ایک امیرانہ پوشاک پہنے ہوئے تھی، اسکے سر پر سونے کی ٹوپی تھی، لیکن اس کا چہرہ شیطانی تھا کیونکہ وہ شراب سے بدمست ہورہی تھی، اسکی زرد آنکھیں سرخ ہورہی تھیں، اور وہ بار بار اپنے ہونٹوں کو زبان سے تر کررہی تھی، سارینا اس سے نفرت کررہی تھی، ایسی نفرت جو موت سے زیادہ بے رحم تھی۔

پھر اس نے اریکیس کو دروازے میں سے اندر گھستے دیکھا، پھولوں کا ایک ہار اس کے گلے میں تھا، جب وہ آرہا تھا تو پیچھے سے لوگوں نے تمام دروازے بند کردئے، عورتوں نے ایک دفعہ پھر "الوداع اے خوشرو جوان الوداع!" کا آخری نعرہ لگایا، اور پھر ایک موت کی سی خاموشی چھا گئی، لوگ مقدس ایوان کو چھوڑ رہے تھے۔

اریکیس نے سیڑھیوں کو عبور کیا، اور گلانطس کے سامنے جوانی کی ایک بیجان تصویر بن کر سرنگوں کھڑا ہوگیا، سارینا خوش تھی، کیونکہ اریکیس نے اس کے کہنے پر عمل کیا تھا، اس نے اس آدمی کی طرف دیکھا جو دہشت اور خوف سے گونگا ہوگیا تھا، اور جو اپنی آنکھیں گلانطس کے چہرے کی طرف اٹھانے کے ناقابل تھا۔

گلانطس کہہ رہی تھی "خوش آمدید اریکیس، خوش آمدید مقدس عاشق"

وہ اسکے سامنے ایک سنگین بت کی طرح کھڑا تھا، گلانطس نے ہنسکر کہا "تم خوفزدہ ہو، آنکھیں اٹھا کر میری طرف تو دیکھو

کیا میں اسقدر بری ہوں؟ کیا میری آنکھیں بے نور اور میرے ہونٹ خشک ہیں؟"

ارکیس نے بالکل حرکت نہ کی، گلانطس اسے سرخ آنکھوں سے گھورتی اس کے قریب آئی اور کہنے لگی "تو بہت شرمیلا ہے! ایک عورت سے خوفزدہ ہے! گلانطس صرف ایک عورت ہے، وہ دیوی سے کم خوفناک ہے، نوجوان ذرا اپنا سر اوپر اٹھا اور مجھ اپنی آنکھیں دیکھنے دے"۔

تینوں مقدس سانپ پیالے میں پیچ و تاب کھا رہے تھے اچانک دیوار کے پردوں میں ایک خفیف سی حرکت ہوئی، لیکن گلانطس نے بالکل توجہ نہ دی اس نے سارینا کو پردوں کے پیچھے سے نکلتے اور اپنا سفید ہاتھ مقدس سانپوں کی طرف ہلاتے نہ دیکھا

(۱۳)

ارکیس کی آنکھوں نے کام بگاڑ دیا، کیونکہ گلانطس نے اسے دیوار کی جانب محبت بھری نگاہوں اور متبسم لبوں سے دیکھ پایا سارینا آہستہ آہستہ پیالے کے سامنے ناچ رہی تھی، اور اسکے جسم اور ہاتھوں کی خوبصورت اور ہوشربا حرکات سے سانپ جھوم رہے تھے، جس طرح لمبی گھاس ہوا کے جھونکوں سے جھومتی ہے۔

گلانطس تیزی سے پلٹی اور حیرت زدہ کھڑی ہو گئی، وہ شراب کے نشے سے مدہوش تھی، سارینا نے بڑے بڑے چکر لگا کر پیالے کے گرد ناچنا شروع کیا، اور غمگین سا گانا شروع کر دیا، گلانطس حیرانی سے سارینا اور سانپوں کو دیکھ رہی تھی۔

یکایک وہ چیخی اور اپنا ہاتھ پیالے کی طرف پھیلا کر کہنے لگی "مار دو، مار دو!"

ارکیس سیڑھیوں سے نیچے اترا، اور دروازوں کی چٹخنیاں چڑھا کر واپس آ گیا اور پھر پہلوانوں کی مانند تن کر کھڑا ہو گیا، وہ دونوں عورتوں کو بغور دیکھ رہا تھا، اور سارینا کے الفاظ کا منتظر تھا، سارینا نے کہا "میرے بچو! امن سے بیٹھ جاؤ"

اس نے وہی گانا جاری رکھا، اور سانپوں نے سر اٹھا کر جھومنا شروع کیا، وہ اس وقت اس کے خادم تھے، گلانطس تیزی سے آگے بڑھی، وہ اپنے بازو ہلا رہی تھی اور تینوں سانپوں پر اپنی طاقت سے قبضہ کرنا چاہتی تھی، وہ طاقت جو اب سارینا نے اس سے چھین لی تھی۔

دس منٹ تک دونوں عورتیں پیالہ کے پاس آنکھوں میں آنکھیں ڈالے مقابلہ کرتی رہیں، وہ ایک جنگ میں مشغول تھیں، آخر سارینا کو فتح نصیب ہوئی، وہ سانپوں کو اشارہ کرتے کرتے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹی، اور سانپ پیالہ میں سے نکلکر اس کے پیچھے چلنے لگے۔

(۱۴)

یکایک گلانطس کا ہاتھ اس کی پیٹی میں گیا، جہاں ایک چھوٹا سا خنجر تھا، وہ خنجر کھینچکر سارینا کی طرف جھپٹی، ارکیس درمیان میں کودنے لگا، سارینا نے اس کو پیچھے ہٹا دیا، اور تالی بجا کر تندی کے ساتھ سانپوں سے کہا "مار دو! اسے مار دو!"

عبادتگاہ کے مقدس سانپ اپنی راہبہ پر جھپٹے، اور جہاں وہ کھڑی تھی اسکے پاؤں سے لپٹ گئے، اب گلانطس حرکت نہ کر سکتی تھی، سارینا نے کہا "ارکیس جلدی کر، انھوں نے خون چکھ لیا ہے"۔

اس نے ایک کھونٹی پر سے ایک لباس اتارا، جو قربانگاہ کے پہلو میں تھی، یہ قیمتی کمخواب کا لباس تھا، یہ ایک ایسا لباس تھا، جیسا مینوس کے محل کی تصاویر میں دیوی نے پہن رکھا تھا، سارینا نے وہ لباس پہن لیا، تیزی سے اسکے فیتوں کو باندھا، پھر ایک اور کھونٹی سے ایک سنہری نقاب اتار کر اپنا چہرہ چھپالیا اور ایک ہاتھ ارکیس کی طرف بڑھا کر کہا "ادھر آؤ"

گلانطس قربانگاہ کے سامنے مردہ پڑی تھی، سانپ ابھی تک اس کے جسم سے لپٹے تھے، سارینا نے کہا "دروازہ کھول دو" اور جب ہم باہر نکل جائیں تو بند کردو"

ارکیس نے اس کی طرف حیرانی سے دیکھا، جس کے جواب میں سارینا نے کہا "میں اس وقت دیوی ہوں اور تمہیں مینوس کے محل سے نکالکر "زریں جزائر" کو لیجارہی ہوں"

بہت سے لوگ گھروں کو لوٹ گئے تھے، لیکن اب بھی کئی حاجتمند مرد و زن ایوان مقدس میں سربسجود تھے، عورتیں دیوی سے اولاد مانگ رہی تھیں، ان سب نے یہ حیرت انگیز معجزہ دیکھا کہ ایک عورت ارکیس کا ہاتھ پکڑے عبادتگاہ سے نکلی، جو کمخواب کا ایک شاہانہ لباس پہنے ہوئے تھی، اور جسکے چہرے پر ایک سنہرا نقاب پڑا تھا، وہ حسن اور نزاکت کی پتلی معلوم ہوتی اور چلتے وقت عجب نزاکت سے قدم اٹھاتی تھی، لیکن ارکیس ایسا دکھائی دیتا تھا کہ خواب میں ہے، لوگوں نے کہنا شروع کیا "یہ دیوی ـــ بذات خود دیوی ہے، وہ اپنے عاشق کو لئے مغرب کے "زریں جزائر" کو جارہی ہے"

سارینا اس راستہ سے بخوبی واقف تھی جو ایوان عبادتگاہ سے شیروں کے احاطہ کو جاتا تھا اور پھر سرو کے کنجوں، اور "مقدس باغات" کو جاتا تھا، ان حاجتمندوں نے دیوی کو تاریکی میں غائب ہوتے دیکھا، اس کا عاشق بھی ساتھ تھا، انھوں نے سر اٹھا کر شکریہ کے لہجہ میں کہنا شروع کیا "ہم نے اسے دیکھ لیا، وہ آج زمین پر اتری ہے، ہماری دعائیں قبول ہوگئی ہیں!"

دونوں عاشق و معشوق ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے مقدس کنج میں سے تیزی سے گزر رہے تھے، جہاں چاندنی درختوں کے پتوں میں چھن چھن کر نکلتی تھی، اور زمین پر ایک خوبصورت جال بناتی تھی، سارینا نے لوگوں کی آوازیں سن لی تھیں، اور اسکا نازک دل مسرت سے لبریز تھا، اس نے کہا "آہ میرے پیارے! پیارے تم بچ گئے ہو"

وہ مسرت و محبت کے جوش سے باہم لپٹ گئے، پھر وہ کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے پہاڑی کے نشیب میں صنوبر کے جنگلوں میں پہونچے، یہاں سارینا ٹھیر کر کہنے لگی "پیارے ارکیس سنو، یہاں جنگلوں میں دیوی غائب ہوتی ہے، اور سارینا شہزادہ مینوس کے محل میں واپس جاتی ہے، اس کا لباس ضرور زمین میں گاڑ دینا چاہئے، اور یہ کام تم کرو میں اب جاتی ہوں"

اس نے کہا "کیا تم مجھے بتا رہی ہو؟ میں تو سوچ رہا ہوں کہ اب ہم جزیرۂ کریلش سے بچکر جائیں گے کدھر؟"

اس نے جواب دیا "اگر ہم یہاں سے بھاگے تو ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے ـــ انجام کے انتظار میں کبھی جنگلوں اور کبھی ویرانوں میں چھپتے پھریں گے، میں نے ایک افسانہ بنایا ہے جو لوگوں کو ضرور سنایا جانا چاہئے، تاکہ گلانطس کا شیطانی منصوبہ

اور دیوتاؤں کا فیض ثابت ہو جائے "

پھر اس نے ارکیس کو بتایا کہ یہ تمام واقعات کس طرح رونما ہوئے، اسے کیا کرنا اور کیا کہنا چاہئے، ارکیس اس کی طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا، اس نے سارینا کو آغوش میں لیکر کہا "تم ایک ساحرہ ہو"

اس نے جواب دیا "نہیں ــــ میں محبت ہوں، اور محبت دنیا کے تمام دیوتاؤں سے برتر ہے"

(۱۵)

سارینا نے کمخواب کا لباس اتار دیا، اور اپنے اصلی لباس میں ارکیس کے سامنے کھڑی ہو گئی، ارکیس نے اسے آغوش میں لیکر اس کے بال، منہ اور آنکھیں چومیں، پھر کہا "اگر یہ منصوبہ کارگر نہ ہوا تو؟"

سارینا نے جواب دیا "میں کبھی وہ منصوبہ نہیں کرتی، جو کارگر نہ ہو، دوسرے میرا خیال ہے کہ آج مجھے الہام ہو رہا ہے علی الصبح دلیری سے آؤ اور مینوس کے محل میں اپنی داستان سناؤ"

اس نے بڑی مشکل سے سارینا کو آغوش سے علٰحدہ کیا، وہ اسکے ہمراہ صنوبر کے جنگل تک آیا، یہاں سارینا نے اسے واپس کر دیا اور خود دوڑتی ہوئی "مقدس باغات" میں داخل ہوئی، اور مقدس کنج سے گذر کر ایوان عبادتگاہ میں پہونچی، جہاں ابھی تک کئی حاجتمند عورتیں کھڑی تھیں، جو اس حیرت افزا واقعہ پر سرگوشیاں کر رہی تھیں، سارینا اس ہجوم میں مل گئی، اور گھٹنوں کے بل جھک کر کہنے لگی "اے دیوی تم نے میرا عاشق مجھ سے چھین لیا تھا، اسلئے میں غصے میں تھی، لیکن اب جبکہ میں نے تمہیں دیکھ لیا میرا دل مطمئن ہے"

ایک بوڑھی عورت نے اس سے پلٹ کر پوچھا "تم کون ہو، جو ایسی باتیں کرتی ہو؟"

سارینا نے جواب دیا "میں سارینا رقاصہ ہوں، دیوی نے میرا عاشق مجھ سے چھین لیا ہے، اور اسے "زریں جزائر" کو لے گئی ہے، اگر میں اسے اپنی آنکھوں سے چاندنی میں گزرتا نہ دیکھتی تو میں مر جاتی"

بعد ازیں وہ محل کی طرف روانہ ہوئی، وہ ابھی کمرے کے دروازے کے پاس پہنچی تھی کہ اس نے کسی لڑکی کی جمائی لینے کی آواز سنی، جو جاگ رہی تھی، یہ ارائیدن تھی، جو اپنے بستر پر بیٹھی تھی، اس نے سارینا کے قدموں کی آہٹ سن لی تھی، وہ دوڑ کر اس کی طرف گئی اور اسے بازوؤں سے پکڑ کر کہنے لگی "سارینا!"

سارینا نے اپنا سر اس کے سینہ سے لگا دیا، اور پوچھا "پیارے کہاں ہے؟"

"وہ یہاں نہیں، وہ اپنے ایک دوست کے پاس گئی ہے"

ارائیدن اس کے بستر کے قریب ہو گئی، اور سارینا نے خود کو اسکے بازوؤں میں ڈالدیا، پھر وہ اکٹھی لیٹ گئیں، اور ارائیدن نے آج کے واقعہ کا ذکر چھیڑا، اس نے اس حیرت افزا واقعہ کے متعلق سن لیا جو آج وقوع پذیر ہوا، مینوس کے محل میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی تھی کہ کس طرح دیوی اپنے عاشق کو "زریں جزائر" کی طرف لیجا رہی ہے۔

سارینا جو بالکل خاموش لیٹی تھی، کہنے لگی "ہاں میں نے بھی دیکھا تھا، اور اسی لئے میرا دل مطمئن ہے، ارائیدن مجھے سلاؤ، تاکہ میں سب واقعات بھول جاؤں"

(۱۶)

ابھی صبح کاذب ہی تھی کہ غلاموں نے، جو ایوانِ عظیم میں جھاڑو دے رہے تھے، ایک نوجوان شخص کو آتے اور ایوان کے وسط میں قربانگاہ کی سیڑھیوں پر بیٹھے دیکھا، یہ شخص قرمزی - ڈغل اوڑھے تھا، غلاموں نے حیرت سے اسے دیکھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ ارکیس پہلوان ہے، ایک زندہ انسان جسے اب تک مرجانا چاہیے تھا، ان میں سے ایک داروغۂ محل کو اطلاع دینے دوڑا جو شمالی برآمدہ میں ٹہل رہا تھا، اور کہا "حضور، ایک عجیب بات ۔۔ ایک آدمی جو مقدس سانپوں سے بچ آیا ہے"

داروغۂ محل نیچے ایوانِ عظیم میں اس داستان کی حقیقت معلوم کرنے آیا جو بیوقوف غلام اسے سنا رہے تھے، اس نے دیکھا کہ واقعی ارکیس قربانگاہ کی سیڑھیوں پر بیٹھا ہے،

داروغۂ محل نے کہا "لیکن میرے دوست تم تو مردہ ہو؟"

ارکیس نے ایک ہاتھ بڑھا کر کہا "مجھے چھو کر دیکھو"

غلام آکر اس کے گرد جمع ہوگئے تھے، اور وہ ساری گفتگو سن رہے تھے جو ان کے آقا اور ارکیس میں ہو رہی تھی، ارکیس نے کہا "مجھے شہزادہ صاحب کی خدمت میں لیچلو، مجھے ان کی خدمت میں چند باتیں عرض کرنی ہیں، کیا یہ واجب ہے کہ میں مقدس سانپوں کا حال ان غلاموں سے کہوں؟"

"میرے دوست تمہیں ضرور شہزادہ صاحب کے پاس لیچلونگا۔"

"اور یہ دیکھکر کہ اس محل میں تم ایک صاحب اختیار آدمی ہو، میں یہ کہونگا، کہ عبادتگاہ میں جا کر اس کے گرد پہرہ لگادو اور نظارے کے متعلق جو تم عبادتگاہ میں دیکھو، مینوس کے سامنے شہادت دو"

"نوجوان تم بڑے مغرورانہ انداز سے باتیں کرتے ہو"

"ارکیس نے جواب دیا "اس لئے کہ میں دیوی سے مل آیا ہوں"

بعض غلام یہ خبر پھیلانے بھاگ گئے، اور یہ افواہ ہوا کے مانند محل میں پھیل گئی۔

تمام لوگوں نے اپنے کام کاج چھوڑ دئے اور جوش وخروش سے ایوانِ عظیم کی طرف بھاگے، وہاں انھوں نے ارکیس کو گھیر لیا، اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ انسانوں کے ایک بحر میں مقید ہے لوگ حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے، کیونکہ وہ آدمی تھا، جو مقدس سانپوں سے بچکر پھر انسانوں کی دنیا میں واپس آگیا تھا، یکایک آواز آئی "راستہ چھوڑ دو! شہزادہ آتا ہے! راستہ چھوڑ دو!"

لوگ اِدھر اُدھر ہٹ گئے، اور شہزادہ کے لئے راستہ بنادیا اور اس راستہ میں سے گذر کر مینوس والئ قریطش آیا، اس کے ہمراہ وزیرِ اعظم، سرسیدین، اور چند خاص مصاحب تھے، مینوس نے ٹکٹکی لگا کر ارکیس کی طرف دیکھا اور کہا "نوجوان مجھے اور لوگوں کو وہ عجیب وغریب واقعہ سناؤ، جو تمہارے ساتھ پیش آیا"

ارکیس سیدھا کھڑا ہوگیا، اور دونوں باہیں پھیلا کر مینوس اور اہل قریطش سے کہنے لگا "جناب میں اس عجیب وغریب واقعہ کے متعلق عرض کرتا ہوں، جو میرے ساتھ واقع ہوا، تمام لوگ جانتے ہیں کہ کس طرح مجھے عبادتگاہ تک پہنچایا گیا، اور کس طرح دروازے بند کر دئے گئے، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں گلانعلس قربانگاہ اور مقدس سانپوں کے پیالے کے سامنے کھڑی تھی اور چند جادو کے الفاظ کہہ رہی تھی، کہ اچانک ایک

عورت نمودار ہوئی۔ خدا معلوم وہ کہاں سے نکل پڑی، لیکن مجھے ایسا معلوم ہوا کہ وہ قربانگاہ کے شعلوں میں سے نکلی ہے، میں نے جھٹ پہچان لیا کہ یہ دیوی ہے، میں ڈر گیا، دیوی کا چہرہ غضب آلود ہو رہا تھا، اس نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے سانپ کو گلانطس پر جھپٹنے کا حکم دیا اور انھوں نے آن کی آن میں اسے ہلاک کر دیا"

مینوس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "ٹھیرو" سرسیدین عبادتگاہ میں جاؤ اور اصلیت معلوم کرو"، "ہاں اب کہو"

ارکیس نے کہا "ہاں جب گلانطس مر گئی، تو دیوی نے مجھے ہاتھ پکڑ کر عبادتگاہ سے باہر نکالا اور ہم ایوان میں پہونچے جہاں چاندنی پھیلی ہوئی تھی"

ہجوم نے چلانا شروع کیا "ہاں، ہاں یہ درست ہے"

"کیا ہم نے یہ نہیں دیکھا تھا؟"

مینوس نے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، ارکیس کہنے لگا "تب دیوی مجھے مقدس کنج اور "مقدس باغات" میں لے گئی میں عجیب بےخبری کے عالم میں تھا، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں ہوا پر چل رہا ہوں، دیوی کے چہرے پر نقاب تھا، اس کی آواز بلند تھی، اور اس کا ہاتھ آگ کے مانند گرم تھا، وہ مجھے کھیتوں میں سے لیکر صنوبر کے جنگل میں پہنچی، یہاں بڑی تاریکی تھی، وہ شعلے کی مانند چمکنے لگی، اور میری آنکھیں چندھیا گئیں، پھر دیوی نے مجھ سے کہا "او فانی انسان تو آزاد ہے گلانطس کے گناہ کے سبب میں تجھے زندگی بخشتی ہوں، جا اور میرے غلام مینوس کو یہ ساری داستان سنا"

حضور پھر میں سو گیا، اور صبح تک سوتا رہا صبح جاگتے ہی دیوی کے حکم کی تعمیل کیلئے میں چلا آیا"

ہجوم اب خاموش نہ رہ سکا، اس نے چلانا شروع کیا "گلانطس مر گئی ہے!"

"مقدس سانپوں نے اسے مار دیا!"

"ارکیس زندہ ہے!"

اتنے میں سرسیدین اور داروغہ محل مردنی چھائے چہروں سے نمودار ہوئے، مینوس کی آنکھیں داروغہ محل کی طرف گئیں، اور اس نے کہا "بولو تم نے وہاں کیا دیکھا؟"

داروغہ محل نے اپنے ہاتھ پھیلا کر کہا "حضور بالکل وہی جو نوجوان نے ابھی ابھی کہا، گلانطس مردہ پڑی ہے، اور مقدس سانپ ابھی تک اس کے جسم سے لپٹے ہیں"

مرد اور عورتیں چلا رہے تھے، وہ جوش اور مسرت سے ارکیس کی طرف بھاگے، اور اسکے ہاتھوں کو چومنے لگے کسی نے چلا کر کہا "سارینا!"

یہ سنتے ہی ہجوم کا جوش بڑھ گیا، اور اس نے مضطربانہ لہجہ میں چلانا شروع کیا "سارینا! سارینا!"

وہ وہاں موجود تھی، چیختے چلاتے ہجوم نے اسکے لئے راستہ بنا دیا اور وہ ایک رقاصہ کی طرح قدم رکھتی ہوئی آئی ایک رقاصہ جو خواب میں تھی

ارکیس چلایا "سارینا!"۔

اس وقت ارکیس کو سوائے سارینا کے اور کچھ نظر نہ آیا، باقی ساری دنیا اس کی نظروں میں اوجھل ہو گئی وہ اس سے ملنے اور آغوش شوق میں لینے کو بڑھا اور مینوس جیسے سرد مہر انسان کی آنکھیں بھی اس وصال پر مسکرانے لگیں۔

(ماخوذ) نظامی

اے حریفِ رنگ و بُو

(اثر:۔ تبسم نظامی سیمابی (علیگ))

اے حریفِ رنگ و بو ناواقفِ گفت و شنید
حیف تو نے کچھ نہ سمجھا مقصدِ رنگِ جدید

ہو کے لبریز تعصب کر دیا اظہارِ دل
تیری باتوں سے عیاں ہے اضطرابِ منفعل

تجھکو نازش ہے مگر علم ادب سے بے نیاز
زندہ دل ہے تو مگر ناقابل ایوانِ راز

شعر بھی کہتا ہے تو لیکن پرانے رنگ میں
میر کی تقلید ناقص ہے ترے آہنگ میں

ہم سمجھتے ہیں قدامت سے تو ہم آغوش ہے
ورنہ دور از حال کیوں لب بستۂ وخاموش ہے

فیصلہ کر غور کر اس مستقل عنوان پر
جاننا موضوع اپنا فرض ہے انسان پر

چل رہی ہوں جب ترقی کی ہوائیں ہر طرف
عطر بیزی کر رہی ہوں جب فضائیں ہر طرف

آدمی کیونکر نہ ہو پھر ملتفت جذبات سے
کیوں نہ ہو دنیائے دل مسرور کیفیات سے

ہے بجا سب کچھ مگر تیرے تخیل کے خلاف
مطلقاً پروا نہیں گو نجے صدائے انحراف

تیری ہستی کیوں نظر آتی ہے صرفِ انہماک
ہے تجھے کیوں بارِ خاطر فارسی کا اشتراک

تو ابھی علم ادب سے مطلقاً محروم ہے
اور تو جس رنگ پر قائم ہے وہ معدوم ہے

انسان

(ایک مسلسل ڈراما)

سلسلے کی بارہویں قسط

(تمام حقوق بدستور محفوظ ہیں)

(اثر:- ساغر نظامی سیمابی (علیگ)

تیسرا دور ←→ چوتھا منظر

دریا اور پہاڑ

(شیطان آگ کے شعلوں میں نمودار ہوتا ہے)

شیطان۔ انسان، منشائے الٰہی کا مفروضہ خلیفہ، میری دنیوی بادشاہت کا ایک ذلیل محکوم میرے زبردست ہاتھوں میں آج اس طرح مجبور ہے جیسے ظلمت نور کو اور گنبد کسی قبر شکستہ کو چھپا لیتا ہے۔ میں انسان سے اس ازلی کینہ کا بدلہ لے رہا ہوں، جو ابد تک میرے سینہ میں دوزخ بنکر بھڑکتا رہیگا۔ ہنگامہ زار کائنات میں انسان کو خدا اور اس کے احکام سے بیگانہ کرنا میرا فرض تخلیق ہے۔ جسے میں مردانہ وار ادا کر رہا ہوں۔ ابھی کیا ہے۔ ابھی تو صرف ایک خاکی پیکر نے خدائی دعوی کیا تھا۔ لیکن میں دنیا کے ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ سے "انا ربّ الاعلیٰ" کی صدا بلند کرا دونگا۔

خداوند قدوس، تو اب بھی میرا خدا ہے، میں اب بھی تیرا ہی پرستار ہوں، معلوم ہے مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ حیات زار انسانیت کی آخری کروٹ جسکا مستقر قیامت ہوگی، میرے لئے تقدیرًا نہایت ہولناک اور یقینًا بےحد خطرناک ہے۔ تو مجھے اپنے جلال و غضب کی بھڑکتی ہوئی آگ میں خشک اور پرانے ایندھن کی طرح جھونک دیگا۔ اور میں ایک زمانۂ غیر محدود دراز تک آگ کی غذا بنا رہونگا۔ جب سزا کا ملنا یقینی ہے تو اسباب سزا میں غلو نہ کرنا بھی ایک گناہ ہے۔ لیکن میں نے تیری اُس شان کا بھی مطالعہ کیا ہے جس میں صرف تو باقی ہے اور باقی تمام

موجودات اپنے متعلقات کے ساتھ فانی۔ پھر کیا یہ غیر ممکن ہے کہ فناستان عالم کا ہر کھیل بگڑنے کے بعد کسی مزید انجام و مآل کا دامنگیر نہ ہو۔ تو اپنی احدیت و صمدیت اور میں اپنی الوہیت پرستی میں ناقابل شکست اور اور قابل اعتراف مانا جاؤں۔ میری تمام قوتیں تیرے ہی مبدءِ ازل سے ودیعت ہوئی ہیں اسلئے، ہاں صرف اسلئے ان کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ میں دنیا میں کفر اور الحاد کے طوفان اٹھانے کے لئے آزاد ہوں۔ اور دنیا خس و خاشاک کی طرح میرے اٹھائے ہوئے طوفانوں میں بھی چلی جارہی ہے تو جب چاہے اس سلسلہ کو ختم کرسکتا ہے مگر جبتک یہ سلسلۂ کائنات باقی و ساری ہے میں اپنے احساسات کو روکنا نہیں چاہتا۔ تو اپنی احدیت کے کرشمے دکھائے جا، تو اپنی الوہیت کے جلوے چمکائے جا، میں تجھ سے الگ تیری ضرب جلال سے الگ، اپنی دنیائے شرارت کے طلسم خانے بنائے جاؤنگا تاکہ تجھے معلوم ہو کہ تیری عطا کردہ قوتوں میں کتنا لوچ اور کتنی لچک ہے۔

{شیطان آگ کے شعلوں میں غائب ہوجاتا ہے
کیوپڈ کمان بردوش آسمان سے اترتا ہے}

کیوپڈ۔ عشق جو حسن کے ساتھ سایہ کی طرح عالم تخلیق میں جلوہ گر ہوا ہے میں اسکے دعوت نامۂ لطیف کا ایک مہمان عظیم ہوں۔ دنیا کی تمام قوتیں آسمانی قوتوں سے منسلک ہیں۔ روحانی اثرات کی لاتعداد کرنیں کائنات پر چھائی ہوئی ہیں۔ اور ہر کرن میں ایک انسانی زندگی تکمۂ گریباں کی طرح جذب آویزش ہے۔ میں زہرہ کی رفیع و جلیل آبادیوں کا ہنگامۂ حسین ہوں۔ میرے تیر دل میں عشق کا زہر بھرا ہوا ہے اور ہر آنی اس قابل بنادی گئی ہے کہ وہ جسم پر نشان کئے بغیر حرف دل میں سما جائے۔ میرے تیر پتھر میں جذبات عشق پیدا کرکے اسے پتے کی طرح متحرک کرسکتے ہیں۔ میرے تیر پہاڑوں میں جذب ہوکر انہیں حباب دریا کی طرح زمین پر بہا سکتے ہیں۔ میرے تیر پانی کی رگوں میں سما کر انہیں بھاپ کی طرح اڑا سکتے ہیں۔ میں میں کاروان حسرت و تمنا کا مقدمۃ الجیش ہوں۔ قلب کے میدان اور آنکھوں کی بساط پر سوز و گداز کے خیمے لگا کر جب میں صدر انجمن کی طرح رونق بزم جذبات ہوتا ہوں تو پھر میری موجودگی میں کوئی دوسرا کارروان وہاں نہیں اتر سکتا۔ میرے ترکش میں مختلف قسم کے تیر ہیں۔ کسی کا اثر روحانیت کی طرف صعود کرتا ہے۔ کسی کا اثر انسانیت کی مجازی خواہشوں کو بیدار کرتا ہے۔ مجھے عشق نے دعوت دی ہے اور میں غالباً کوئی ایسی مہم سر کرنے کے لئے اپنی جگہ سے حرکت دیا گیا ہوں جسے فطرت عشق خود فتح

نہیں کر سکتی۔

توکیا میں اپنے کبھی خطا نہ ہونے والے تیر فضائے کائنات میں منتشر کردوں (کمان میں تیر جوڑتا ہے) نہیں نہیں مجھ سے ملکہ محبت سالگی نے ایکدن اپنے لطیف اشاروں میں ہدایت کی تھی کہ عشق ایک نعمت ہے۔ جو سب کی قسمت میں نہیں ہے۔ اس کا حصول مشیت ایزدی کے ماتحت ہے۔ اس کا ورود ممتاز دلوں کیلئے مخصوص ہے میرے تیر عطیۂ فطرت کی وہ عام لوٹ نہیں ہیں جس سے تمام عالم ساوی طور پر فائدہ اٹھا سکتا ہے عشق، آگ، ہوا، خاک اور پانی کی طرح قسمت عام نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح باغوں کے لئے بہار اور پھولوں کے لئے رنگ مخصوص ہیں میرے تیر بھی بلند نصیب ہستیوں کے لئے بنائے گئے ہیں۔ مجھے عشق کی بارگاہِ نیاز میں جانا چاہئے اور وہاں سے اجازت و ہدایت لینے کے بعد اپنے تیروں کا مصرف سوچنا چاہئے۔

(جاتا ہے) (حسن پامال و پراگندہ حالت میں ظاہر ہوتا ہے)

حُسن۔ صنعت گاہ عالم کی ہر چیز میں میرے لئے ایک گنجائش ہے۔ اور میں ہر جگہ محفوظ رہ کر اپنی فردوسیت کا مظاہرہ کرنے میں کامیاب ہوں۔ لیکن عورت کا پیکرِ لطیف جسمیں میری رعنائیاں سب سے زیادہ چمک دار محسوس ہوتی ہیں، میری قتل گاہ ہے۔ میں جس پیکرِ نسائیت میں چمکتا ہوں وہیں میرے لطیف جوہر انسانیت کے قوی جذبات سے پامال اور پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ قوی الجسم انسانوں کا لمسِ مہیب۔ انکی آغوش کا تنگ کش کشاد، ان کے اضطراب کا غیر معمولی انجذاب، میرے لطائف کو تھکائے دیتا ہے، اور میں عورت کے نازک مجسمہ میں اپنی پامالی سے ایک عجیب تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ فردوس اعلیٰ میں جب میرے جوہر تخلیق کو نگارستان طاؤسی میں اذن جلوہ آرائی ہوا تو مجھ سے میری غایت تخلیق نے کہا تھا کہ میں آدم خاکی کی پرستش گاہ جذبات میں سجدے کئے جاؤنگا۔ وہ آدم جو فلک الافلاک پر مسجود ملائک تھا میرا ساجد ہوگا۔ کیونکہ میری تخمیر میں وہ نور ایزدی شریک ہے جس نے اپنے ہوتے ایک پیکر خاکی کو عظمت سجدہ کے قابل قرار دیا تھا۔ مگر اس جہانِ نفسانیت، اس عالم کون و فساد، اور اس از رنگ معاصی میں، سجدے تو درکنار مجھے تقدس ملاطفت بھی نصیب نہیں۔ پھولوں کی پژمردگی، کلیوں کی فسردگی اور ملے ہوئے پتوں کی پراگندگی مجھے ان ہاتھوں سے نصیب ہوتی ہے۔ جن کے احاطہ میں محفوظ رہکر میں بڑھنا اور لچکنا اور چمکنا چاہتا ہوں۔ لبوں کی سرخی، آنکھوں کی مستی اور عذار کی خورشید آفرینی میں جہاں کہیں جھلکتا ہوں، جذبۂ نفسانیت سے بے ہوش مردانہ حملے مجھے کمزور کر دیتے ہیں۔ میری ان مجبور اور پامال حالتوں پر خدا رحم کرے۔ اور اگر میری تخلیق کا مآل یہی ہے تو میں سر بسجود ہوں

کہ مجھے اپنے مسکن حقیقی اور ملجائے ازلی کی فضائیں مجبور مراجعت کرلیں۔ انسان، طاقتور انسان، کاش تیری نفسانی خواہشوں کی آغوش میں میری لطافتوں کی جگہ پہاڑ ہوتے اور تو اپنے ہیبتناک جسم کی ٹکروں سے خود ہی مجروح ہو جاتا۔ کاش تیرے راتوں کو جاگنے والے جذبہ کا مقابلہ تیری کمزور روح سے ہوتا کہ تو اپنے زور اور اپنی قوتوں سے خود ہی پاش پاش ہو جاتا۔ میری لطافتیں، میری نزاکتیں اور میری کیفیتیں تیرے تصادم سے روزانہ ایک حادثہ پیدا کردیتی ہیں۔ مگر تیری لامتناہی خواہشات میں فرق نہیں آتا۔

خداوند کائنات، اگر میری پامالی میری رعنائیوں کی سزا ہے تو مجھ سے یہ رعنائیاں چھین لے۔ اور اس سزا سے نجات دے۔ اور اگر پیکر نسائیت میں میرا استقرار اتنا ہی خطرناک ہے تو صرف تازہ پھولوں میں ایک بدی سکون عطا فرما۔

[حسن تھرتھراتا ہے اور ایک آواز پیدا ہوتی ہے]

فطرت کی آواز۔ اے ہمارے آبشار صفات کے ایک منور قطرے، تیری عاجزی ہمیں پسند آئی۔ جا، آج تجھے ہم اپنی ابدیت سے ایک آبروئے جاودانی عطا فرماتے ہیں۔ تو خواہشات کے پر شور طوفان میں ہچکولے کھانیکے بعد بھی بدستور رہا دب رہیگا تیرا شباب انقلاب زمانہ سے فناپذیر ہوگا اور انقلاب سے پہلے خواہشوں کو فنا کرکے تو ہماری قدرت کی روشن یادگار کی طرح باقی رہیگا۔

[حسن انوار و تجلیات کی روشنی میں غائب ہو جاتا ہے۔ زہافہ اور خورداد آتے ہیں]

خورداد۔ نہیں نہیں، اے حسن و وفا کی مجسم تصویر، مجھ سے بدگمان نہ ہو، میں صرف تیری پرستش کرونگا اور تجھے حوادث سے بچاکر اپنے دراز دامنوں میں پناہ دونگا۔

زہافہ۔ خورداد، اس سے پہلے کہ مصر کا خود پسند رئیس فرعون مجھے اپنے قصر عشرت کے لئے دعوت جلوہ دے میرے حسن کو اپنی قوتوں میں صرف ہو جانے دو۔ اس کے آدمی کم عمر عورتوں کی تلاش میں ہر جگہ سرگشتہ ہیں وہ یہاں بھی آئیں گے۔ اور مجھے فرعون کی جابرانہ عشرت گاہ کی قربانی کے لئے لے جائینگے۔ کیا میں حسین نہیں ہوں کیا مجھے تم صحرائے سارون کی ان جھوکریوں سے بھی کم سمجھتے ہو جو روز سورج چھپنے سے پہلے ایک آغوش کی مالک بن جاتی ہیں، اور دوسرا سورج نکلنے کے بعد خداوند موسیٰ ان کیلئے دوسرے سامان تعیش پیدا کردیتا ہے

خورداد۔ میں ان سے واقف ہوں، میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں، مگر وہ خوشبودار تازہ کلیوں کی طرح صرف ملکر پھینک

دینے کے لئے اپنے بستر خواب سے طلوع ہوتی ہیں۔ اور تو، فردوسِ مجسم زہافہ، اپنے خوابستان ناز میں صرف اسلئے سوتی ہے کہ تیرا حسن بیدار ہوکر دنیا میں تقسیم انوار کر رہا ہے اور میں تیری حفاظت کروں۔

زہافہ۔ مگر یہ جذبہ آج ہی کیوں پیدا ہوا، کیا اس سے پہلے میرا حسن قاسم انوار اور تمہارا عشق محافظ بننے کے قابل نہ تھا؟۔

خورداد۔ تھا، مگر ہوسناکی نے میرے دل کی آنکھوں کے سامنے پہاڑ کھڑے کر دئے تھے۔ اور میں حسن کا مصرف صرف یہ سمجھتا تھا کہ وہ ہوس میں فنا کر دیا جائے۔

زہافہ۔ اب تم اس کا مصرف کیا سمجھتے ہو۔

خورداد۔ یہ کہ جاذبِ حسن نگاہوں سے اس کی پرستش کی جائے۔ اس کے لمس سے روح میں قوتِ حسن کو زندہ کیا جائے۔ اور اس کے انوار گوناگوں سے زندگی کی ظلمتوں میں اجالے بنائے جائیں۔

زہافہ۔ مگر فرعون تمہاری تمناؤں کو تاریک کر دے گا۔

خورداد۔ موسیٰ کی شریعت، موسیٰ کی عظمت، اور موسیٰ کی خدا پرستی، فرعون کو کبھی کامیاب نہ ہونے دے گی۔ خداوند موسیٰ اپنے ساتھ وہ معجزے لیکر آنے والے ہیں جن کو دیکھکر دنیا حیران ہو جائیگی۔ تو طیش عسری کی بشارتیں بیکار نہیں ہیں۔ تم نہیں دیکھتیں کہ جب ہم موسیٰ کا نام لیتے ہیں تو ہمارے آتش کدے تھرتھرانے لگتے ہیں۔ تم نہیں دیکھتیں کہ جب ورودِ موسیٰ کے صحیفے پڑھے جاتے ہیں تو خمیوں کے سامنے سلگائی ہوئی آگ میں پانی کی موجیں لرزتی ہوئی نظر آتی ہیں یہ اُسی آنے والے خداوند کا تصرف ہے کہ ہمارے قلوب میں پاکیزگی، اور خیالات میں تزکیہ جوش مار رہا ہے۔

زہافہ۔ اور فرعون۔

خورداد۔ فرعون تو زہافہ ان کی قوتوں کے ٹکرانے، ان کی ضرب کو سنبھالنے، اور ان کے کمالات کو نمایاں کرنے کا ایک آلہ ہے۔ اسے بھی نجومیوں نے اطلاع دے دی ہے کہ سب تجھے شکست دینے والا بچہ عنقریب پیدا ہونے والا ہے۔ کیا تم نے وہ منادی نہیں سنی تھی کہ جو بچہ پیدا ہو وہ قصر فرعون میں بھیجدیا جائے۔

زہافہ۔ ہاں ہاں سنی تھی۔

خورداد۔ بس۔ فرعون ورودِ موسیٰ سے خود خائف ہے۔ اور اسی لئے ہمارا دل کسی خوف سے

پریشان نہیں ہے۔ آؤ چلو ہم دونوں خداوند موسیٰ کے اجلال ظہور کا انتظار کریں۔

(دونوں چلے جاتے ہیں)

اطلاع

جنوری ۱۹۲۷ء میں ڈراما کا جو حصہ پیش کیا جائیگا اسے اس موضوع کا اختراع فائقہ سمجھئے۔ فرعون کا دعوئے خدائی۔ دریائے نیل کے مناظر۔ وادیٔ ایمن۔ طور پر برق تجلّی کا گرنا۔ عصا اور ید بیضا کے کرشمے غرضکہ نہایت اہم واقعات اہم ترین طرز نگارش کے ساتھ صرفِ "پیمانہ" کئے جائیں گے۔ انتظار کیجئے۔

مدیر

نسائیات

خلاصۃ الباب :—

پیمانہ دسمبر ۱۹۲۶ء

شعر الحرم

(مسلسل)

عرب اور انگریز شاعرہ خواتین کا تذکرہ

عرب شاعر عورتیں

اُمِّ اغتر قبیلۂ بنی ربیعہ سے تھی، عرب کی سرزمین اس پر ناز کرتی ہے اور ام الاغتر کی شاعری ایک خاص پایہ کی سمجھی جاتی ہے سنہ ۶۰۰ء میں "غرثان" ام الاغتر کا ایک عزیز جب بنی ربیعہ اور ایاد و لخم کے معرکۂ عظیم میں بہادرانہ شان سے لڑتا ہوا کام آیا تو اس نے اس کی موت کے غم میں ایک دردناک، ہولناک اور خیرہ کن احساس مرثیہ پڑھا۔ جس کے شعر یہ ہیں۔

الا فابکی اعینی لا تملے	اے میری آنکھ رو، اور دریغ نہ کر
فلی مصابنا المد اعویل	کیونکہ ہمارا مقتول ہمیشہ رونے کے قابل ہے
فلا سلمت عشیرتنا و عارمت	درحقیقت ہمارا خاندان لڑائی سے نہیں لوٹا
اذا صوع ابن روحان النبیل	جبکہ ابن روحان سا شریف کام آیا
اذا رختم و خلفتم ھبلتم	تم اسے چھوڑ کر چلے آئے اس سے بہتر تھا
لغرثان فلا راح القبیل	تم نہ آتے اور میدان جنگ میں ہلاک ہو جاتے

(ریاض)

انگریز شاعر عورتیں

ایمین اینی۔ برکشایر میں ایک مصنف تھا، جسے پبلک وقعت اور عظمت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی، اور حقیقتاً وہ قابل تھا۔ ایوین میں بھی اسکے کمالات کے اثرات تھے، بلکہ وہ اس کے جوہر کمال کے پرتو سے جگمگاتی ہوئی ایک تصویر بدوش تھی، اس نے مختلف نظمیں لکھیں اور موسیقی پر بھی کافی مضمون نگاری کی۔

(نیشنل)

باپچی (سادہ) بھجن نظم کرنے کے لئے بہت زیادہ مستند سمجھی جاتی ہے، تمام انگلستان میں اس کی بہت زیادہ شہرت تھی۔ یہ برلغز گرد میں پیدا ہوئی اور آخر سنہ ۱۸۴۴ء میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئی۔

(نیشنل)

امۃ الخالق ۸۱۳ھ میں پیدا ہوئی اور ۹۲۰ھ میں وفات پائی۔ یہ عبد اللطیف بن صدقہ بن عوض المناوی العقبی کی بیٹی تھی۔ امۃ الخالق نے اپنے زمانہ تعلیم میں بہت کتابیں پڑھی ہیں جن میں سے مسند احمد۔ معجم طبرانی۔ سیرۃ ابن ہشام۔ الفیہ۔ منہاج وغیرہ ذکر کے قابل ہیں۔ ان کتابوں میں سے اکثر اسے حفظ یاد تھیں۔ آخر عمر میں اس نے تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ یہ امۃ الخالق وہی بزرگ خاتون ہے جسے امام سیوطی نے اپنے (اشیاخ) میں گنا ہے۔ اور اکثر بڑے بڑے محدثین نے اس سے روایتیں اخذ کی ہیں۔

امۃ الخالق ایک عالم اور قابل شاعرہ تھی، اس کے چند شعر ملاحظہ فرمائیے۔ کہتی ہے:۔

هي المقادير قد عني او تذر
ان كنت اخطأت فما اخطأ القدر
اذا اراد الله امر ابامرء
وكان ذا عقل وسمع وبصر
اصم اذنيه واعمى قلبه
وسله من عقل سل الشعر
حتى اذا انفذ فيه حكمه
رد الله عقله ليعتبر

یہ مقدر ہے جو کبھی بلاتا ہے کبھی چھوڑ دیتا ہے
اگرچہ میں خطا کروں مگر مقدر کبھی خطا نہیں کرتا
اللہ جب بندے سے کوئی کام کرانا چاہتا ہے
پس وہ کیسی ہی عقل و سماعت اور بصارت رکھتا ہو
اسکے کانوں کو بہرا اسکے دل کو اندھا کر دیتا ہے
اور وہ (دھم) میں سے بال کی طرح عقل نکال لیتا ہے
یہانتک کہ وہ شخص کام کر لیتا ہے۔
تو اسکی عقل واپس کیجاتی ہے تاکہ اسے عبرت حاصل ہو

(تذکرۃ الخواتین)

امۃ العزیز یہ خاتون پانچویں صدی ہجری کی علامہ صفت خاتون تھی اور اپنے علم و عمل اور خاندانی عظمت کی بنا پر "الشریفہ" کے معزز لقب سے مشہور تھی، اس زمانہ کے علماء و فقہا میں اس عورت کو ایک مقام عزیز حاصل تھا امۃ العزیز اندلس کی رہنے والی تھی اسکے

باڈلر جون ۱۸۴۳ء میں بمقام آشلی پیدا ہوئی اور تمام انگلستان میں نہایت مشہور ہوئی۔ اس کی شہرت، قابلیت اور اثر کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ جب ۱۸۶۶ء میں اس کے اشعار اور مضامین وغیرہ کا مجموعہ شائع ہوا تو کثیر لوگوں نے اسے خریدا، اور چالیس برس کے عرصہ میں ۱۶ بار چھپا۔ باڈلر کی قابلیت اسکے طرز عمل سے صاف ظاہر ہوتی ہے۔ باڈلر ایک مقبول عام خاتون تھی، اسکی موت ۱۸۸۴ء میں واقع ہوئی۔

(نیشنل بائیوگریفی)

بارلو (جین) ڈبلن کی ایک فاضل خاتون ہے، ملک کے مختلف رسالوں میں اس کے منثور و منظوم مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اسکی سب سے پہلی تصنیف "آئرش آیڈلو" اکتوبر ۱۸۹۲ء میں پریس سے نکلی۔

(ہے ڈبلو ما)

براؤننگ (الزبتھ بارٹ) انگلستان کی ایک مشہور شاعرہ ہے اسکے کلام کو انگلستان کے اعلیٰ طبقہ میں بہت زیادہ قبولیت حاصل ہوئی۔ چنانچہ جارج ریلیٹ اور مسٹر اسکن اس کے ارشادات کی بہت قدر کرتے تھے اور اسکے کلام کو نہایت دلچسپی سے پڑھتے تھے جارج میکڈانلڈ تو براؤننگ کا اس درجہ شیفتہ

یہ دو شعر کیسی عجیب لطافت اور شعریت کے حامل ہیں وہ کہتی ہے۔

لحاظکم تجرحنا فی الحشا	تمہاری نگاہوں نے ہماری دل کو زخمی کیا
ولحظنا یجرحکم فی الخدود	اور ہماری نگاہ نے تمہارے رخسار کو زخمی کیا
جرم بجرح فاجعلوا اذا بذا	جب زخم کا بدلا زخم ہوگیا تو۔ پھر
فما الذی اوجب جرح الصدود	یہ ہجر کا زخم کس جرم کی سزا ہے

(کتاب المطرب)　(نفح الطیب)

ام تابطشرا یہ عرب کے ایک مشہور مخصوص اور سربرآوردہ شاعر "تابطشرا" کی ماں تھی جب "تابطشرا" کا انتقال ہوگیا تو اسکی ماں نے یہ دردناک دلسوز اور اشک آفریں مرثیہ کہا اس مرثیہ کے بعض اشعار سے ماں کی خالص محبت کا اظہار ہوتا ہے اور ممتا کی تمام تر کیفیت بیک وقت نگاہوں کے سامنے پھر جاتی ہے اور اس شعر سے ساغرہی النفس اذ لم یحب من سلک عربی عورت کا زبردست کیرکٹر ظاہر ہوتا ہے اس مرثیہ میں ایسے دردناک جذبات ہیں کہ ایک ماں بڑھکر ضبط نہیں کرسکتی۔ وہ کہتی ہے

لیت شعری ضلۃ	کاش مجھ انجان کو خبر ہوتی
ای شئی قتلک	کہ تجھے کس چیز نے ہلاک کیا
امریض لم تعد	تو بیمار تھا کہ تیری عیادت نہوئی
ام عدو قتلک	یا دشمن نے مار ڈالا
ام تولی بک ما غال	یا تیرا کام
فی الدھر السلک	کسی درندے نے تمام کیا
کل شئی قاتل	تو جو مرگیا ہر چیز جو پیدا ہوئی
حین یلقی اجلک	کھانے کو دوڑتی ہے

(باقی)

تھا، کہ اس نے اسے "شاعروں کی شہزادی لکھا ہے" براؤننگ کی موت ۱۸۶۱ء میں واقع ہوئی۔

(نیشنل)

برنارڈ (برن) فلیفنشایر کی رہنے والی قابل خاتون تھی اس کی ایک نظم "الدار ابن گرے" اسقدر مشہور مقبول اور ہردلعزیز ہے کہ شاید جب تک یہ عالم محسوس (دنیا) قائم ہے اس کا نام ایک خاص مرکز پر منجلی خط میں قائم رہیگا۔ برنارڈ نے ۷۵ برس کی عمر میں ۱۸۲۵ء میں انتقال کیا۔

(نیشنل)

بلیمایر یہ کیمبر لینڈ کے ایک گنوار کی لڑکی تھی، ۱۷۴۷ء میں کارڈو ہال میں پیدا ہوئی شاعری میں اس پاکیزہ خاتون نے کچھ اس درجہ کمال حاصل کیا کہ اسے کیمبر لینڈ کے باشندے "کیمبر لینڈ کی مطربہ" کے خطاب سے پکارنے لگے ۱۸۰۹ء میں بلیمایر نے انتقال کیا۔

بیلاک یہ خاتون ۱۰ ر جون ۱۸۲۹ء کو پیدا ہوئی عورتوں کی ترقی و بہبودی کے لئے اس کی مساعی بہت زیادہ مشہور ہیں انہیں کوششوں کے ضمن میں اس نے ایک اخبار "انگلش عورتوں کا روزنامچہ" بھی نکالا تھا اور اس اخبار کی خود ہی اڈیٹر بھی تھی خانہ داری اور زنانہ کاروبار پر اس نے متعدد مضامین اور کتابیں لکھیں اسکی ایک نظم "جبرئیل" بہت زیادہ مشہور ہے۔ (باقی)

شکوہ

میں شعاعِ زندگی ہوں تابشِ تخلیق ہوں
شاعروں کی فکر میں میں نازشِ تخلیق ہوں

ارتقا تخئیل میں ہے اور عمق جذبات میں
اک سمندر موج زا ہی میرے محسوسات میں

ہوں نگاہِ فلسفی میں آجتک میں چیستاں
پر توِ حسنِ ازل ہیں یہ مری رعنائیاں

عکس ہی میری ہی زلفوں کا اندھیری راتیں
میں ہی گوہر بار ہوں بارش میں اور برسات میں

جب مرا ہر اک تبسم صاعقہ پرواز ہے
جب مرا حسنِ تکلم اک عروسِ ناز ہے

عالمِ شعری سبھے کہتا ہے لیلائے حیات
مرجعِ تنویرِ ارماں اور روحِ کائنات

جب مجھے بزمِ خیالی میں یہ حاصل ہی عروج
جب مری تقدیر میں اس درجہ کامل ہی عروج

آبگینہ دل کا پھر میرے ہی کیوں ٹوٹا ہوا
ہے مرے احساس کا کیوں قافلہ لوٹا ہوا

پھر یہ کیوں بے اعتباری ہی مری ہر بات کو
پھر یہ ٹھکراتی ہے کیوں دنیا مرے جذبات کو

کیوں زمانہ کی نظر میں میری فطرت کچھ نہیں
اے حیاؔ پھر کیوں مری ہستی کی وقعت کچھ نہیں

خورشید اقبال حیاؔ

مسکراہٹ

ابتدائے آفرینش کے دوسرے روز، جب کہ وسیع دنیا قدرت کی گوناگوں خوشنمائیوں سے بہرہ اندوز ہو چکی تھی ایک قطعۂ ارض پر گویا بہشت اتر آئی تھی۔ تخلیقِ عالم کے وجود میں آتے ہی ہر شے منہ سے بول اٹھی۔ آبشاروں کی گنگناہٹ دریاؤں کی روانی، پھولوں کی بہار، اور درختوں کی شادابی جیسی دل فریب نظر آتی تھیں، اسی قدر حیرتناک اور تعجب خیز تھی۔

مہتاب کی شعلہ بار روشنی، اختران شب کی بہار آمیز تجلیاں رفتہ رفتہ غائب ہو گئیں۔ عنقریب خورشید کی شمع ریز کرنیں چھا جاتیں، لیکن عین اسی وقت جبکہ دن رات باہم گلے مل رہے تھے، صدہا خوشنما پھول کھل گئے، خوش نوا طیور چہک اٹھے، آبشار گلنے لگے، اور صبائے الست سے مخمور ہو کر سرسرانے لگی۔

حوا کی ایک بیٹی کنج باغ میں ٹہل رہی تھی۔ پھولوں کے قریب سے سبزہ کو کچلتی ہوئی نکل جاتی تھی کبھی نسوانیت کے غیر محسوس جذبہ میں مست ہو کر پرندوں کی ہمنوائی کرتی تو کبھی غزالان دشت کی طرح چوکڑیاں بھرنے کی کوشش کرتی۔ گاہ صبا کے پیچھے دوڑ کر مٹھیاں بند کر لیتی، اور گاہ نغمات زندگی گا کر جنگل میں خوش گلوئی کا ایک افسوں پھونک دیتی۔

غرض چمنستان عالم کے عریاں حسن میں محو تماشہ نازنین کیف بے خودی سے معمور دل لئے، پھولوں کو سونگھتی ہوئی دفعتاً، ایک جگہ صنعت گری کے بیش بہا نمونہ دیکھ کر رک گئی۔

نشاۃِ اولیں کی پہلی صبح کو جبکہ ہر شے عجیب معلوم ہو رہی تھی، خوشنما پھول حوا کی بیٹی کو دیکھ کر فرط خوشی سے مسکرا دئے۔ وہ تالیاں بجا کر ہنس پڑی اور کہنے لگی۔ گلشن ہستی کے نونہالو تم ہر وقت کیوں مسکراتے ہو؟ پھول نے زیر لب جواب دیا۔ "ہماری مسکراہٹ میں زندگی کا راز پوشیدہ ہے اگر ہم نہ مسکرائیں تو ہمارا چراغ زندگی خاموش ہو جائے"۔

سورج مکھی آہستہ سے بول اٹھا "ہم اپنے صانع کے عطا کردہ انعامات پر مسکراتے ہیں۔ اے بنت آدم! ہر شخص کا فرض مسکرانا ہے اے بندی! تو اُس وقت تک مسکرا تجھے اسوقت تک مسکرانا چاہئے، جبتک کہ تیری زندگی کا چراغ روشن ہے"

نرگس نے چشمک زنی کی "آ اے بندی! اے خوبصورتی کی مجسمہ! آ میں تجھے اس کا مطلب سمجھاؤں گی"۔

دنیا کی دوسری عورت اس کے قریب چلی گئی۔

نرگس نے کہا "اے بنت آدم جو زندگی جیسی نعمت پا کر نہ مسکرائے اسے قدرت ناسپاس خیال کریگی" گلاب نے کہا "مسکراہٹ دلوں کو موہ لیتی ہے"

وہ بے اختیار بول اٹھی "شاید اسی لئے اس وقت کی سینری (منظر) میں پھول ہی سب سے زیادہ دلکش نظر آتے ہیں"

نرگس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہہ دیا کہ "دنیا میں دلفریب نظارہ صرف پھولوں کی مسکراہٹ ہے!!!"۔ تہذیب فاطمہ عباسی

سرِ شام

فضا کی ساحریت میں شفق کی ضو فشانی میں
ہے اک جنت فریبی شام کی نکہت چکانی میں

زمرد پاشیاں ہیں لالہ زاروں میں بہاروں سے
عجب رنگین کیفیت ہے نہروں کی روانی میں

صباحت زائیاں غنچوں میں ہیں پھولوں میں زریّنی
لطافت آفرینی ہے ردائے آسمانی میں

کسی کے حُسنِ سیمیں اور رنگیں مسکراہٹ کی
تجلّی ہے شفق کے امتزاجِ ارغوانی میں

فلک پر ہیں تجلی آفریں الماس گوں انجم
ہیں تاباں لرزشیں امواجِ زریّں کی روانی میں

شمیمِ عنبریں آوارۂ رقصاں چمن میں ہے
جہانِ رنگ و بو ہے شام کی رنگیں کہانی میں

خورشید اقبال حیا

آہ میری "عنوان"

(اپنی مرحومہ بچی کی یاد میں)

اے مری عنوان! اے معصومۂ قدسی جمال
ہوگیا اس عالمِ فانی سے تیرا انتقال

تو گئی، اور رہ گئی میں خستۂ رنج و ملال
آہ دل سے جا نہیں سکتا کبھی تیرا خیال

کیا خبر کس کی نظر دو دن میں تجھکو کھا گئی

اے مری ہنستی کلی، تو کھلتے ہی مرجھا گئی

کچھ عجب بے کیف سی ہے زندگی تیرے بغیر
چھا رہی ہے ہر طرف اک خامشی تیرے بغیر

رات دن رہتی ہے مجھکو بے کلی تیرے بغیر
ہے یہی حالت، تو پھر میں جی چکی تیرے بغیر

اے فرشتو ایسے لیے کیوں عالمِ خاموش میں

لاؤ دیدو میری "عنواں" کو مری آغوش میں

(۲۱ - نومبر ۱۹۲۶ء)

سوگوار
عزیز عابدہ خانم نسرین

معلومات

پیمانہ دسمبر ۱۹۲۶ء

خلاصۃ الباب :-

ابوالوفا جلال الدین شہابؔ ٹونکی
نائب مدیر

کرۂ ارض ساکن ہے

جدید علم الارض کی بنا اغلاط پر قائم ہے

جبکہ فلسفۂ جدید کی متجلی تحقیقات غیر معدود قلوب کو مسحور، اور اکثر ین عنصری دماغوں کو ماؤف کر چکی ہیں، کسقدر تعجب کی بات ہوگی کہ زمین کی حرکت کے خلاف دلائل کی اشاعت کر کے اسکے سکون کو ثابت کرنیکی کوشش کی جائے۔ ایسی حالت میں کہ یورپ کے نزدیک حرکتِ ارض کا مسئلہ "المسیح ابن اللہ" کے عقیدہ کا ہم سنگ ہے۔ فلسفۂ جدید نے دنیا کو جہالت کی پست گہرائیوں سے نکالکر، ترقی کی بلند ترین معراج پر پہنچادیا ہے، جو بیشمار امور کبھی ناممکنات کی فہرست میں داخل تھے، اب واجبات کے مرتبہ کو پہنچگئے ہیں۔ پھر یہ کہنا کہ "زمین کی حرکت کا دعویٰ غلط" اور یہ مسئلہ ناقابل تصدیق ہے" بہت جرأت طلب ہوگا۔

لیکن یہ اعتراضات اس بیش بہا خزینۂ علمی سے ماخوذ ہیں جو اب سے تقریباً ستر سال پہلے ہندوستان کے مشہور فلاسفر اور مایۂ ناز فاضل علامہ فضل حق خیر آبادی کے جواہر ریز اور نکتہ سنج دماغ نے اپنی "مہتم بالتحریر" تصانیف میں محفوظ کر دیا تھا۔ اسلئے مضمون کا صرف یہی مقصد نہیں ہے کہ حرکتِ زمین کے خلاف، دلائل کو جمع کر دیا جائے بلکہ ہماری آرزو ہے کہ ماہرینِ فلسفۂ جدید، اس کا مطالعہ کریں، اسکے بعد حرکت ارض کی صحت و عدم صحت کے متعلق اپنی مفید معلومات کی اشاعت کریں۔ تاکہ موافق اور مخالف دلائل سامنے رکھکر حقیقت کا پتہ لگایا جاسکے۔

(ابو الوفا جلال الدین ڈونگی)

فلسفۂ جدید نے زمین کی گردش کے مسئلہ کو بعض قدمائے یونان کے خیال سے اخذ کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ زمین اپنے محور ([illegible]) پر مشرق کی طرف حرکتِ دوری کر رہی ہے، اور اسی حرکت کے دوران میں سورج کے گرد اپنے گردش نمارستے ([illegible]) پر آگے بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ رات اور دن کا ظہور، اور سال کا پورا ہونا انہیں دونوں حرکتوں کے نتائج میں سے ہے۔ ہم ذیل میں انہیں دونوں حرکتوں کو باطل کرنا چاہتے ہیں، اس کی ضرورت نہیں کہ ہر حرکت پر الگ الگ اعتراضات کئے

جائیں، بلکہ ہر ہر اعتراض جس طرح ایک حرکت پر وارد ہوتا ہے دوسری پر بھی۔ جیسا انطباق سے بخوبی واضح ہو جائیگا۔

زمین کی حرکت پر پہلا اعتراض

عام اعتراض جو زمین کی حرکت پر کیا جاتا ہے یہ ہے کہ کوئی شخص جو گیند کو سیدھا اچھالنے کی مہارت رکھتا ہو اگر گیند اچھالے تو وہ اسی جگہ آکر گریگی جہاں سے پھینکی گئی تھی، اگر زمین متحرک ہوتی تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلئے کہ جتنی دیر میں گیند اوپر جائیگی اور نیچے آئیگی، اگر زمین میلوں نہیں تو گزوں ضرور مشرق کی طرف گھوم جائیگی۔ اور اس طرح وہ مقام بھی جہاں سے گیند پھینکی گئی تھی مشرق میں بہت دور چلا جائیگا، تو گیند واپس آنے پر ضرور اس مقام کے مغرب میں گریگی۔ اور چونکہ واقعہ اس کے خلاف ہے جیسا کہ تجربہ شاہد ہے، اسلئے ماننا پڑتا ہے کہ زمین ساکن ہے متحرک نہیں۔

دوسرا اعتراض

یہ ہے کہ اگر دو ہموزن گیندیں ایک ہی قوت کے ساتھ پھینکی جائیں، ایک مشرق کی طرف، دوسری مغرب کی طرف، اور ہوا کسی کے راستہ میں مزاحم نہ ہو، تو ظاہر ہے کہ وہ دونوں گیندیں ایک ہی رفتار سے ہم مقدار مسافت طے کرینگی۔ لیکن اگر ہم زمین کو مشرق کی طرف متحرک مان لیں تو پھر مشاہدہ اس کے خلاف ہوگا، کیونکہ اس صورت میں مغرب کی طرف جانیوالی گیند بہت تیز رفتار معلوم ہوگی، اسلئے کہ۔ ایک مسافت تو وہ طے کریگی جو اس کی حرکت سے قطع ہوگی۔ نیز زمین بھی اتنی دیر میں مشرق کی جانب بہت بڑھ جائیگی، تو اس طرح وہ گیند اس مقام سے جہاں وہ پھینکی گئی ہے بہت دور نکل جائیگی، اور اسلئے اس کی رفتار سریع ماننا پڑیگی، بخلاف اس گیند کے جو مشرق کی طرف پھینکی گئی ہے کہ اس کی رفتار بہت سست ہوگی۔ کیونکہ جتنی دیر میں وہ گیند مشرق کی طرف جائیگی اتنی دیر میں وہ مقام جہاں سے وہ پھینکی گئی تھی، مشرق کی طرف بہت بڑھ جائیگا۔ اور اسلئے ایسا معلوم ہوگا کہ وہ گیند جہاں سے پھینکی گئی تھی گویا وہیں لگی وہیں رہی۔

بلکہ اگر زمین کی حرکت مشرقی مانکر مشرق کی طرف گیند پھینکیں تو لازم آتا ہے کہ وہ گیند جس مقام پر پھینکی گئی ہے اس کی نسبت مغرب میں واقع ہو۔ کیونکہ اس امر کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ زمین کی حرکت گیند کی حرکت سے کئی گنی زائد ہے، اسلئے جتنی دیر میں گیند اپنی مسافت طے کریگی اتنی دیر میں زمین گیند سے بہت آگے نکل جائیگی، اور وہ گیند جو مشرق میں پھینکی گئی تھی مغرب میں نظر آئیگی، حالانکہ یہ واقعہ کے کسقدر خلاف ہے، اور کوئی جاہل سے جاہل شخص بھی اس کا اعتراف نہیں کر سکتا۔

غرض یہ دونوں دلیلیں ایک حد تک اچھی طرح زمین کی حرکتِ مشرقیہ کو باطل کر دیتی ہیں۔ مگر بڑا ظلم ہوگا اگر تصویر کا صرف ایک ہی رخ دکھانے پر قناعت کی جائیگی، اور اس جواب سے اغماض کیا جائیگا جو معتقدین حرکت نے ان اعتراضوں کی

تردید میں پیش کیا ہے۔

اعتراضوں کا جواب

ان دونوں اعتراضوں کے دفع کرنے کے لئے صرف ایک ہی جواب دیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ ہوا جو زمین کو محیط ہے ساکن نہیں ہے بلکہ زمین کی تبعیت میں مشرق کی طرف حرکت کئے جا رہی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ زمین کی حرکت بالذات ہے۔ اور ہوا کی بالعرض۔

اب ان دونوں میں سے کوئی اعتراض بھی واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر گیند کو ہم اوپر ہوا میں پھینکیں تو وہ ہوا بھی بالکل اسی رفتار سے حرکت کر رہی ہوگی، جس سے زمین کر رہی ہے۔ اور اس لئے اس ہوا میں گیند بھی اسی رفتار کے ساتھ مشرق کی طرف بڑھتی رہیگی، اور جب گریگی تو ٹھیک اسی مقام پر گریگی جہاں سے پھینکی گئی تھی، اسی طرح جب ایک گیند مغرب کی طرف پھینکی جائے اور دوسری مشرق کی طرف تو مغرب والی گیند کی حرکت تیز نہیں معلوم ہوگی جتنی کہ بالذات ہونی چاہئے تھی اور صرف اتنی ہی مسافت طے کریگی جتنی کہ ذاتی حرکت سے طے کرنی چاہئے تھی، اور نہ مشرق والی گیند سست رفتار ہو کر مغرب میں رہجائیگی، کیونکہ ہوا اسکو برابر اڑائے لئے جائیگی، اور جس مقام سے وہ پھینکی گئی ہے اس سے صرف اتنے ہی فاصلہ پر رہیگی جتنا کہ ذاتی حرکت کے اعتبار سے رہنا چاہئے۔

ردّ جواب

مگر ادراک سلیم کے نزدیک یہ جواب کوئی قابل وقعت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر بالفرض ہوائے محیط کو زمین کے اتباع میں متحرک بالعرض مان لیا جائے تو بھی یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ ہوا اپنے ساتھ جتنی دور چھوٹی گیند کو لیجائیگی، بڑی کو اتنی دور نہیں لیجا سکے گی۔ کیونکہ بڑی گیند میں چھوٹی سے زیادہ وزن ہوگا۔ اور اسی وزن کے تفاوت کے لحاظ سے ہوا ان کو مشرق کی طرف زائد دور یا کم دور لیجائیگی، اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر ہم ایک ہی مقام سے اوپر کی طرف ایک بڑی گیند پھینکیں تو وہ دوسری چھوٹی گیند سے کچھ فاصلہ پر ادھر گریگی۔ کیونکہ ہوا چھوٹی گیند کو ہلکی ہونیکی وجہ سے زائد مشرق میں لیجائیگی، اور بڑی گیند کو بوجہ وزن کے کم دور لیجائیگی، حالانکہ یہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔

اسی طرح اگر ساکن ہوا میں دو گیندیں مغرب کی طرف پھینکیں، ایک بڑی دوسری چھوٹی تو چاہئے کہ بڑی گیند مغرب کی طرف زیادہ دور جائے۔ اسلئے کہ ہوا بوجھل ہونیکی وجہ سے اسکو مشرق کی طرف زائد واپس نہ لائیگی، اور اس لئے جب زمین کی حرکت کی وجہ سے وہ مقام جہاں سے گیند پھینکی گئی تھی مشرق کی طرف بہت دور چلا جائیگا تو گیند مغرب میں بہت دور دکھائی دیگی۔

بخلاف چھوٹی گیند کے، کہ اسکو ہوا مشرق کی طرف زائد لے آئیگی، اور اسلئے وہ بڑی گیند کے مقابلہ میں زائد قریب دکھائی دیگی، حالانکہ مشاہدہ قطعاً اسکے خلاف ہے۔ کیونکہ ہمیشہ بڑی گیند قریب رہتی ہے، اور چھوٹی دور جاتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ہوائے محیط کو زمین کے اتباع میں مشرق کی جانب متحرک فرض بھی کرلیں تو بھی اعتراضات رفع نہیں ہوسکتے اور نہ اس سے زمین کی حرکت کی کوئی معتد بہ تائید ہوتی ہے۔

ایک اور جواب

اس اعتراض سے بچنے کے لئے ایک رکیک سا جواب دیا گیا، اور وہ یہ ہے کہ ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ ہوا بھاری گیند کو تھوڑی دور مشرق کی طرف لیجائیگی، اور ہلکی گیند کو بہت دور لیجائیگی، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ دونوں کو ایک ہی رفتار سے لیجائیگی، کیونکہ یہ فرق کہ وزنی چیز کم مسافت طے کرتی ہے، اور ہلکی زائد، حرکت قسریہ میں ہوتا ہے۔ حرکتِ عرضیہ میں نہیں۔

تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی چیز اپنے میلِ طبعی (natural inclination) کے خلاف حرکت کرے تو اس کو حرکتِ قسری کہتے ہیں۔ مثلاً پتھر کا اوپر جانا حرکتِ قسری ہے۔ کیونکہ اس کا طبعی میلان نیچے رہنے کو جاتا ہے۔ اور اگر کسی چیز کی حرکت دوسری چیز کے تعلق کی وجہ سے ہو۔ جیسے ریلوے ٹرین کے مسافروں کی حرکت، یا جہاز کے مسافروں کی حرکت، تو یہ حرکت عرضی ہے متحرک حقیقت میں جہاز اور ٹرین ہے، مگر مسافروں کو اس تعلق سے کہ وہ اسکے اندر بیٹھے ہیں، متحرک کہدیا جاتا ہے۔

اب سمجھئے کہ اگر گیند نیچے سے اوپر پھینکی جائے تو بھاری ہونے کی حالت میں کم دور جائیگی، اور اگر ہلکی ہے تو زائد دور جائیگی، اب وہ دونوں فضائے ہوا میں معلق ہوکر مشرق کی طرف چلیں گی، (کیونکہ جہاں سے پھینکی گئی ہیں انھیں وہیں گرنا ہے۔ اور گیندوں کے نیچے زمین بھی جانب مشرق متحرک ہے) تو یہ حرکت عرضی ہوگی، اور اسلئے ان کی مقدارِ مسافت میں کوئی فرق نہ ہوگا، وہ دونوں ہوائی گاڑی میں بیٹھی ہوئی ایک ہی رفتار سے چلی جائیں گی جس طرح موٹے اور دُبلے مسافر ریل گاڑی میں ایک رفتار سے چلے جاتے ہیں۔

جواب بالا کی تردید

یہ جواب ایک سطحی خیال سے زائد دقیع نہیں ہے۔ اور حرکت عرضی و قسری کا یہ فرق بالکل دھوکا ہے۔ بدیہی بات تو یہ ہے کہ یہاں حرکتِ عرضی کا وجود ہی نہیں۔ جب ہم ایک پتھر اچھالتے ہیں، تو جبتک پتھر صعود کرتا رہتا ہے۔ اس کی حرکت قسری ہوتی ہے۔ اور جب وہ نیچے آتا ہے اس کی حرکت طبعی ہوتی ہے۔

یوں سمجھئے کہ اگر ہم جاری پانی میں دو لکڑی کے تختے ڈالدیں ایک دس سیر کا، دوسرا پانچ سیر کا، اور وہ دونوں روانیٔ آب کی سمت میں، محض پانی کی روانی کے ساتھ بہ رہے ہوں، ذاتی حرکت ان میں بالکل نہ ہو تو ان کی یہ حرکت عرضی ہوگی، اب اگر خفیف و ثقیل کا امتیاز حرکتِ عرضی میں نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ وہ دونوں ایک ہی رفتار کے ساتھ بہتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بھاری تختہ پیچھے رہجاتا ہے۔ اور ہلکا تختہ آگے نکل جاتا ہے ٹھیک یہی صورت ہوا میں جانیوالی

گیندوں کی ہوگی۔ ہلکی گیند تو ممکن ہے کہ ہوا میں اسی رفتار سے چلی جائے جس رفتار سے ہوا زمین کے ساتھ جارہی ہے۔ اور اسی مقام پر گرجائے جہاں سے پھینکی گئی تھی۔ مگر بھاری گیند اس رفتار سے نہیں جاسکے گی۔ اور اس ہوا کو چھوڑ کر جس میں وہ پھینکی گئی تھی دوسری پیچھے آنے والی ہوا میں رہجائیگی (جیسے جاری پانی میں بھاری بہنے والی چیز اس پانی کو چھوڑ کر جس میں بہنا شروع کیا تھا پیچھے آنے والے پانی میں رہتی جاتی ہے) لہذا وہ اس مقام پر نہ گر سکے گی جہاں سے پھینکی گئی تھی، بلکہ اس کے مغرب میں گرےگی۔

اور ریل کی مثال ایک قسم کا مغالطہ ہے۔ کیونکہ ہوا کا ہر ہر جزو الگ ہے۔ بھاری گیند کو لیجانے والی ہوا اور ہوگی، اور ہلکی گیند لیجانے والی اور۔ اگر دونوں گیند وں کا لیجانے والا ہوا کا ایک ہی جز ہوتا تو بیشک وہ دونوں ایک ہی رفتار سے حرکت کرتیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ اور ریلوے ٹرین میں گو ڈبے مختلف ہیں مگر انجن کی وجہ سے ایک سلک میں منسلک ہوکر ایک ہی چیز ہوگئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گو بعض خاص مثالوں میں عرضی حرکت کے وقت متحرک کے وزن و سبکی سے رفتار میں کوئی فرق واقع نہ ہو۔ لیکن مسئلہ زیر بحث میں ہوا کا تعلق ہے۔ اور اس میں فرق کا ہونا لازمی ہے غرض یہ کہ زمین کی حرکت پر اعتراض پوری طور سے قائم ہے۔ اور یہ جوابات کچھ مفید نہیں ہوئے۔

بطلان حرکت کی تائید میں چند صاف مثالیں

واقعہ یہ ہے کہ یہ کہنا کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہوئی مشرق کی طرف بڑھتی جارہی ہے اور اسی حرکت کی وجہ سے سورج اور دیگر ستارے طلوع و غروب ہوتے ہیں۔ لغو اور ناکارہ خیال ہے۔ اور اس باطل مسئلہ کے ثبوت میں یہ التزام کہ ہوائے محیط بھی زمین کے ساتھ ساتھ گردش میں ہے۔ اور بڑے بڑے پتھروں اور نہایت وزنی بار کو ہوائی جہاز کی طرح مغرب سے مشرق کیطرف لئے پھرتی ہے "بنائے فاسد علی فاسد ہے" یہ مانا کہ آفتاب ایک کرہ عظیم ہے۔ باقی دوسرے کرے اس سے چھوٹے ہیں۔ لیکن صرف بڑا ہونا اسکی دلیل کب ہوسکتا ہے، کہ تمام چھوٹے کرے اس کے گرد متحرک ہوں۔ رہا شب و روز کا ہونا موسمی تغیرات۔ اور کسوف و خسوف وغیرہ ان کا فلسفہ جداگانہ ہے۔

کسقدر کھلی ہوئی حقیقت ہے، کہ ہم چلتی ریل میں سے دو پتھر پھینکتے ہیں، جو مساوی الوزن ہوتے ہیں۔ ایک انجن کی جانب دوسرا گارڈ کے ڈبہ کی جانب، اگرچہ دونوں پتھر ایک ہی رفتار سے جا کر ایک ہی مساوی مسافت طے کرتے ہیں۔ مگر پچھلا پتھر ہمیں بہت دور گرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اور آگے کی جانب پھینکا ہوا پتھر قریب ہی گرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس کا سبب یہی ہے کہ ہم ریل کی رفتار کے ساتھ سنگ پیشیں سے قریب ہوتے جاتے ہیں اور

سنگ عقب سے بعید تر۔ اگر زمین متحرک ہو تو بعینہ یہ ریل والی مثال صادق آنی چاہیئے۔ اور ایک ہی وزن کے پھینکے ہوئے دو پتھر (ایک جانب مشرق۔ دوسرا جانب مغرب) ہرگز برابر گرتے ہوئے نظر نہ آنے چاہئیں۔ بلکہ مغرب والے پتھر کو بہت دور گرنا چاہیئے۔ اور مشرق والے پتھر کو قریب تر۔ اور یہ خلاف مشاہدہ ہے۔ اور لیجئے چونکہ زمین خشکی اور تری کے مجموعہ کا نام ہے، اگر زمین کو متحرک مانا جائیگا، تو سمندر کی حرکت بھی ماننی پڑیگی، دو جہاز فرض کیجئے، جو بالکل مساوی قوت والے انجنوں کے ذریعہ سے چلتے ہوں۔ ان میں سے ایک مشرق کی طرف جا رہا ہے، دوسرا مغرب کی طرف۔ پہلا جہاز دو محرک طاقتوں سے متحرک ہوگا۔ ایک طاقت انجن کی، دوسری طاقت پانی کی جو کامل سرعت کے ساتھ مشرق کی طرف بڑھا جا رہا ہے۔ اسلئے اسکی رفتار بہت تیز ہوگی، اور وہ ہفتوں کی منزلوں کو گھنٹوں میں طے کریگا۔

بخلاف اس کے دوسرے جہاز کی رفتار نہایت ہی دھیمی ہوگی۔ نہ صرف اس وجہ سے کہ ایک (انجن کی) طاقت سے چلیگا۔ بلکہ اسلئے بھی کہ پانی جو مشرق کی طرف جا رہا ہے اس کی رفتار میں مانع قوی ہوگا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کشتی پانی کی رفتار کے خلاف چلتی ہے تو کسقدر سست رفتار ہو جاتی ہے۔ یہی صورت یہاں واقع ہوگی، اور مغرب کو جانیوالا جہاز اسقدر سست ہو جائیگا کہ مشرق کو جانے والے جہاز کے مقابلہ میں اس کی حرکت کا نفس احساس ہی مشکل ہو جائیگا۔ جبکہ ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ مساوی قوت والے انجنوں سے چلنے والے جہاز روانی میں اکثر ہم پلّہ رہتے ہیں۔

اگر آپ یہ کہیں (جیسا کہ معتقدین حرکت کا زعم ہے) کہ ہوا جو سمندر کو محیط ہے وہ بھی زمین کی تبعیت میں مشرق کی طرف متحرک ہے تو اس سے دگنی خرابی لازم آئیگی، اور آپکے اس قول سے ہمیں تقویت ہونچیگی۔ کیونکہ اس صورت میں مشرق کو جانیوالا جہاز تین محرک قوتوں سے چلیگا۔ انجن کی قوت۔ روانیٔ آب کی قوت۔ رفتارِ باد کی قوت۔ اب اس کی رفتار اس قدر تیز ہو جائیگی کہ لمحوں میں فرسنگوں جائیگا۔ جبکہ دوسری جانب مغرب کو جانے والے جہاز کی روانی کا سبب تو صرف ایک انجن ہی کی قوت ہوگی، اور مزاحم پانی اور ہوا جیسی دو زبردست طاقتیں ہونگی، جو ہمیشہ کیلئے مشرق کی طرف رواں دواں ہیں۔ اس صورت میں کچھ تعجب نہیں کہ اس جہاز کے لئے جگہ سے ہلنا ہی ناممکن ہو جائے ....! اسلئے ہمیں مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ زمین مشرق کی طرف نہیں گھومتی۔

اور تسلیم کیجئے کہ دو پرند ایک ہی پرواز سے اڑ رہے ہیں، ایک مشرق کی طرف دوسرا مغرب کی طرف اور ہوا زمین کی تبعیت میں مصروف روانی ہے۔ تو پھر پہلے پرند کی پرواز میں ہوا بہت معاونت کریگی، اور اس کی پرواز کو بہت

سریع بنا دیگی۔ اور دوسرے پرند کی پرواز میں ہوا سختی سے مزاحم ہوگی، اور وہ اسقدر سست پرواز ہوگا کہ اسکی پرواز کا احساس مشکل ہو جائیگا۔ حالانکہ دونوں پرندوں کی پرواز ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ قریب قریب ایک ہی درجہ پر رہتی ہے۔

مشاہداتِ مذکورۂ بالا کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ ہوا اور پانی کا ہمیشہ یہ خاصہ ہے کہ ان چیزوں کی رفتار میں جو ان کی جہتِ روانی کے خلاف چلتے ہیں ہمیشہ مانع اور معاوق ہوتے ہیں۔ اور ان چیزوں کی رفتار میں جو انکی جہت روانی کے موافق چلتے ہیں معاون ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر ہوا اور پانی کو مشرق کی طرف متحرک مانا جائے تو یہ سب استحالات لازم آئینگے۔ اور زمین اپنی رفتار کی سمت کے خلاف چلنے والے کی رفتار میں مزاحم نہیں ہوتی۔ اور نہ اپنی رفتار کی سمت کے موافق چلنے والے کی رفتار میں معاون ہوتی ہے۔

زمین کی تبعیّت میں ہوا متحرک نہیں ہے

یہ سب کچھ اس صورت میں تھا کہ ہم زمین کی تبعیّت میں ہوا کو متحرک بالعرض مان لیں مگر یہ بہت ممکن ہے کہ ہم ہوا کو متحرک نہ مانیں۔ کیونکہ ابھی تک ہمارے پاس اس کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اکثر شواہد اس کے خلاف پر ہی ہمارے سامنے ہیں۔

مسلم ہے کہ ہوا رطب (Fluid) ہے۔ اور اس کے اجزا میں تخلخل (Hollow) پایا جاتا ہے اور زمین منجمد (Solid) ہے۔ نیز اس کے اجزا باہم گتھے ہوئے اور متکاثف (Dense) ہیں جب یہ ہے تو کیا ضرور ہے کہ ہوا بھی زمین کے اتباع میں ٹھیک اسی رفتار سے رواں رہے۔ جس رفتار سے زمین چل رہی ہے۔ نیز یہ کیا ضرور ہے کہ ہوا کا جو جز زمین کے ایک جز کے اوپر ہے وہ ہمیشہ اسی کے اوپر رہے اور اس طرح اس گیند کو جو ہم ہوا میں پھینکیں، ہوا ٹھیک اسی جگہ گرائے جس مقام سے وہ پھینکی گئی تھی، اگر ہوا اور زمین ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے تو ہو سکتا تھا کہ اس مشابہت کی وجہ سے اس کے اجزا میں بھی تشابہ رہتا۔ اور اجزائے زمین اجزائے ہوا کے ساتھ ساتھ حرکت کرتے۔ جب یہ نہیں ہے تو ہوا کی عرضی حرکت زمین کی حرکت کیلئے کسیطرح مفید نہیں ہو سکتی۔

نیز اگر ہوا زمین کی تبعیت میں متحرک بالعرض رہے تو اس کی ورزش بے انتہا تیز ہونی چاہئے۔ اس اعتبار سے ہوا کے کسی سمت چلنے کا ہمیں مطلقاً احساس نہ ہونا چاہئے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ہوا کسی ایک طرف تیز چلتی ہوتی ہے تو دوسری جانب کم تیز، اور سست روش ہواؤں کا ہمیں احساس نہیں ہوتا۔ یہی صورت یہاں ہوگی

بلکہ وہ ہوا جو جانب مغرب رواں ہوگی اس کا تو نام کو بھی وجود نہ معلوم ہوگا۔ کیونکہ وہ کرۂ ہوا کے بالکل خلاف چل رہی ہوگی۔ جو اس سے کئی گنی سرعت کے ساتھ مشرق کی طرف چلا جا رہا ہے۔

اور یہ بھی ہے کہ اگر ہوا چاروں سمتوں سے کسی طرف چل رہی ہو، اور ہم اس ہوا کے خلاف یا موافق چلیں تو فوراً احساس ہو جاتا ہے۔ اب اگر مشرق کی طرف کرۂ ہوا حرکت کر رہا ہوتا تو اس کی کیا وجہ تھی۔ کہ ہم مشرق یا مغرب کی طرف جاتے ہوئے سریع ہوا کی حرکت کی اصلا تمیز نہ کرتے۔

مذکورۂ بالا تمام دلائل اس امر کو باطل کر دیتی ہیں کہ کرۂ ہوا زمین کی تبعیت میں متحرک ہے۔ اس کے بعد وہ تمام اعتراضات جو زمین کی حرکت پر کئے جاتے ہیں، اپنی جگہ باقی رہتے ہیں۔ اور ماننا پڑتا ہے کہ یہ خاکی "گردیکرہ" آفتاب کے گرد گھومنے کے بجائے "ہمالیہ بردوش" ساکن ہے۔

شہاب ٹونکی

ٹیلیفون پر لیلیٰ اور مجنوں کی دلچسپ ملاقاتیں

مجنوں کا مختلف کاروبار کے متعلق لیلیٰ سے مشورہ کرنا۔ لیلیٰ کا جواب۔ زندگی کے ہر شعبے پر تبصرہ۔ مسٹر مجنوں کبھی اڈیٹر بنتے ہیں، کبھی لیڈر کبھی مولوی۔ کبھی ڈاکٹر کبھی حکیم۔ کبھی وکیل۔ لیلیٰ ان تمام حالتوں پر تنقید کرتی ہے۔ مسٹر مجنوں مہاراجہ اندور کی جانشینی کیلئے وائسرائے کیپید بتیں ایک درخواست بھیجنا چاہتے ہیں۔ لیلیٰ انہیں بناتی ہے یہ سب باتیں "مسٹر مجنوں" میں نہایت ظریفانہ مگر موثر الفاظ میں لکھی گئی ہیں۔ ہر بات سبق آموز ہے غفلت، سستی اور تساہل اسکے پڑھنے سے غائب ہو جاتے ہیں قیمت ۸/

عورت ۱۹۷۵ء میں

عورتوں کی موجودہ آزادی، بے پردگی، دیکھتے ہوئے اب سے پچاس سال بعد کی معاشرت کا نمونہ "ارتقائے تمدن" میں دکھایا گیا ہے کہ پچاس برس کے بعد عورت کیا ہوگی۔ اور اس وقت مرد کا رتبہ کیا ہوگا مرد کیا چاہے گا اور عورت کی خواہشات کیا ہونگی آخر عورت اپنی غلطی کا احساس کرے گی اور مرد کی طالب وجویا ہوگی۔ اخلاقی پہلو سے یہ کتاب نہایت سبق آموز اور دلچسپ لکھی گئی ہے۔ قیمت ۸/

ناظم پیمانہ بک ایجنسی قصر الادب آگرہ

علمی و ادبی مختصر معلومات

— نہایت مسرت ہے کہ مولوی سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپور نے اپنے کتب خانے کی تمام کتابیں جنکی قیمت ۲ لاکھ روپیہ ہے مسلم یونیورسٹی کی ٹین لائبریری کو نذر کردیں۔ مولوی صاحب کنوکیشن کی شرکت کیلئے علیگڈھ تشریف لائے تھے۔ اسٹیشن پر نہایت گرمجوشانہ استقبال کیا گیا۔ ہم موصوف کے اس کار خیر کو نظر استحسان دیکھتے ہیں۔ مولوی صاحب کے اس انتظام میں دوراندیشی کا پہلو نمایاں ہے۔

— حضرت فانی بدایونی کا دوسرا دیوان چھپ چکا ہے۔ گو ابھی نظر سے نہیں گذرا لیکن یقین ہے کہ پہلے اڈیشن سے بہتر ہوگا۔ سنا ہے کہ ارباب ذوق اور صاحبان دولت وجاہ نے دیوان کے چھپنے سے پہلے فانی صاحب کو بہت کچھ مالی امداد دی ہے۔ اگر مشاہیر شعرا کو ملک کے قدردان طبقہ سے ایسی اعانت ملتی رہے تو یقیناً ادبی تصانیف کی اشاعت میں بہت کچھ آسانی ہوسکتی ہے۔

— علامہ ڈاکٹر سر اقبال پنجاب کونسل کیلئے نہایت کامیاب تائیدوں کے ساتھ منتخب ہوچکے ہیں۔ امید ہے کہ ایشیا کا یہ مقبول شاعر کونسل کیلئے بے حد مفید ثابت ہوگا۔ ڈاکٹر اقبال کو سیاسیات میں ہمیشہ دلچسپی رہی ہے اور ان کے ادبی کارناموں میں بھی یہ رنگ ہمیشہ جھلکتا رہا ہے۔ پنجاب خوش نصیب ہے کہ اسکا قومی شاعر قومیات کی تنظیم کے لئے ایوان کونسل میں جارہا ہے۔ خدا کرے ڈاکٹر اقبال اس سیاسی انہماک میں اپنے ادبی تخیلات کو بدستور قائم رکھ سکیں۔ اور ملک انکی شاعرانہ تبلیغ سے محروم نہ ہوجائے۔

— میں جنوری ۲۷ء سے ایک رسالہ موسومہ "مستقبل" اور شائع کر رہا ہوں۔ اس کا مستقر اشاعت علیگڈھ ہوگا۔ ابتک علمی و ادبی برکات صرف "مسلم یونیورسٹی" کی حدود تک محدود ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ ان حدود سے باہر بھی جہانتک شہر کا تعلق ہے علمی ادبی بیداری پیدا ہوجائے۔ اس رسالہ کا مقصد وحید موجودہ نسلوں کو مستقبل قریب کیلئے تیار کرنا ہے۔ اگر آپ اسکا نمونہ ملاحظہ فرمانا چاہیں تو "دفتر مستقبل بالائے قلعہ علیگڈھ" کے پتہ پر ٹکٹ بھیجدیجئے۔

— قصر الادب آگرہ سے رسالہ "ثریا" کی اشاعت کا اعلان کئی بار کیا جاچکا ہے لیکن بوجوہ وہ ابتک شائع نہیں ہوسکا تھا۔ اب جنوری ۲۷ء سے اسکی اشاعت کا مستقل انتظام ہوگیا ہے۔ یہ رسالہ اپنی نوعیت کا ایک نیا اور مفید رسالہ ہے۔ اسے ضرور دیکھئے اور اپنے بچوں کے نام جاری کرادیجئے۔ نمونہ ۴ آنے کے ٹکٹ بھیجنے پر "دفتر "ثریا" قصر الادب آگرہ" سے دستیاب ہوسکتا ہے۔ اسکے مدیر علامہ سیماب اکبرآبادی کے خلف اکبر عزیزی شمشاد حسین منظر صدیقی اکبرآبادی ہیں۔

— ۲۴ دسمبر ۱۹۲۶ء کو جمعہ کے دن دو تین روز فالج میں مبتلا رہکر مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی انتقال فرماگئے۔ یہ سانحہ ادبی دنیا میں نہایت افسوسناک اور ناقابل تلافی ہے آپ کثیر التصانیف انشاپرداز اور اسلامی تاریخ کے بیشمار فسانے لکھنے کی حیثیت سے ایک ممتاز مورخ تھے۔

ساغر نظامی

یاران میکدہ

آپ نے سچ کہا کہ جو لوگ دوسروں کو خرِ ناشخص سمجھتے ہیں انہیں اپنے "خرِشخص" ہوتے کا ضرور یقین ہوگا۔ انہیں اپنے تھان پر جگالی کرنے دیجئے۔ جب کہ ان کی شخصیت نے ان کا گدھا ہونا خود ہی تشخیص کر لیا ہے تو بوسیدہ پالانوں کا اندیشہ بھی خود ہی کر دیگی۔ ورنہ موسم سرما میں ان کی مکروہ بانگ بے ہنگام کس سے سنی جائیگی!۔

پیمانہ کا "ایک خاص نمبر" شائع کرنے کی طرف آپ نے مجھے خاص توجہ دلائی ہے۔ اس کا خاص شکریہ قبول فرمائیے۔ میں اسکے متعلق انتہائے عدیم الفرصتی میں خاص طور پر غور کرونگا فرصت کے اوقات میں غور کرنیکا خاص نتیجہ تو یہ ہے کہ پیمانہ کا ہر نمبر خاص ہوتا ہی دو چار تصویریں بڑھا دینے اور حجم زیادہ کر دینے سے کوئی خصوصیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ اور اگر آپ یہی چاہتے ہیں تو لیجئے میں اعلان کئے دیتا ہوں کہ خاص دسمبر ۱۹۲۶ء میں پیمانہ کا خاص نمبر شائع ہوگا اسمیں ایکہزار خاص تصویریں ہونگی پچاس ہزار خاص مضمون ہونگے، خالص ورق نقرہ پر سنہری چھپیگا خالص مشک سے لکھا جائیگا، اور قیمت وہی چار روپیہ سالانہ! ابتو خاص طور پر آپ خوش ہیں۔

مولانا محمد علی اور خواجہ حسن نظامی کی جنگ کو آپنے "جنگ زرگری" خوب لکھا۔ کہ اس سے دماغ میں لفظ "زرگری" کی لغوی تصریح خود بخود پیدا ہوگئی خواجہ حسن نظامی کو روپیہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ مولانا ابن سعود کے قابو میں نہ آنے اور قومی جیبوں کی جھوٹی جھنکار سے ضرور غصہ میں بھرے ہوئے ہیں اور خواجہ صاحب کو زبردستی ابن سعود کا جانشین بنا کر سرمایہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر خواجہ کی نکر مصفیٔ خون ثابت نہوئی تو مولانا کی دماغی تیاری کے مقابلہ کیلئے ایک کسی مویشی خانہ کے ڈاکٹر کو تیار ہو جانا چاہیئے۔

گاندھی جی مہاراج بھی عجیب چیز ہیں۔ ۱۲ مہینے دم سادھ کر سمادھ سے پھر باہر نکل آئے۔ جو لوگ انکی پالیسی پر اپنے مذہب، بیوی، بچوں کو بھینٹ چڑھانا ایمانِ عقیدت سمجھتے ہیں انہیں بقرعید کے دنبوں کی طرح قربانی کیلئے تیار ہو جانا چاہیئے۔

یاد ہے۔ خوب یاد ہے۔ جب ایک جمالِ ناطق کے اشارہ لطیف پر شکم پری کے بعد بھی آپنے قیمہ و بریانی کی چند پلٹیں پیٹ کی بخاری میں خالی کر دی تھیں۔ اور یہ بھی یاد ہے کہ جب راستہ کے اندھیرے میں آپ ایک نسائی ہرن سے لپٹ گئے تھے

تو ایک دو بیویوں کے نابالغ شوہر نے "بھینسا سُر" میں آپکی ہم آغوشی کی مہار کیا در کر دی تھی۔ کیا اب بھی اپنے "مذاقِ مجسم" ہونیکا آپکو دعویٰ ہے؟

آپ بچکر کہاں جاتے ہیں! سنئے سنئے، نماز کے پردہ میں "ادائے فرض کی نجاست" کو نہ چھپائیے، "نشاط باغ کشمیر" کے چشمۂ شیریں میں ایک غوطہ "حوض قاضی" پر ہزار مرتبہ وضو کرنے سے بہتر ہے۔ "چمن میں دفن ہوا اور سکول میں نکلا" اچھا جانے آپ غسل ٹھنڈا ہو رہا ہے!

جس جملہ میں عربی اور فارسی الفاظ کے اردو میں شریک کرنے پر علمائے ادب کو گالیاں دیجاتی ہیں اسی میں "استعمالات" اور "مرموزات" کے پتھر بھی لڑکائے جاتے ہیں۔ واہ کیا پیارے پیارے اور سوندھے سوندھے بہاشا کے الفاظ استعمال کئے ہیں اگر آپ شاہجہاں کے عہد میں پیدا ہوتے تو "آئین اکبری" کے مصنف آپ ہی بنائے جاتے۔ کیا ابھی اپنی خبطی بے ربطی پر آپکو افسوس نہیں ہے؟

میاں صاحبزادے! اپنے آپے میں رہو۔ جنون کے اسٹیج سے ڈھیلے کی طرح نیچے پھینکے جا چکے ہو، ابکے اگر بہکے تو دنیا کے اسٹیج سے تحت الثریٰ میں پھینک دئے جاؤ گے۔ فوق صاحب! سردی میں اس شخص کا دماغ خراب ہو گیا ہے کسی بلا ئیے لسی!

آپکو اپنے منتخب نہ ہونے کا ناحق افسوس ہے۔ وہاں تو رائیں زر نقد کے معاوضہ میں خریدی گئی تھیں۔ آئندہ انتخاب کا حسین طریقہ بتا دوں؟ بس آگرہ میں ایک مشاعرہ، اور میرٹھ میں ایک مجرا! (باقی پھر)

مجھے آپکی شب بیداری پر (معاف کیجئے) زہد و تقویٰ کی بدگمانی تھی۔ آپنے یہ کہکر کہ "میرے کمرہ کی ہر تصویر رات کو زندہ ہو جاتی ہے"، مجھے اپنی زندہ دلی کا یقین دلایا! اچھا میں آپکے والد مرحوم کی تصویر واپس کرتا ہوں۔ اسے بھی اپنی خوابگاہ میں آویزاں کر لیجئے ....،

شراب نوشی — لاحول ولاقوۃ! قمار بازی — استغفراللہ! ترک نماز — نعوذ باللہ! تھیٹر کا شوق — لعنت اللہ ———— اور رشوت ستانی — الحمد للہ!! آپ سمجھے گناہ صرف وہ ہے جسے اپنا ضمیر بھی گناہ محسوس کرے۔ ورنہ دنیا کے بکنے سے کیا ہوتا ہے؟ آپکا ضمیر انمیں سے کونسے گناہ پر الحمد للہ کہتا ہے؟ — "بس"

الہامات

بپیمانہ دسمبر ۱۹۲۶ء

خلاصۃ الباب:-

(۱) حضرت نوح ناروی۔
(۲) حضرت امیر بدایونی۔
(۳) حضرت درد کاکوروی۔
(۴) سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی۔

کلام المشاہیر

تازہ ترین اور غیر مطبوعہ

حضرتِ نوحؔ ناروی

کام

ہائے کیا دن وہ تھے جب آرام ہی آرام تھا
ہم کو ان سے کام تھا اور ان کو ہم سے کام تھا
بعد مرجانے کے اطمینان تھا آرام تھا
عمر بھر انسان کو یہ فکر تھی وہ کام تھا
جو سلامت رہ گیا وہ موردِ الزام تھا
کوچۂ قاتل میں مرجانا بھی پہلا کام تھا

آرام

کھل گئیں آنکھیں یہ دنیا کی دورنگی دیکھ کر
اب ہمیں تکلیف ہے پہلے کبھی آرام تھا
مہربانی کی نگاہیں حشر برپا کر گئیں
خوگرِ آزار کو آزار بھی آرام تھا
عمر آخر ہو گئی اب وقتِ آخر یہ نہ پوچھ
کس قدر تکلیف تھی کتنا ہمیں آرام تھا

انجام

دل اُدھر آیا کہ آپہونچی اِدھر میری اجل
ابتدا میں انتہا آغاز میں انجام تھا
پھنس گئی لاکھوں طرح کے غم میں اپنی جان بھی
دل کسی کو نذر کر دینے کا یہ انجام تھا

سانس اکھڑی موت آئی مرنے والے مرگئے — چار دن کی زندگی کا بس یہی انجام تھا

پیغام

وہ جو پہلو سے اٹھا تو اٹھ گئے دنیا سے ہم — ہجر کا پیغام گویا موت کا پیغام تھا
ہو گئے راضی وہ ملنے پر مری تقدیر سے — گفتگو کی گفتگو پیغام کا پیغام تھا
ہو گیا ظاہر ترے برتاؤ سے تیرا فریب — کچھ نہ تھا پیغام میں پیغام ہی پیغام تھا

نام

کھل گیا دشمن پر اے قاصد تجھی سے رازِ دوست — دے دیا کس کو مرا خط اور کس کے نام تھا
ابتدا کرتے اسی سے کیوں نہ اہل ذوق و شوق — عشق کے دفتر میں سرنامہ پہ اپنا نام تھا
اشک باری کی بدولت ہو گیا مشہور خلق
کیوں نہ میں طوفاں اٹھاتا نوح میرا نام تھا

حضرتِ امیر بدایونی

خورشید کو کتنا ہی دعوٰے ہو تمازت کا — سایہ ہے مرے سر پہ داماں شفاعت کا
رخ جس کی طرف ہر دم ہے کشتیٔ امت کا — معبر ہے تو اے مولا اس قلزم رحمت کا
یہ کارِ نمایاں تھا تبلیغ ہدایت کا — توحید کا گلشن ہے وادی تھا جو بدعت کا
برہم نہ ہو شیرازہ تا مجمع ملت کا — رشتہ کیا مستحکم قانون سے فطرت کا
منظور نظر ہے جو صنعت گر قدرت کا — تو وہ گل رعنا ہے گلزار حقیقت کا
کیا چشم تہی دیکھے سرمایۂ پنہاں کو — اے صاحب ما اوحیٰ، تو راز ہے قدرت کا
تو سیدِ عالم ہے تو اشرف و اعظم ہے — اسرار کا محرم ہے ماہر ہے طریقت کا
تو نیّرِ ایماں ہے تو رحمتِ رحماں ہے — تو ہادیٔ گیہاں ہے شایاں ہے نبوت کا
تو کفر کا دشمن ہے اسلام کا ضامن ہے — ایمان کا خرمن ہے عالم ہے شریعت کا

سردارِ عرب تو ہے عالم کا سبب تو ہے
مطلوبِ طلب تو ہے چشمہ ہے ہدایت کا

توحیدِ خدا تو نے تعلیم کی عالم کو
وحدت سے لیا تو نے جو کام تھا کثرت کا

تعلیم ملی تجھ سے تحریم ملی تجھ سے
خاور ہے تو اے مولا خورشید امامت کا

تو رازِ حقیقت ہے حق تجھ میں ودیعت ہے
حقا کہ وہ تجھ میں ہے جو حق ہے حقیقت کا

آ ، بردِ یمانی سے عالم کی شبانی کو
احوال زبوں تر ہے مولا تری اُمت کا

نادم ہوا آسیرا اپنے افراطِ معاصی پر
شاید کہ پذیرا ہو انداز ندامت کا

حضرت دردؔ کاکوروی

شرف نیشِ الم کا دیکے الفت نے رگِ جاں کو
مزین کر دیا دیباچۂ حسرت کے عنواں کو

نہ کر تو محو اس کیفیتِ عشرت فراواں کو
سکوں ہے تیری آغوشِ تصور سے رگِ جاں کو

حیاتِ جاوداں کا راز اسی مینائے دل میں ہے
اسی نے بزمِ امکاں کر دیا ہے بزمِ امکاں کو

کہا دل نے، کہ اس کو جلوہ گر میں کس طرح دیکھوں
صدائے غیب آئی بند کر کے چشمِ حیراں کو

خدا رکھے وہ موجِ مضطرب ہوں بحرِ ہستی کی
کہ جس کی زندگی پر رشک ہے شہرِ خموشاں کو

اگر جذباتِ پنہاں کی کشش کا ہے یہی عالم
یہی ذرے اڑا لیجائیں گے اک دن بیاباں کو

ہماری کامیابی کا اسی میں راز مضمر ہے
ڈبو دیں بحرِ ناکامی میں ہم کشتیٔ ارماں کو

مرا دل بزم میں ایسی طرح محسوس کرتا ہے
تبسم سے ترے ہر دم نوازش ہائے پنہاں کو

ہرے ہوں اور کانٹے آبیاریٔ چشمِ گریاں کر
کہ ذوقِ دردؔ سے مسرور پاتا ہوں رگِ جاں کو

سیمابؔ صدیقی الوارثی اکبرآبادی

جہاں بھی دیکھنے والے تری تصویر دیکھیں گے
وہیں میری نگاہِ شوق دامنگیر دیکھیں گے

وہ جب رنگِ پریشانی کو خلوت گیر دیکھیں گے
تو اپنے ہر تصور میں مری تصویر دیکھیں گے

نظر جن کی محیطِ حلقۂ تدبیر رہتی ہے
وہ کیا انجام کارِ وسعتِ تقدیر دیکھیں گے

سنا ہے حسن کو دہ چند کر دیتا ہے یہ شیشہ
لگا کر اپنے دل میں آپ کی تصویر دیکھیں گے

مآلِ اہلِ غفلت ہو چکا بیدار دنیا میں
جو خود خوابیدہ ہیں کیا خواب کی تعبیر دیکھیں گے

وفا کا تذکرہ کیا اب تو یہ ارشاد ہے ان کا
کہ تم نالہ کرو ہم گرمیٔ تاثیر دیکھیں گے

گدازِ غم سے ہیں تحلیل کی نوعیتیں لاکھوں
وہ ہر آنسو میں ڈھلتی اک نئی تصویر دیکھیں گے

حسابِ جرم و نقدِ عمر، سب کہنے کی باتیں ہیں
کہاں تک وہ کسی کا دفترِ تقصیر دیکھیں گے

شکستہ ہر کڑی ہے ہر کڑی میں دل کے ٹکڑے ہیں
بڑی عبرت سے دیوانے مری زنجیر دیکھیں گے

جگر کو چھیڑتا ہے یا ابھارتا ہے خلشِ دل کی
ہم اک دن اپنے پہلو میں مذاقِ تیر دیکھیں گے

خیالِ حشر و فکرِ نشر اے سیمابؔ لا حاصل
کہ ہے تقدیر میں جو کچھ بہ ہر تقدیر دیکھیں گے

چار نکاح کیجئے

دنیا کی حالت کو دیکھتے ہوئے آپ کو میری گذارش مبالغہ آمیز اور غلط معلوم ہوگی لیکن صرف ایک بات کہکر آپ کی تمام بدگمانیوں کو دور کردینا چاہتا ہوں یعنی لعنت اللہ علی الکاذبین (جھوٹوں پر خدا کی لعنت) امید کہ اس آیت قرآنی کو درمیان میں لانے کے بعد آپ میرے بیان کو غلط اور مجھے عام جھوٹے اشتہار بازوں کی طرح لغو گو تصور نہ کریں گے اور میں اپنی حیرت انگیز ایجاد لطف شباب کے متعلق جو کچھ عرض کروں گا اسے حروف بحروف صحیح تصور کریں گے۔

لطف شباب کیا ہے؟

سفوف و طلا۔ اس طلا سے ہموارگی اور یکسانگی پیدا ہو جاتی ہے اور اصلی قوت عود کر آتی ہے رگ اور پٹھوں کو طاقت بخشتا ہے اور سختی پیدا کرتا ہے۔ سفوف سے بدن میں غیر معمولی طاقت پیدا ہوتی ہے خون صالح پیدا ہو کر رنگ نکھرتا ہے غلط کاریوں یا کثرت مباشرت کی وجہ سے جو طاقت زائل ہو چکی ہے وہ از سر نو واپس آجاتی ہے وہ تمام عوارض جو بے عنوانیوں اور شرمناک حرکات سے پیدا ہوگئے ہیں اس کے استعمال سے رفع ہو جاتے ہیں دل میں نئی امنگ دماغ میں نئی جولانی اعضا میں نئی روح پیدا ہوتی ہے اور مادہ تولید کی ایسی کثرت ہوتی ہے کہ ایک بیوی پر قناعت دشوار ہے اسلئے اس بکس کو صرف وہی اشخاص منگائیں جن کے مذہب میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت ہو۔ قیمت رعایتی چار روپے (للعہ) محصول ۸ر

اکسیر جریان

اگر تحریر کے موافق نہ ہو تو حلفیہ تحریر آنے پر قیمت واپس

یہ دوا خدا کے فضل و کرم سے اعمال خواص میں جواب نہیں رکھتی ہر موسم میں استعمال ہو سکتی ہے ہر مزاج والے استعمال کر سکتے ہیں بعض اوقات بڑے بڑے قیمتی کشتے اس اکسیر کے سامنے ہیچ ثابت ہوتے ہیں اگر اشتہاری بے احتیاطی سے کام نہ لیا جائے تو اس دوا کی بہت سی خوبیاں گنائی جا سکتی ہیں مگر صرف اظہار حقیقت سے کام لیکر صرف وہی باتیں بیان کرینگے جو بار ہا تجربہ میں آچکی ہیں (۱) یہ دوا اعضاء رئیسہ ل دماغ کی نئی اور پرانی کمزوری کو رفع کرتی ہے اور دیرپا قوت بخشتی ہے (۲) خون صالح پیدا کرکے بدن کو فربہ اور قوی بناتی ہے (۳) مادہ یا یعنی ریح و روح ودم کو بڑھاتی ہے (۴) جریان سرعت اور کثرت احتلام کے لئے نہایت مفید اور مادہ تولید کی مغلظ دوا ہے (۵) مقوی اعضاء ہے (۶) قوت باصرہ کی معین اور بینائی کو بڑھاتی ہے۔ (۷) زیادتی پیشاب کو روکتی ہے چہرہ کو نہایت خوشرنگ و گلگوں بناتی ہے نہایت معتدل اور بے ضرر ہے نہ گرمی کرتی ہے نہ خشکی باوجود اتنی خوبیوں کے قیمت صرف عا ر

المشتہر

حکیم مولوی نظیر علی لکھنوی کمرہ بنگش دھلی

ارزاں مال اسلامی دوکان سے خرید فرمائیے

زنانہ چوڑیدار رسٹ واچ

اس سنہری چوڑیدار گھڑی کو معزز گھرانوں کی بیگمات کام کی چیز اور خوبصورتی کا زیور سمجھکر کلائی پر باندھتی ہیں یہ گھڑی خوبصورتی اور پائداری میں یکتا ہے گارنٹی ۳ سال قیمت فی عدد للعہ علاوہ محصول۔

افغان سنہری رسٹ واچ

یہ گھڑی بالکل نئے فیشن کی ہے اور اس کی زنجیر اصلی رولڈ گولڈ کی بنی ہوئی ہے خوبصورتی اور پائداری میں یکتا ہے اگر پسند نہ آئے تو قیمت واپس کر دینگے۔ گارنٹی ۷ سال قیمت فی عدد للعہ علاوہ محصولڈاک پیکنگ وغیرہ

ریلوے ریگولیٹر پاکٹ واچ

یہ گھڑی پائداری اور خوبصورتی میں یکتا ہے اسکا ٹائم ریلوے ٹائم سے ملتا رہتا ہے اور بہت دن چلتی ہے قیمت قسم اول فی عدد صہ گارنٹی ۶ سال

اصلی سلکی مشہدی قسم لنگی ۶ گز فی عدد صہ قسم اول۔ اصلی سلکی ریشمی ٹسری صافہ ۶ گز فی عدد صہ کلاہ مخملی زرین استردار فی عدد عہ سلکی ریشمی زنانہ رنگین کامدار چادریں جوکہ ہزاروں کی تعداد میں معزز اصحاب اپنی بیگماتوں کیلئے موسم سرما میں منگواتے ہیں کام کاج کے وقت نہایت موزوں چیز ہے ۳ گز طول ۱½ گز عرض فی عدد للعہ زنانہ سلکی ریشمی ساڑھی بیلدار ۵ گز فی عدد للعہ زنانہ سلکی ریشمی بنیان نہایت خوبصورت ہے صہ اصلی خالص اونی کمبل فی عدد درجہ اول عہ ریشمی ازاربند زری دار صرا حیدار قسم اول عہ قسم دوم صہ مال انشاءاللہ نہایت عمدہ روانہ ہوگا ناپسند ہو تو واپس کر دیں۔ آرڈر کے وقت رسالہ پیمانہ کا حوالہ ضرور دیں۔ ملنے کا پتہ:

منیجر سید عباس علیشاہ اینڈ کمپنی سوداگران لدھیانہ (پنجاب)

پیمانہ بک ایجنسی کی سالانہ تنظیم

وہ نایاب اور مفید کتابیں جنکی صرف ایک ایک دو دو جلدیں باقی رہ گئی ہیں انتہائی رعایتی قیمت پر دیجا رہی ہیں

نام کتاب	تشریح موضوع	حجم	قیمت
ا			
ابلیس	خطبہ صدارت جوبلی کے موقع پر	۱۲۴	۸ر
المعراج	معراج کے متعلق ایک کامیاب نظم	۱۶	۳ر
امام اعظم	حضرت امام اعظم کی سوانحمری	۸۰	۱۲ر
ارشاد احمد	منظوم اقوال رسول اللہ صلعم	۳۲	۲ر
ب			
بیاض آزاد	آزاد مرحوم کی بیاض کا انتخاب	۱۶۸	عہ
بگڑے دل	(ڈراما)	۹۳	۸ر
بیاض شاد	حضرت شاد کا فارسی اردو کلام	۱۰۱۰	ہمر
پ			
پیغام اسلام	(نظم)	۳۳	۳ر
ت			
تحفت سیمانی	بچوں کی عقل بڑھانیوالے ۳ مضامین	۱۲۳	۸ر
تربیت	بچوں کی تربیت کیلئے بہترین باتصویر کتاب	۱۵۴	عہ
تیغ و ز مسلم	(نظم)	۱۶	۲ر
بیت و پیال	(ڈراما)	۹۵	۸ر
تخمیس (نعتیہ)	مولانا محسن کاکوروی کی غزل پر	۴۰	۳ر
تذکرہ خواتین دکن	(تذکرہ)	۶۴	۸ر
تشریح الشفا	سر سے پانوں تک کا علاج منظوم	۴۴	۴ر
تفریح شاد	مصنفہ مہاراجہ سرکشن پرشاد دام اقبالہ	۱۰۰	عہ
ترانہ حبیب	(نعتیہ نظم)	۴۰	۵ر
ج			
جان کی قیمت	(ڈراما)	۱۰۴	۱۲ر

نام کتاب	تشریح موضوع	حجم	قیمت
جذبات احمق	حضرت احمق کا مذاقیہ کلام	۶۸	۶ر
جمال تہامیہ	انتخاب مشاعرہ انجمیہ	۳۲	۲ر
جان سخن	علم عروض کے متعلق مکمل کتاب	۱۱۲	عہ
چ			
چار چاند	بچوں کے لئے پیار کہانیاں	۴۸	۵ر
ح			
حکمت کے موتی	اہل کشمیر کی ذہنی قابلیتوں کا نچوڑ	۴۸	۴ر
خ			
نغمۂ کیفی	انتخاب کلام حضرت کیفی	۶۴	۶ر
د			
در یتیم	نظم	۹۳	۸ر
دیوان خاقانی ریختی فانی	نہایت کارآمد اور دلچسپ کتاب ہے	۳۲	۳ر
دیار حبیب	مدینہ طیبہ کی صحیح و مفصل تاریخ	۸۰	۱۲ر
دیوان درد دہلوی	خواجہ میر درد کا منتخب کلام	۹۲	[illegible]
ڈ			
ڈاکٹر ڈل و میر یعقوب کے لطیفے	بہت دلچسپ کتاب ہے	۴۸	۳ر
ر			
روایات اسلام	اسلامی تاریخ کے سبق آموز واقعات	۴۸	۶ر
راز عروض	عروض کے ابتدائی قاعدے	۴۸	۴ر
روح سیاست	(ڈراما)	۱۲۵	عہ
زنانہ حاضر جوابیاں	عورتوں کی ذہانت کے واقعات	۷۲	۶ر

ملنے کا پتہ

پیمانہ بک ڈپو (قصر الادب) آگرہ

[illegible] بہترین [illegible] مجموعہ [illegible]

[illegible]ستان

مصنفہ مولانا سیماب صاحب صدیقی الوارثی اکبرآبادی مدیر پیمانہ

پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہو رہا ہے

[illegible] اس کتاب میں [illegible] کی وہ تمام قدیم و جدید نظمیں شائع کی گئی ہیں جو سالہا سال سے ملک کے مشہور [illegible] اس کے [illegible] حصے ہیں (پہلا حصہ [illegible]) اس حصہ میں وہ تمام نظمیں موجود ہیں جو مذہبی [illegible] ہر نظم [illegible] ایک [illegible] فردوسی ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے [illegible] اس حصہ میں [illegible] حقیقت کے [illegible] رموز میں لے رہے ہیں ہر نظم معرفت [illegible] تیسرا حصہ [illegible] اس حصہ میں ادب اردو کے بہترین شاہکار ہیں [illegible] عشق کے جذبات اور لطف خیال کے نکات [illegible] کوئی [illegible] گھر اس مجموعہ سے خالی نہ رہنا چاہئے [illegible]

پیمانہ بک ایجنسی کی نادر الوجود و نایاب کتابیں

تصانیف علامہ سیماب صدیقی الوارثی اکبرآبادی

جمال جلال صابری — حضرت سیدنا مخدوم علاؤ الدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات قیمت

سیرۃ الحسین — جناب امام حسین علیہ السلام کی مکمل لائف پیدائش سے شہادت تک معہ متعدد نقشہ جات۔ قیمت ۴ر

سوانح زیب النساء بیگم — خاندان تیموریہ کی ایک معزز خاتون کی باتصویر لائف ۸ر

چراغ داغ — فصیح الملک مرزا داغ دہلوی کی مکمل اور معتبر سوانح عمری مع تصویر۔ قیمت ۴ر

سیرۃ الکبریٰ — ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مکمل لائف معہ نقشہ مزار شریف قیمت ۸ر

سوانح امام حسین علیہ السلام — مختصر مکمل قیمت ۲ر

حالات حالی — شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی کی سوانح عمری مع تصویر قیمت ۶ر

بنت الرسول — حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مختصر لائف قیمت ۶ر

سوانح امام حسن علیہ السلام — مختصر مکمل قیمت ۲ر

سوانح نور جہاں بیگم — نور الدین جہانگیر بادشاہ کی محبوبہ اور ملکہ کی لائف مع تصویر قیمت ۸ر

انوار العلا — حضرت خواجہ میر سید ابو العلا اکبرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر لائف قیمت ۲ر

سوانح غریب نواز — حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح معہ متعدد نقشہ جات قیمت

انمول موتی — پوری ایک سو مفید ... نصیحتیں۔ قیمت ۳ر

محصولڈاک قیمت کے علاوہ ہوگا۔ تمام کتابیں یکجائی منگانے والوں سے محصول نہیں لیا جائیگا۔

ناظم قصر الادب پیمانہ بک ایجنسی آگرہ سے طلب فرمایئے

جوانی کی ۶۴ تصویریں

ے رنگوں اور فردوسی کیفیتوں میں نہایت لطیف فریب دلکش اور لذیذ کھینچی ہوئی حضرت ساغر نظامی دہلیگ
کا مجموعہ رباعیات ملاحظہ فرمائیے۔ ۶۴ رباعیاں پاکٹ سائز نہایت جلی اور خوش خط چھاپی گئی ہیں نشیاتیات
ی جوانی کی ایک خوبصورت اور قابل دید تصویر المصابیح دو کا ایک عدیم النظیر نمونہ ہے بہت کم جلدیں باقی ہیں۔ کتنی میں
ی ۱۴ر

ہلاک جستجو

نیا افسانہ جس نے شائع ہوتے ہی ہندوستان میں دھوم مچادی جس پر کئی رسالوں میں تنقیدیں بھی ہوئیں۔
کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے بہ اعتبار واقعات متحیر العقول ہے۔ قیمت فی جلد رعایتی ۴ر

دغا

ے مہلک نتائج پر ایک عجیب وغریب باثر ناول۔ سچا واقعہ۔ زبان نہایت سلیس۔ قیمت فی جلد ۶ر

نور ایمان

یسیح صاحب بیدل مصنف انوار ساطعہ کا مشہور و مقبول نعتیہ دیوان۔ میلاد شریف گھر دیں پڑھنے کے قابل قیمت ۱۲

بہار معرفت

مرفت کے رنگ میں ڈوبا ہوا مجموعہ کلام۔ جناب حاجی محمد عمر صاحب عمر اکبرآبادی کا دلچسپ اور قابل دید دیوان
منزلیں طے کرنے کا آسان ذریعہ۔ مجاز و حقیقت اور کثرت و وحدت کا عجیب وغریب آئینہ۔ عاشقانہ اور صوفیانہ
لہجانہ مع تصویر مصنف قیمت ۸ر

فضائل آیۃ الکرسی

ی کی فضیلتیں اور بطور عمل پڑھنے کے مجرب۔ مفید اور مستند طریقے۔ حل مشکلات کی آزمودہ ترکیبیں۔ شائقین اور ابو ظا
امول تحفہ۔ قیمت مجلد ۱۲ر

کشمیر کا مستقبل

غر نظامی کی ایک الحاد نظم جو سال گذشتہ میں کشمیر کانفرنس گجرانوالہ میں پڑھی گئی تھی۔ ہر بند سے ایک
ایک پیام ٹپکتا ہے۔ شاعرانہ پیشین گوئیاں دماغ میں محفوظ کر لینے کے قابل ہیں۔ قیمت صرف ۲ر

ناظم قصر الادب پیمانہ بک ایجنسی آگرہ سے طلب فرمائیے

محصول ذمہ خریدار

کم قیمت کی کتابیں روانہ نہیں کی جاتیں سب کتابیں ایک ساتھ منگا لیجئے تو آپ سے محصول نہ لی

وہ کون تیل ہے



جو بال بڑھانے میں درجہ اول ہو ؟ سندری سہاگ ہے
جو قوت بصارت کو بڑھاتا ہو ؟ سندری سہاگ ہے
جو دماغی خشکی اور کمزوری کو دور کرتا ہو ؟ سندری سہاگ ہے
جو دل و دماغ دونوں کو معطر کرتا ہو ؟ سندری سہاگ ہے
جو درد سر۔ نزلہ۔ زکام کو دور کرتا ہو ؟ سندری سہاگ ہے
جو بالوں کو گھونگھریالا اور چمکدار بناتا ہو ؟ سندری سہاگ ہے
جو گرے ہوئے بالوں کی بجائے نئے بال پیدا کرتا ہو ؟ سندری سہاگ ہے
جس کے استعمال سے بال پکنے نہیں ہیں ؟ سندری سہاگ ہے
جس کے استعمال سے بال سفید ہونے سے محفوظ رہتے ہیں ؟ سندری سہاگ ہے
جس کے استعمال سے عورت مرد دونوں خوش ہیں ؟ سندری سہاگ ہے

لہٰذا جب سندری سہاگ میں تمام خوبیاں موجود ہیں تو پھر آپ کے منگانے میں کیا عذر ہے۔ کیا ایک شیشی ارسال خدمت کیا جائے
قیمت فی شیشی ایک روپیہ تین شیشی کی قیمت ۲ مع محصول علاوہ

او لو سندری بہار

بالکل نئے ڈھنگ سے تیار کیا گیا ہے۔ خوشبو نہایت عمدہ ... معمولی عطریات کی طرح ... دماغ کو تازہ ... بلکہ بھینی بھینی خوشبو اصلی اور تازہ پھولوں کے موافق ... دماغ کو معطر کر دیتی ہے ... بے حد پسند کیا ہے۔ اصلی خوشبو ... ایک مرتبہ کپڑوں کو اس سے بسا لیجئے۔ کئی روز تک برابر ... قائم رہے گی۔ قیمت بڑی شیشی دو ڈرام والی ... شیشی ایک ڈرام والی ۱۲ ... شیشی ... محصول ...

سُندری اسنو

... میں جذب ہو جاتا ہے اور رنگت کو نکھار دیتا ہے رنگت کو نکھار دیتا ہے۔ چھیپ ... جھائیاں پھنسی اور گرمی دانوں کو دفع کرتا ہے۔ عورت ... یکساں مفید ہے سردی کے موسم میں تو اس کا ... ہے۔ قیمت فی پاٹ بارہ آنہ۔ محصول علاوہ

مُشکی خضاب

... سیاہی کے ہو زائل کر دیتا ہے۔ قیمت فی شیشی ...

عالیجناب منیجر صاحب رسالہ پیمانہ دہلی دسمبر ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں تحریر ...

سندری سہاگ تیل اور سندری اسنو دونوں چیزیں بہت مفید استعمال کی ہیں ... تیل تمام بالوں ... کیمیاوی ترکیبوں سے بنایا گیا ہے کہ سر کو راحت اور دماغ کو تازگی ... محسوس ہوتی ہے۔ سندری اسنو ... کے استعمال سے چہرے کی خشکی دور ہو جاتی ہے۔ اور ایک بھینی بھینی خوشبو ...

ناظم قصر الادب ... سندری ... موجد ...

اگر آپ عدیم الفرصت

یا اگر آپ شاعر نہیں ہیں اور آپ کو قوم و ملک یا دوست احباب کے سامنے اپنا کا
حاصل کرنی ہے یا اگر آپ کو کوئی کتاب اپنے نام سے لکھوانی ہے تو بے تکلف معتمد دارالا
کو اطلاع دیجئے۔

اعلیٰ درجہ کی غزلیں قدیم و جدید رنگ میں عجیب غریب فسانے، ناول، کتابیں آپ
کے لئے مضامین اور نظمیں تصنیف کی جاسکتی ہیں۔ غرضکہ تمام ادبی، علمی کام آپ کے
ہیں۔ یہ شعبہ ۱۹۲۳ء سے برابر کام کر رہا ہے۔ اس کی خدمتیں ملک میں مقبول و مستند ہو چکی
اپنا وقار و اعتبار قایم کیا ہے کہ تمام ارشادات کی تعمیل بصیغہ راز ہوتی ہے۔ اور خطوط
اسکول کے طلبا، مدرسین اور عدیم الفرصت یا مبتدی شعرا کے لئے نہایت اچھا مو
قطعات تاریخ پیدایش، اور تاریخ وفات لوح مزار پر کندہ کرنے کے لئے بہتر سے بہتر مادہ
ہر چیز کا معاوضہ اتنا کم اور مناسب رکھا گیا ہے کہ ایک معمولی سے معمولی شخص بھی آسانی
آپ ایک مرتبہ کسی مشاعرہ کے لئے کوئی غزل طلب فرمائیں۔ اس مشاعرہ میں صرف آ
فسانہ لکھوائیے ہر رسالہ اُسے منتوں سے شائع کریگا۔ غرض کہ آپ کوئی ادبی خدمت
میں چار چاند لگ جائیں گے۔

شرائط کا رار کا ٹکٹ بھیجکر آج ہی طلب فرما لیجئے۔ جو مطبوعہ ہیں۔ اور جن میں کم
ہے۔ معاوضہ میں کافی کمی کر دی گئی ہے۔

ہر خط کی تعمیل فوراً ہوتی ہے۔ اور ہر خط بجنسہ واپس کر دیا جاتا ہے۔ رازداری کا حلفیہ یقین

ناظم قصر الا ... معتمد دارالاصلاح و دارالترجمہ (دفتر پیمانہ

... الادب قصر الادب ... بیا

نگارخانۂ ارضِ تاج کا نقشِ مصوّر

پیمانہ

مدیر
صدیقی الوارثی اکبرآبادی

مدیر ثانی
ساغر نظامی (علیگ)

جنرل منیجر ملک

جرمنی کی حیرت انگیز و عجیب و غریب اشیاء

سوئٹزرلینڈ کی بنائی ہوئی رسٹ واچ

5 6

یہ رسٹ واچ سنہری یا سفید کیس سلنڈر مشین اور نہایت خوبصورت فینسی ڈائل کی ہیں دیکھنے میں پچاس روپیہ کی معلوم ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ بیضوی۔ چورس۔ چھ کونی اور آٹھ کونی موجود ہیں۔ قیمت فی عدد چھ روپیہ۔ تسمہ مفت دیا جاتا ہے۔ محصول ڈاک معاف

اگر اوپر کی گھڑیوں میں سے ایک گھڑی چھ آنہ میں لینا چاہتے ہیں۔ تو آپ پہلے ایک روپیہ چودہ آنہ بذریعہ منی آرڈر بھیجکر اپنا نام رجسٹر کرا دیں۔ ہم آپ کو پانچ عدد کوپن ٹکٹ ارسال کریں گے۔ آپ ان میں سے چار عدد اپنے چار دوستوں کو ہر ایک چھ چھ آنہ میں فروخت کر دیں۔ آپ کو مبلغ ایک روپیہ آٹھ آنہ نقد وصول ہونگے۔ پھر آپ اپنے انہیں چار دوستوں کو کہیں کہ وہ ہر ایک ایک روپیہ آٹھ آنہ ہمیں بھیجیں کے جو آپ سے خریدا تھا بذریعہ منی آرڈر ہم کو بھیجکر آپ کی طرح پانچ پانچ کوپن ہم سے منگوائیں۔ اور آپ کی طرح ان میں سے چار عدد اپنے چار دوستوں میں فروخت کر دے۔ جس وقت آپ کے چاروں دوستوں کے روپے مع کوپن یا کوپن نمبر ہمارے پاس پہنچ جاویں گے۔ تو ہم آپ کو نہایت اعلیٰ اور خوشنما گھڑی ارسال کر دیں گے۔ آپ کے وہ چاروں دوست بھی آپ کی طرح گھڑی لے سکتے ہیں۔ کیسا اچھا سودا ہے۔

جرمن دوربین

جرمن دوربین۔ قیمت کے لحاظ سے نہایت عمدہ اور تفریح کا نادر تحفہ۔ تھیٹر کے سٹیج کا منظر اور دور کی چیزیں دیکھنے میں نہایت کارآمد چیز ہے۔ قیمت

جیبی چھاپہ خانہ

اس کے ذریعے آپ بلا مدد پریس کارڈ۔ لیبل اور ایڈریس وغیرہ خود چھاپ سکتے ہیں۔ جس نام کی چاہیں بنالیں۔ یہ ایک مکمل بکس ہے جس میں انگریزی حروف ہیں۔ بڑا سائز۔ دوم ۔ سوم ۔ چہارم

کپڑوں پر بیل بوٹے نکالنے کی مشین

ہر ایک گھر میں ضرور ہونی چاہیے۔ یہ مشین کپڑوں پر بیل بوٹے۔ رومال۔ ٹوپیاں۔ آسن۔ سایہ اور دیگر بے شمار چیزیں بناتی ہے۔ ہزاروں بک چکی ہیں خریدار کو کام دفتر میں مفت سکھایا جاتا ہے۔ قیمت رعایتی ۔ درجہ دوم ۔ محصول ڈاک معاف۔ تفصیل حالات مفت طلب کریں۔ نقالوں سے بچتے رہیں +

حیرت انگیز قینچی

یہ قینچی چودہ اوزاروں کا کام دیتی ہے مثلاً سگار کترنا۔ ناخن تراش۔ دوا پیمانہ۔ ہتھوڑا وغیرہ بڑے کام کی چیز ہے۔ قیمت ۔ محصول معاف۔

فوٹو ہینڈ کیمرہ۔ اس میں فوکس ملانے کی ضرورت نہیں۔ جب دل چاہے۔ اڑتے جانور۔ چلتے پھرتے آدمی اور دوڑتی ریل کا فوٹو اتار لو۔ سلائیڈ اور فوکسنگ گلاس مفت۔ بڑا سائز ۔ چھوٹا سائز ۔ محصول ڈاک معاف۔

کارآمد سفری چولہا

اس میں سپرٹ جلتی ہے۔ جو سر کے سہارے سے ... سالن بھاجی اور چاء وغیرہ فوراً تیار ہو جاتی ہے۔ پیتل کا بنا ہوا ہے۔ قیمت

کپڑے سینے کی مشین

سلائی کرتی ہے۔ لڑکیوں کو کام سکھانے کے لئے مفید اور اعلیٰ چیز ہے ... ۷ × ۷ انچ ہے۔ قیمت رعایتی ... محصول ڈاک معاف۔

سینما میٹوگراف

اگر آپ گھر پر عجیب و غریب نظارے دیکھنا چاہتے اور اپنے عزیزوں کا دل بہلانا چاہتے ہیں سینما میٹوگراف منگوائیں۔ فلم اور ریلیٹ مفت دیئے جائیں گے۔ درجہ اول ... درجہ دوم ... سوم ...

بجلی کے جیبی لیمپ

... لیمپوں میں ... صرف بٹن دبانے سے روشنی ہو جاتی ہے ... بیٹری ... مفت دی جاتی ہے۔ ایک رنگ کی روشنی والا ... تین رنگ کی روشنی والا ... محصول

...

... سر خرد ہونا

لگائے عمل ... تجربہ ... حمام ... کونٹ ...

سائی ہوتی ... خواہ کیا ... جب تک ... دگامیں ... ری کی حلیفہ ... ہوتا ہیں

... رمین
$\frac{2}{12}$
... پر پانچ بصورت
... ان قیمت پر

قیامت ... واحد
مدیر پیمانہ کا ... اینڈ کمپنی
کی ہر ... لوٹ
قیمت رعایت ... دلفا لوں
... کے دہوکے

ایک بالکل
اردو لٹریچر

بے پردگی

مولانا عبد

عرفان
تصرف و
جذبات

نعمت غیر مترقبہ

حصول دولت و مسرت

اس کتاب کے ذریعہ مفلس اور اوسط درجہ کے آدمی جلد دولتمند ہو جائینگے

اور دولتمند اصحاب اپنی دولت کو بے انتہا فروغ دے سکیں گے۔ قرضہ

اور سود کی مصیبتوں سے نجات پائیں گے۔ کوئی صاحب اپنی آمدنی کے محتاج نہ

رہیں گے اگر آپ زندگی کے ضروری مرحلوں تاجرانہ رازوں نیز کفایت

شعاری کے طریقوں، انمول نصیحتوں اور دیگر بے انتہا مفید باتوں سے واقف

ہو کر عزت آبرو، بے فکری، آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کرتے ہوئے

ہمیشہ خوشحال آسودہ خوشدل اور بشاش رہنا چاہتے ہیں تو ضرور منگائیں یہیں دس بابتیں

قیمت مجلد کتاب ایک روپیہ ۱عہ

انمول نصائح سوا سو نصیحتیں صدہا روپیہ کا فیض پہنچانیوالی بالکل مفت منگائیے

ملنے کا پتہ: مشہور عام کتبخانہ محلہ سرائے بالا علیگڈھ سٹی

ایک رات میں کالا جادو

آپ بھی اگر زندگی کا حظ اٹھانا چاہتے ہیں دنیا میں آزادی اور

چاہتے ہیں عقبیٰ میں تو کسی پری رخسار سے دل

حب کا ایک نہایت سہل الحصول پر تاثیر اور مجرب بشرط

نقیر سے ہمارے ہاتھ لگا ہے صرف ایک رات میں

ہے کسی دریا کے کنارے یا قبرستان جانا نہیں پڑتا۔

ہی بہتر دل کیوں نہ ہو ہائے آپ کیطرح تڑپ اٹھیگا۔ اور

ملاقات نہ کریگا اسکو کسی پہلو قرار نہ آئیگا تا زیست علیحدہ نہ

نسخہ بمعہ کافی قواعد صرف دو روپیہ (بشرط) راز داری

تحریر ہمراہ آنی لازمی ہے ورنہ تعمیل ہرگز نہ ہوگی دجملہ حقوق محفوظ

دی آل انڈیا میجیکل ہاؤس ملتان شہر

دو ... سرخرو ہونا ... لگاتے عمل ... مجرب نسخہ ایک ... بیا مسابی ہوتی ... مجرب خواہ کیسا ... حب تک ... دگا فیر ... ری کی علیحدہ ... ہونا ہیں

گدڑی میں لعل

سچ کہتا ہوں کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے
منظور ہے گذارش احوال واقعی

آج دنیا کو میں اُس بزرگ ہستی سے متعارف کرانا چاہتا ہوں جو باوجود کمال علوم ظاہری و باطنی کے دنیا میں شہرت حاصل کرنا نہیں چاہتے اور جنہوں نے اپنی زندگی کا اصل الاصول ہی بقول علامہ اقبال یہ

"شہرت کی زندگی کا بھروسہ بھی چھوڑ دے"

مدار دے رکھا ہے عالم طبابت میں گمنام اور بے لوث زندگی بسر کر رہا ہے۔ حالانکہ دنیائے طب کو ایک شخصیت کی ضرورت ہے جو دنیا کی موجودہ فضا کو تار عنکبوت کیطرح توڑ کر پاے حقارت سے مسل دے۔ اور ایس کلنک کے ٹیکے کو جو موجودہ اشتہاری حکیموں نے مادر وطن کی پیشانی پر لگا رکھا ہے اسطرح مٹا دے کہ صفحہ روزگار پر انکا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔

خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس بار گراں کو حضرت مولانا مولوی جناب حکیم سید عبدالخالق صاحب ندیا نہ تونے اپنے سر لیا ہے آپ درویش صفت اور مرنجاں مرنج آدمی ہیں۔ اور مجھے بفضل ایزدی امید پوری ہے کہ وہ اس کام کو بخیر و خوبی سر انجام دیں گے اور اُن مریضوں کو جو کچھ تو اپنی بدافعالیوں اور کچھ اشتہاری حکیموں کی زیدہ دلیریوں کا شکار ہو کر اپنی زندگی کو موت کے انتظار میں بسر کرتے ہیں عیسےٰ صفت ہمارا دیگر انہیں دوبارہ اس قابل بنا دینگے کہ وہ میدان کارزار میں فخر سے قدم آگے بڑھا سکیں۔ آپ کے جد امجد حضرت مولانا مولوی حکیم سید وجیہہ الدین صاحب اور مولانا مولوی حکیم سید بدر بخش صاحب ریاست بہاولپور میں بڑا نام پیدا کر چکے ہیں تجربہ ثابت کر رہا ہے کہ ہندوستان میں ۹۵ فیصدی ایسے نوجوان ہیں جو اپنے ہاتھوں اپنی بیماری اور بیش قیمت زندگی کو تباہ و برباد کر چکے ہیں اور یہی نوجوان ہیں جن پر ملک کی آئندہ ترقی کا دارومدار ہے مگر یہ شرم و حیا انہیں اپنی جسمانی ترقی سے روکتی ہے تو وہ ملک و قوم کی ترقی میں کب ممد و معاون ہو سکتے ہیں ان کے دماغ معطل۔ حوصلے پست۔ اعضا کمزور ارادے متزلزل۔ رنگ زرد۔ گویا یہ بڑکے تیلے ہیں کہ کسی نامعلوم طاقت سے گردش میں ہیں پیارے نوجوانو بہائیو خدا کیلئے اپنی حالت پر رحم کرو اور بیجا شرم و حیا کو اس وقت تک کے لئے اٹھا رکھو کہ تمہاری شریک زندگی جو یقیناً تمہاری ہمراز ہوگی تمہیں نظروں سے گرا دے۔ آؤ اور خدا پر بھروسا رکھتے ہوئے درازی زندگی نو۔ کا ایک بکس استعمال کرو یہ ادویات انشاء اللہ العزیز دو تین ہفتہ میں تمہیں اس قابل بنا دینگی کہ تم دنیا میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر سکو یہ ادویات تمام کمزوریوں کے لئے نہایت فائدہ بخش ثابت ہو چکی ہیں۔ دوا منگواتے وقت عمر اور بیماری کی کیفیت پورے طور پر تحریر کریں خط لکھتے وقت اعتبار رسالہ کا حوالہ ضرور دیں خط و کتابت محفوظ رکھی جاتی ہے قیمت بکس درازی زندگی، چھ روپے علاوہ محصولڈاک قیمت فی شیشی ...

جوانی کی ۶۴ تصویریں

قیامت کے رنگوں اور فردوسی کیفیتوں میں نہایت نظر فریب دلکش اور دلپذیر دکھنی ہوئی تو حضرت ساغر نظامی (علیگ) مدیر پیمانہ کا مجموعہ رباعیات ملاحظہ فرمایئے - ۶۴ رباعیاں پاکٹ سائز نہایت جلی اور خوشخط چھاپی گئی ہیں "شبابیات" کی ہر رباعی جوانی کی ایک خوبصورت اور قابل دید تصویر ہے اُردو کا ایک عدیم النظیر نمونہ ہے بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں قیمت رعایتی ۶ر -

ہلاک جستجو

ایک بالکل نیا افسانہ جس نے شائع ہوتے ہی ہندوستان میں دھوم مچادی جس کی رسالوں میں تنقیدیں بھی ہوئیں - اردو لٹریچر کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے بہ اعتبار واقعات محیرالعقول ہے - قیمت فی جلد رعایتی ۴ر

دغا

بے پردگی کے مہلک نتائج پر ایک عجیب وغریب باثر ناول - سچا واقعہ - زبان نہایت سلیس - قیمت فیجلد ۸ر

نور ایمان

مولانا عبدالسمیع صاحب بیدل مصنف انوار ساطعہ کا مشہور ومقبول نعتیہ دیوان - میلاد شریف گھر نہیں پڑھنے کے قابل قیمت ۱ا

بہار معرفت

عرفان ومعرفت کے رنگ میں ڈوبا ہوا مجموعہ کلام - جناب حاجی محمد عمر صاحب عمر اکبرآبادی کا دلچسپ اور قابل دید دیوان تصوف کی منزلیں طے کرنے کا آسان ذریعہ - مجاز وحقیقت اور کثرت ووحدت کا عجیب وغریب آئینہ - عاشقانہ اور صوفیانہ جذبات کا جلوہ خانہ - مع تصویر مصنف قیمت عہ

فضائل آیتہ الکرسی

آیتہ الکرسی کی فضیلتیں اور بطور عمل پڑھنے کے مجرب، مفید اور مستند طریقے - حل مشکلات کی آزمودہ ترکیبیں - شائقین اوراد وظائف کے لئے ایک انمول تحفہ - قیمت مجلد ۱۰ر

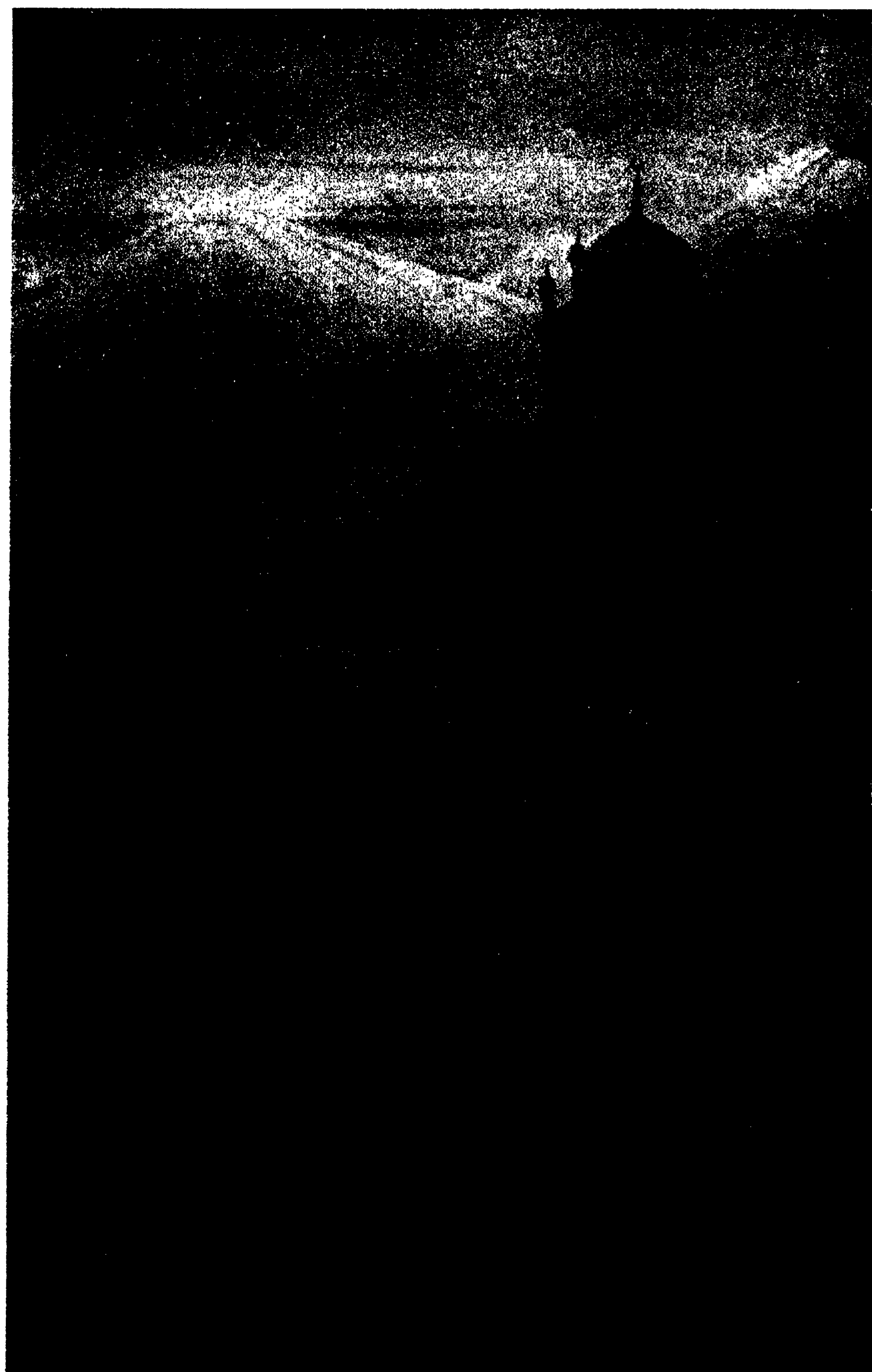
کشمیر کا مستقبل

جناب ساغر نظامی کی ایک الہامانہ نظم جو سال گذشتہ میں کشمیر کانفرنس گجرانوالہ میں پڑھی گئی تھی - ہر بند سے ایک جوش اور ایک پیام ٹپکتا ہے - شاعرانہ پیشین گوئیاں دماغ میں محفوظ کرلینے کے قابل ہیں - قیمت صرف ۲ر

ناظم قصر الادب پیمانہ بک ایجنسی آگرہ سے طلب فرمایئے

محصول ذمہ خریدار

(ایک روپیہ سے کم قیمت کی کتابیں روانہ نہیں کیجاتیں) سب کتابیں ایک ساتھ منگوا لیجیے تو آپ سے محصول نہ لیا جائے گا - منیجر



شہیدِ عشق کی

(اثر:— عابد بسال سیمابی)

سیاہی پھیلتی ہے جب چمکتے آبشاروں پر — شفق جب خون برساتی ہے دھندلے کہساروں پر
فضائے دشت سے اڑتے ہیں شعلے سنگ بن بن کر — اداسی بن کے چھا جاتی ہے حسرت سوگواروں پر
پہن کر حاملانِ چرخ اپنے ماتمی حلّے — ردائے شب بچھا دیتے ہیں اکثر یادگاروں پر
حجابِ شام میں چھپ کر نقابِ خامشی بر لب — حسیں آتے ہیں لے کر ہاتھ میں شمعیں مزاروں پر

ہوائے گرم آہِ سرد بن کر [illegible] چلتی ہے
عروسِ شام عبرت سیرِ غربت کو نکلتی ہے
نظر کے ساتھ ہر منظر کی اک دنیا بدلتی ہے

وہ افسردہ نگاہی اور ویرانی خیالوں کی — تخیّل کی وہ لرزش اور وہ کاوش ملالوں کی
مٹا دینا وہ شانیں حسن کی چیں بر جبیں ہو کر — چھپا لینا لٹیں وابستہ لیلیٰ فام بالوں کی
رہِ دشوار و پائے ناز، پھر اس پر یہ محویت — نہ کچھ کانٹوں کی پروا ہے نہ کچھ پروا ہے چھالوں کی
ہیں وجہِ تیرگیِ ظلمتِ آثار اب سمجھا — بکثرت جمع ہو جاتی ہیں روحیں مرنے والوں کی

غمِ ماضی سے ہو کر سیر سیرِ حال کرنے کو
چلی آتی ہیں خود زائر کا استقبال کرنے کو
شکستِ حال کا نظارہ پامال کرنے کو

نشاں پیدا کیا اے مرنے والو بے نشاں ہو کر — نمودِ دائمی کی تم نے حاصل رائیگاں ہو کر
ہزاروں ذرّے کر دیتا ہے پیدا چشمِ بینا میں — تمہارا خون اب تک لالہ زار آسماں ہو کر
ہٹے تھے کارواں سے دور ہو کر راہِ الفت میں — ابھر آئے نشانِ جادۂ صد کارواں ہو کر
فسانوں کو تمہارے رات دن دہرائے گی دنیا — رہو گے صفحۂ ہستی پہ باقی داستاں ہو کر

مٹائے لاکھ کوشش سے زمانہ مٹ نہیں سکتا
فنا سے بھی فروغِ عاشقانہ مٹ نہیں سکتا
کبھی اس طرح مٹنے کا فسانہ مٹ نہیں سکتا

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۶۲۱

قیمت سالانہ (صہ) | قیمت ششماہی (سے) } ہندوستان میں

تعارف

ممالک غیر سے { قیمت سالانہ (آٹھ روپیہ) | قیمت ششماہی (صہ)

جلد نمبر (۵)

پیمانہ نومبر سنہ ۱۹۲۶ء

نمبر (۶)

تصاویر:- (۱) شہید عشق کی تربت (رنگین) (۲) بحری منارۂ روشنی (۳) یونان کا قدیم ترین محل یا پارتھینون)

جرعات

پیمانہ کے شائع ہوتے ہی ملک کے ہر گوشہ سے اسقدر تہنیت نامہ وصول ہوئے کہ پیمانہ کی مقبولیت کا مجھے قطعی یقین ہو گیا معلوم ہوتا ہے کہ پیمانہ کا فراق حقیقتاً ارباب انتظار پر شاق تھا اب مجھے اس کی اشاعت پر ایک نازش آمیز خوشی ہے اور میں ان تمام احباب کا شکرگذار ہوں، جنہوں نے خطوط اور تاروں کے ذریعہ میری عیادت اور "پیمانہ" کی نوازش فرمائی ہے۔

گذشتہ نمبر میں میرے محترم بزرگ مولانا سیماب مدظلۂ العالی نے جن محبت آمیز الفاظ میں میری ان محنتوں پر ریویو کیا ہے جو میں نے اپنی ادارت کے تھوڑے زمانے میں "پیمانہ" پر صرف کیں، میں انکا شکریہ ادا کرنا اپنی عین سعادت سمجھتا ہوں اور اسی انتہائے ہمدردی تسلیم کرتا ہوں، کہ مجھے ناتواں دیکھکر مولانا نے پیمانہ کا بار اپنے بازوں پر بھی لے لیا میں پیمانہ کے ذریعہ ارباب ذوق کی جو خدمت کر رہا ہوں اس سے سبکدوش ہونا خود میرے لئے غیر ممکن ہے کہ سیکر شباب کی نہ رکنے والی موجوں کے لئے پیمانہ کے سوا اور کہاں گنجائشیں نکل سکتی ہیں، پیمانہ نے ادب اردو کا شباب چمکایا ہے اسی مطلق سے ناطق بنایا ہے اور اُسکے عرض میں جوہر پیدا کئے ہیں پیمانہ میری انتہائے مسرت کا ایک پیکر ترکیبی ہے جس سے جدا ہونا گویا میری روح کا اپنے جسم سے جدا ہونا ہے پیمانہ میرا ہے اور میں پیمانہ کے لئے ہمہ وقت وقف وثار رہوں۔

میرے مکرم و محترم دوست سید علی اصغر صاحب ناظم نیما ہیڑہ نے اگست ۱۹۲۶ء کے "مرقع" میں مجھے اپنی اس لغزش کی طرف توجہ دلائی ہے جو اکتوبر ۱۹۲۵ء کے پیمانہ میں میرے قلم سے نادانستہ ہو گئی تھی قلم کی جمع قلمین "میرے مذہب میں بھی غلط ہے "مختلف قلم مرتب کرینگے"، صحیح ہے میں قلم کی تذکیر کا مؤید ہوں اور اسکا ثبوت میرا وہ مضمون ہے جو فروری ۱۹۲۵ء میں "میرے قلم کا مذہب"، کے عنوان سے پیمانہ میں شائع ہو چکا ہے میں ان توجہ نمائی کا شاکر ہوں لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ اس قسم کی لغزشوں کا بار راقم کے کاندھوں پر ڈالنا اصابت نظر کے خلاف ہے ایسی لغزشیں کس سے نہیں ہوتیں، اور کہاں نہیں ہوتیں؟ "مرقع" کے زیر بحث نمبر میں صفحہ ۱۵- پر بعنوان "تحقیقات امیر" جو نوٹ حضرت وصل بلگرامی نے دیا ہے اس کا یہ جملہ ملاحظہ فرمائیے۔

"و مجھے امید ہے کہ اس سے بہت کچھ صاحبان ذوق تحقیق کو فائدہ پہونچے اور میرا یہ انتخاب ملک کیلئے کار آمد ثابت ہو" ظاہر ہے کہ یہاں "مجھے امید ہے" کا محل استعمال باتفاق رائے غلط تسلیم کیا جائیگا لیکن یہ بھی ایک لغزش ہے جس کا الزام حضرت وصل بلگرامی پر نہیں لگایا جاسکتا، اور ذہن خود اس لغزش کی تلافی کر سکتا ہے۔

نہایت مسرت کا موقع ہے کہ مجلس اضعان قانون صوبۂ متحدہ آگرہ واودھ کے اجلاس منعقدہ اپریل ۱۹۲۶ء میں آنریبل وزیر تعلیمات نے ہندوستانی اکاڈمی کے قیام وانعقاد کے لیے پچیس ہزار روپیہ کی منظوری دیدی، گو یہ رقم آنریبل وزیر تعلیمات کی نگاہوں میں بھی حقیر ہے تاہم ابتدائی امور کی انجام دہی کے لئے غنیمت ہے۔ اکاڈمی کی تحریک پنڈت بچن نرائن اپادھیا نے دسمبر گذشتہ میں کی تھی، اور حافظ ہدایت حسین صاحب۔ ایم۔ ایل۔ سی بیرسٹر ایٹ لا کانپور نے، ۱۷ اپریل ۱۹۲۶ء کو تحریک مزید کی۔

ہم ان دونوں ادب دوست اور علم نواز حضرات کی اس بیدار خیالی کا اعتراف کرتے ہوئے حکومت سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ جلد از جلد اکاڈمی کے متعلق ایک اسکیم مرتب کر دے تاکہ تحریک فضائے عمل میں رونما ہو، اس اکاڈمی سے صوبۂ متحدہ میں علمی ترقیوں کا امکان یقیناً صحیح و سریع ہو جائیگا۔ کیونکہ ملک کی مشترک و مستند زبانوں کو اس سے ایک معتد بہ فائدہ پہونچنے کا قطعی یقین ہے۔

میں اب خدا کے لطف سے اچھا ہوں تبدیل مقام کی خوشگواریت برابر اثر کر رہی ہے فضائے پنجاب کی عدم نوازش کا ممنون ہوں اور وطن کی نوازش کا شاکی کہ نگارستان حسن وصحت کی سیر مستقل سے محروم کر دیا مگر اس مراجعت پر میرے ایک دوست نے مجھے خوب یاد دلایا کہ "محمود غزنوی بھی ہندوستان پر پہلے ہی حملے میں فتحیاب نہیں ہو گیا تھا" تاہم مجھے مسرت ہے کہ گو میں پنجاب میں نہیں ہوں لیکن میرے صوبہ کے اکثر فاضل دوست پنجاب میں اپنے فیضان قلم سے آبیاری فرما رہے ہیں۔

اس اشاعت میں "مقدس سانپ" کا باقی حصہ بوجوہ شائع نہیں ہو سکا لیکن دسمبر میں انشاء اللہ تعالیٰ یہ فسانہ تمام وکمال شائع کر دیا جائیگا، ناظرین بد دل نہ ہوں۔

ساغر نظامی

ادبیات

خلاصۃ الباب:-

نواب عماد الملک علامہ سر سید حسین بلگرامی مرحوم

بلگرام اپنی مردم خیزی کے اعتبار سے ایک نہایت ممتاز خطہ ہے، جس نے نواب عماد الملک جیسے درخشندہ گوہر پیدا کئے۔ مگر افسوس کہ انقلاب روزگار انکی قدر نہ کرسکا۔ نواب عماد الملک بہادر ہندستان کے اُن مخصوص اصحاب علم و فضل میں سے تھے جنکی موت پر قیامت تک دنیا آنسو بہائے گی اور جن کا نعم البدل سو سال ہوکر گذر جانے کے بعد بھی آسمان پیدا نہ کرسکیگا۔ مرحوم ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے پندرہ سال کی عمر میں عربی کی تکمیل کی۔ بی اے کی ڈگری حاصل کی پھر کیننگ کالج لکھنؤ میں پروفیسر رہے۔ لکھنؤ ٹائمز کی ادارت کی، ۱۸۷۳ء میں سرسالار جنگ اول نے آپ کو حیدرآباد بلالیا۔ یہاں آکر آپ انکے پرسنل سکریٹری رہے، برار کے مسئلہ کو سلجھایا، انگلستان کا سفر کیا، پھر حیدرآباد میں ناظم تعلیمات ہوئے، معتمد امور عامہ قرار دیئے گئے اور اسکے بعد حضور نظام کے پرائیوٹ سکریٹری مقرر ہوگئے۔ —— دوران ملازمت میں ہز ہائینس میر محبوب علیخاں مرحوم سابق نظام حیدرآباد، موجودہ سلطان دکن اور ولیعہد بہادر کی اتالیقی کا فخر بھی نواب عماد الملک مرحوم کو حاصل ہوا۔ مدرسۂ عزہ، مدرسۂ فوقانیہ، مدرسۂ نسوان، قائم کئے۔ اورنگ آباد و حیدرآباد اور ورنگل میں صنعتی مدارس کھولے۔ دار العلوم کا افتتاح فرمایا، کتب خانۂ آصفیہ کی بنیاد رکھی، دائرۃ المعارف قائم کیا۔ اور سینٹرل ٹریننگ اسکول قائم کرکے معلمین کیلئے ایک خوشگوار راستہ کھولدیا —— گورنمنٹ کی طرف سے ۱۹۰۲ء میں یونیورسٹی کمیٹی کے رکن مقرر ہوئے ۱۹۰۷ء میں وزیر ہند کی کونسل کی رکنیت حاصل کی، سی ایس آئی کا خطاب پایا، ۱۹۰۹ء میں مشیر المہام مقرر ہوئے اور حیدرآباد کی ملازمت سے دستکش ہوگئے —— مرحوم عربی، فارسی، انگریزی، فرانسیسی اور بنگالی کے ادیب تھے۔ کتب بینی کا بڑا شوق تھا۔ آپکی ذاتی لائبریری بہت جامع تھی۔ بلگرام میں عماد الملک لائبریری بھی آپ ہی کی یادگار ہے۔ اور آپکے ادبی کارنامے دور حاضرہ کی صحافت میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہیں —— افسوس کہ یہ سب کچھ کرچکنے کے بعد ۳ جون ۱۹۲۶ء کو آپ نے کشمکش زار ہستی کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ دیا۔ اور دنیا آپ کے کمالات سے مستفید نہ ہوسکی ۸۴ برس تک ملکی اور قومی اصلاحات کرنے کے بعد جو شخص ہم سے علیحدہ ہوجائے، اُسکی علیحدگی بیحد افسوس اور ماتم کے قابل ہے۔ مگر ایسی موت تو موت نہیں کہی جاسکتی بلکہ یہ زندگی سے تعبیر کی جاتی ہے۔ زندگی کا مآل موت ہی ہے۔ پھر کیسی مبارک ہے وہ موت جسکا مآل زندگی ہو۔ اور وہ بھی جاودانی۔ مرحوم نے اپنی عمر عزیز کا معتدبہ حصہ اصلاح و فلاح قومی کی نذر کیا۔ اور ایک فاتح کی طرح مسرور و نازاں دنیا کو چھوڑ دیا۔ یہی بہترین مآل حیات ہے۔ جو ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتا آپ کے بعد آپکے خلف اکبر جناب نواب مہدی یار جنگ بہادر آپکی ایک زندہ یادگار ہیں اور مرحوم کا نقش صحیح سمجھے جاتے ہیں۔ آپ میں اپنے والد مرحوم کی بیشتر خصوصیات موجود ہیں جنکے اظہار و اعلان کا وقت آچکا ہے توقع ہے کہ نواب عماد الملک مرحوم کی وفات سے ملک میں جو کمی ہوگئی ہے، نواب مہدی یار جنگ کی اعلے قابلیت اور سلجھی ہوئی ذہنیت اُسے پورا کرسکیگی اور نواب عماد الملک کے انتقال سے جو زخم دلوں میں پیدا ہوگئے ہیں وہ آپکی مسیحا نفسی سے بہت جلد بھر جائینگے۔ ہمیں افسوس ہے کہ یہ مضمون رسالہ کی تعویق اشاعت سے وقت پر شایع نہ ہوسکا۔ لیکن ایک ایسا سانحہ، جسے ادبی رسائل میں بطور یادگار ضرور محفوظ رہنا چاہیے، وقت کی اس تاخیر کے بعد بھی ان اوراق سے نہیں نکالا جاسکتا۔

"غرض نقشیست کز ما یاد ماند"

ایڈیٹر

لسان العصر

(سید اکبر حسین اکبر الٰہ آبادی (مرحوم) اور اُن کے کلام پر ایک مسلسل و مبسوط تبصرہ)

(مسلسل)

(از:- میاں تصدق حسین — خالد - ایم - اے)

اکبر کا پیغام

مشرق اور مغرب کی شاعری میں جہاں اور بہت سا فرق ہے۔ وہاں ایک یہ بھی ہے۔ کہ مغرب میں ہر قابل شاعر رب النوع ہوتا ہے۔ وہ اپنا نصب العین قایم کرتا ہے۔ وہ اپنے ساتھ ایک نیا فلسفہ لاتا ہے۔ اسکا فلسفہ ہے چشم تخیل کے لئے حسن اور حقیقت کے نئے مناظر۔ تاکہ جیسا اس نے دنیا کو پایا اس سے بہتر چھوڑے۔ وہاں ہر شخص فطرت کا مطالعہ کرتا ہے اور ہمیشہ ایک نئے اور اچھوتے نتیجے پر پہنچتا ہے۔ اس سے ہماری مراد شعرائے مشرق کی تذلیل یا تضحیک نہیں۔ مشرق کے لئے اس شاعری کا پیدا کرنا ہی ناممکن تھا۔ صلاح الدین، خدا بخش مرزا غالب کے عنوان پر عرصہ ہوا انڈین ریویو میں تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"علم ادب قومی زندگی کا آئینہ ہے۔ اور قومی زندگی مختلف تاثرات کا ماحصل۔ ان تاثرات میں سے بعض انسان کے تابع ہیں اور بعض نہیں جیسا کہ آب وہوا۔ ماحول۔ ندرت طبعی۔ سیاسی آزادی یا سیاسی محکومیت۔ یہ اور بہت سے تاثرات اسقدر مبرہن ہیں کہ نظر انداز نہیں ہو سکتے۔ مثال کے طور پر کئی اصناف شاعری ایسی بھی ہیں کہ جو مشرق میں نمو نہیں پا سکتیں۔ مشرق بحری شاعری سے نا آشنا ہے جیسا کہ ہم ہائی نے یا سوبرن یا ھتیوڈا والٹ ڈنٹن میں دیکھتے ہیں مشرق — حریت اور آزادی کے ان رفیع نغموں سے معمور ہے جنہیں ہم مِلٹن۔ کولنز۔ شیلے۔ یا وکٹر ہوگیو کے ہاں پاتے ہیں۔ ہمارے یہاں حسن ولطافت کی وہ عبارت نہیں۔ جس سے کیٹس کا کلام مختص ہے ہمارے یہاں وہ لبریز امید اور ناقابل تسخیر .... بھی نہیں جن .... کی فطری تصنعت سے اور نہ ہمارے یہاں فطرت کی وہ جدید جدت ہے جو ورڈز ورتھ کا ایمان ہے۔"

[illegible]

صرف اسی ایک موضوع پر مرکوز ہونے میں۔ یہی سبب ہے کہ جدت کا کوئی موضوع ــ اور وسعت نہیں جو ہم یورپین شاعری میں دیکھتے ہیں۔ اور اسی لئے ہمارے یہاں جدت کی اس چاشنی کی کمی ہے۔ جس پر مصنفین فرنگ ہم پر طعنہ کناں ہیں"۔

چند ادب طراز ہستیوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے ولی دکن سے لے کر امیر و داغ و جلال کے زمانہ تک ہماری شاعری تنگ اور قدیم شاہراہ پر چل رہی تھی۔ کہ اگر دور جدید میں مغربی ادبیات کا مطالعہ اپنا اثر نہ دکھاتا۔ تو اردو شاعری فنا ہو چکی ہوتی۔ اور اب بھی اکثر دیکھنے میں آتا ہے۔ کہ اگر کوئی ادب آفرین ہستی اپنی ندرت نگاریوں سے کام لیتی ہے۔ تو "بیچارانہ تنقید" کا فتویٰ قضائے مبرم کی طرح نازل ہو جاتا ہے۔ کہ "قدیم شعرا کا تبحر فن اس سے اجنبی اور غیر مانوس تھا"۔

اکبر اردو کے ان نہایت ہی محدود شعرا میں سے ہے جنہوں نے ایک مخصوص موضوع سخن پر طبع آزمائی کی۔ کہ اس کا سبب ایک خاص حد تک عصر جدید ٹھیرا ــ اگرچہ اکبر کے انتخاب موضوع خصوصی کے اسباب اور ہیں جن کا ذکر ہم آگے چل کر کرینگے۔

اکبر کے کلام پر ایک نظر مجموعی ڈالنے سے پتہ لگ جائیگا۔ کہ وہ چیز جو اس کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے۔ یعنی "ظرافت انداز بیان اور مزاح آمیز رنگ سخن" ابتدائے کار سے اس کے حصہ میں نہ آئے تھے۔ اکبر حالیؔ کی طرح قدیم شاعری کا استاد مسلم الثبوت ہے اور اس کے دیوانوں کا ایک بڑا حصہ انہیں دقیانوسی، فرسودہ، پامال، مبتذل اور رکیک مضامین کا مجموعہ ہے "جس کے شکست و ریخت میں عمر کا بڑا حصہ ضائع کیا گیا ہے" جس سے کسی ترقی کی امید نہیں ہو سکتی جس میں ایک بھی ایسی محرک اثر کیفیت یا ولولہ انگیز جذبہ نہیں۔ جو دنیائے جدید کے آسمان زندگی کی طرف راہنما ہو سکے۔

اکبر کی ابتدائی شاعری ہجر و وصال، زلف و رخ، خط و خال، گل و بلبل اور مسی چوٹی کے طومار بے معنی سے بھری پڑی ہے۔ اور نہ ہی اکبر نے اس صنف سخن میں کوئی خاص امتیاز حاصل کیا۔

اخبار وکیل کے قابل مدیر نے ۷ ستمبر ۱۹۲۱ء کے مقالہ افتتاحیہ میں اکبر کے ابتدائی کلام کی عذر خواہی بدیں الفاظ فرماتے ہیں "کہ تمام نامور شاعروں کی یہی کیفیت رہی ہے۔ طبع کی خامی کی حالت میں عشق عریاں نظر آتا ہے۔ لیکن جب طبیعت میں پختگی اور رائے میں اصابت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو یہ رنگ غائب ہو کر زیادہ سنجیدہ صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور وہ پرانے قصے تقویم پارینہ بن کر رہ جاتے ہیں"۔

اگرچہ ہر پرانا قصہ زمانہ کی دست برد سے تقویم پارینہ نہیں بن جاتا تاہم اہل بصیرت کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ کہ اکبر کی ابتدائی کامگاریاں جلد روشناس عدم ہو جائینگی۔ ہم فاضل نقاد کی اس عذر خواہی سے بھی ہم خیال نہیں۔ جو پامال شدہ مضامین، سطحی خیالات اور غیر پسندیدہ جذبات کے نظم کرنے کو طبع کی خامی کا نتیجہ بتاتی ہے۔ ہم یہاں یہ نہیں کہنا چاہتے۔ کہ اکبر نے ان مضامین کو کیوں نظم کیا وہ ایسا کرنے پر مجبور تھا۔ وقت اور واقعات اس قسم کے تھے کہ اسے ہر قسم کے خیالات نظم کرنے پڑتے تھے شاعری کے پیشرو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے متقدمین کے بعد شعرا اور اکبر کی طرز میں بہت فرق تھا ....

یہاں تک کہ خود آجتک بھی "تمہاری زلف خود دل مانگ لے گئی" کے اخلاق سوز اور بے ہنگام نغمے الاپے جارہے ہیں اور پیران ایاس تک پہنچنے کی وجہ سے عشق کے ناقابل اور بچوں کی طرح معصوم ہوچکے ہیں۔ ان تقدس آلودہ خیالات پر کرسے

صاف تھا جب تک کہ مطلع تو جواب صاف تھا　　　اب جو خط آنے لگے شاید کہ خط آنے لگا

فدائے سخن مانا جاتا ہے۔

اکبر نے چھوٹی عمر میں شعر کہنا شروع کیا۔ اور جیسا کہ مشرق میں ہر شاعر کے لئے ضروری خیال کیا جاتا ہے وحید الہ آبادی کے شاگرد ہوئے جنہیں ناسخ یا آتش سے شرف تلمذ تھا اس کی شاعری میں لکھنؤ کا مذاقِ سخن اسی لئے زیادہ نمایاں ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ اکبر کے کلام میں وہ آتش بیانی یا وہ جوش ہے جو آتش کی شاعری کی خصوصیات ہیں البتہ اکبر کا رنگ طبیعت شعرائے لکھنؤ کی تتبع سے وہی ہوگیا جو اکثر شعرائے لکھنؤ کا ہے۔ لیکن اکبر اپنے ساتھ ایک زود اثر طبیعت لایا تھا۔ وقت حالات اور چند مسلسل واقعات نے اس کے رنگ سخن کو بدل ڈالا۔

اکبر اور الم پرستی

غالباً اسکی روشنی کافی تیز ہے کہ ہر شاعر اپنے عہد کی ملکیت ہوتا ہے کیونکہ ایک زبردست شاعر یا مہتم بالشان ہستی کی تائید گی اس کے ماحول کے ساتھ بالالتزام ہم آہنگی ظاہر کرتے ہوئے بتاتی ہے کہ وہ اپنے گرد وپیش ہی کا نتیجہ ہے۔ ہر ایک عصر اپنے ساتھ ایک ایسا عنصر لاتا ہے جس کے رُعب انگیز غلبہ کے آگے ہر شخص سر تسلیم ہی خم کردے پروفیسر ہڈسن لکھتا ہے:۔

"دنیا میں بڑے سے بڑا انسان بھی چاہے وہ غیر معمولی خداداد ذہانت اور اکتسابی ملکہ کا اہل ہی کیوں نہو ناگزیر اُس سوسائیٹی کی تہذیب، دماغی اور اخلاقی رجحان اور مقاصد کے سانچے میں ڈھل جائیگا جسمیں وہ پیدا ہوا ہو اس لئے اس کی تصانیف کا رنگ بھی ایک معتد بہ حصہ تک انہیں تاثرات کا نتیجہ ہوگا"

اگر ایک زبردست شخصیت زمانہ آفریں ہوتی ہے۔ تو وہ اُس کے ساتھ ہی اپنے عصر کے تاثرات کو بھی قبول کرلیتی ہے اور اسکی تصانیف کی کامیابی (خواہ وہ کتنی ہی جدت طراز کیوں نہو) قبول عامہ پر منحصر ہوتی ہے۔ اب لوگوں کی طبیعت کا رجحان اس کی طرف پلٹ آیا ہو۔ یا اس نے عالم رجحان کو پیش از وقت معلوم کرلیا ہو ان معنوں میں چونکہ مصنف اپنے عصر کا نتیجہ ہوتا ہے اسلئے اسکی تصانیف کو ٹھیک طور پر سمجھنے کے لئے ہمیں ان تاثرات کی نوعیت کو دیکھنا ہوگا جو اسکی خیالات کی تشکیل کے باعث ہوئے جنہوں نے اس کے مذاق کی رہنمائی کی اور اس کے کلام کو امتیاز خصوصی بخشا۔

بعض اوقات یہ تاثرات محض ادبی ہوتے ہیں۔ یعنی تصانیف یا مصنفین کا اثر مثلاً بر سبیل تذکرہ اگر جدت آفرینی طبیعت اور رفعت تخیل نے کلام اقبال کو کتنا ہی "حسن اور حقیقت" کا مجموعہ بنا دیا ہے۔ پھر بھی اسے مغربی ادب کے مطالعہ کا نتیجہ ہی کہا جائیگا لیکن وہ تاثرات جو اکثر ادبیات کی دنیا میں انقلاب برپا کرتے ہیں۔ ادبی نہیں ہوتے وہ تاثرات تصنیفات یا مصنفین سے نہیں بلکہ عام زندگی، سیاسیات اور سوسائٹی سے وابستہ ہوتے ہیں۔ ہر وہ چیز جو ایک عصر کی زندگی میں تازہ خیال

اور دلچسپیاں پیدا کردے۔ ہر وہ اثر جو اسکے خیالات اور حیات کے وجود تسلسل میں تنوع کی روح پھونکدے۔ ادبیات کی تصنیف میں متاع زندگی ہوکر داخل ہوتا ہے ہمیں کبھی کسی ایسی کتاب کا خیال ہی نہیں کرنا چاہیئے۔ جسے وقت اور ملک کے تاثرات سے محفوظ ہوکر لکھا گیا ہو۔

اگر کرامول کے عہد کی تمام کتابوں میں مذہبی رنگ ضیا پاش ہے تو **انقلاب فرانس** کے محشر زا عصر میں ہر شاعر نوائے حریت بلند کرتا ہوا اُٹھتا نظر آتا ہے۔ خود اردو ادب کی موجودہ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ہر مصنف کو اپنے عہد کے تاثرات قبول کرنے پڑتے ہیں اور اس کے خیالات قومی زندگی اور قومی جذبات کا آئینہ ہوتے ہیں۔ لیکن اس موقع پر اس امر کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ تمام متمیز ہستیاں جو دنیا میں کسی شعبے میں طرۂ امتیاز حاصل کرتی ہیں۔ وقت اور حالات کو تبدیل کرنے میں اکثر کامیاب ہوتی ہیں۔

اکبر کا بچپن غدر کے پُرآشوب زمانہ میں گذرا جبکہ اسلام کے جاہ وحشم کی سرفرازیاں ہندوستان پر سات سو سال جلوہ گر ہوکر ہیں کے زوال اور خاک میں سپرد بیکسی ہوگئیں۔ یہ زمانہ ایک ایسا زبردست انحطاط کا زمانہ تھا کہ اسلام کی شان و شوکت ختم ہو رہی تھی۔ جاہ و وقار چھن چکا تھا۔ مسلمانوں کا ستارۂ اقبال افق ہند پر جھلملایا۔ اور جھلملا کر رہ گیا ؎

نحوست پس و پیش منڈلا رہی تھی فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی تھی

اس کے بعد سر سید مرحوم کا دور آیا۔ اور وہ تمام تمدنی۔ مذہبی۔ تعلیمی اور ملکی مشاغل جو ان کی ذات بابرکات سے وابستہ ہیں اکبر کی آنکھوں سے گزرے۔ مسلم لیگ۔ نیشنل کانگریس۔ اور ایجوکیشنل کانفرنس وغیرہ ہم جو دورِ حاضرہ کی سیاسی اور علمی مجالس ہیں اسی زمانہ میں معرض وجود میں آئیں انکی مفصل تاریخ یا اُس زمانہ کے حالات کا بالتفصیل تذکرہ چنداں ضروری نہیں کیونکہ یہ واقعات حاضرہ ہیں جن سے جملہ احباب واقف ہیں۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ شاعری پیغمبری کا جزو ہے۔ شاعر اہل ملک اور اہل قلم کے لئے ایک پیام لاتا ہے یہ پیام اکثر ملک اور قوم کو رفیع بنانے کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ وہ ہر صورت پہلو اور طریقہ سے اپنا پیغام پہنچاتا رہتا ہے یہ پیام شاعر کی حسیات طبعی حقیقت فطرت اور اضطرار جذبات کا آئینہ ہوتا ہے۔ وہ واقعات کا عمیق مطالعہ کرتا ہے وقتی حالت پر ایک پرجوش نظر ڈالتا ہے۔ معاملات تمدنی اور سیاسی کہ جن میں قومی ہیجان اور ملی حیات کا راز مضمر ان کی تہ تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے دل و دماغ تعجب انگیز خیالات اور علویات کی جولانگاہ بنے رہتے ہیں اسکی زندگی محشرستان خاموش ہوتی ہے اور بالآخر اسکے واردات قلبی اور احساسات ذہنی ایک پیام کی صورت اختیار کرلیتے ہیں۔ ملکی اور ملی خدمت کو اپنا فرض موقت اور کار منصبی سمجھتے ہوئے وہ جس پیام کو زندگی کا ماحصل سمجھتا ہے قوم اور ملک کے کانوں تک پہنچا کر رہتا ہے اُس کی سب سے بڑی آرزو یہ ہوتی ہے کہ اسکو درس عمل بنا دیا جائے۔

لفظ پیغمبر کے ان خاص اور محدود معنوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اکبر پر صادق آسکتا ہے۔ کہ اردو زبان کے اُن

نہایت محدود شعراء میں سے ہے جو ملک اور قوم کے لئے ایک پیغام لائے۔

اکبر کا زمانہ سیاسی۔ ادبی تمدنی اور علمی تبدیلیوں اور سرگرمیوں سے متمیز تھا۔ نئی تحریکات اور نئے خیالات ملک کے نوجوانوں پر اثر انداز تھے۔ اکبر جیسی ممتاز اور متشخص ہستی جو فطرتاً سوز اندوز واقع ہوئی تھی۔ ان تاثرات کو خاموش نہیں دیکھ سکتی تھی دنیا نے رنگ بدلا انقلاب نے کروٹ لی ملک کی بزم آرائیاں بھی نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں ؎

کچھ نہ پوچھ اے ہمنشیں میرا نشیمن تھا کہاں
اب تو یہ کہنا بھی مشکل ہے وہ گلشن تھا کہاں
"اکبر"

اب تو اکبر نے بھی اپنا فرض پہچانا۔ کہ وہ بھی ان تحریکات میں حصہ لے۔ ملک و ملت کی خدمت بجا لائے اس نے حالات ماضی و حال کو پیش نظر رکھ کر اپنا نصب العین قائم کیا۔ لیکن اسکی پیدائش اور پرورش قومی زوال اور انحطاط کے زمانہ میں واقع ہوئی تھی اور اسکی دماغی ساخت قوم کی شان جلالی کے کھوئے جانے پر تفکر صوفیانہ حسرت آگین اور صرف تخیل ہو چکی تھی اس لئے وہ فطرتاً یاس پرست رہ گیا۔

یہ ملی انحطاط کا واحد یاس انگیز سین نہ تھا جس نے اکبر کے کلام کو مرقع غم بنا دیا۔ فطری رجحانات سے قطع نظر کرتے ہوئے اکبر کی طبیعت پر بہت سے بیرونی تاثرات ایسے بھی پڑے جن کا تعلق خود ان کے گھر سے تھا۔

اکبر کی پہلی نامطبوع منکوحہ خاص طور پر اُس کی بدنصیبی کا سب سے بڑا سبب تھی عورت انسانی زندگی کا بہترین سرمایہ ہے اس میں کوئی مبالغہ نہیں نہ ہوگا کہ حیات انسانی پر سب سے زیادہ گہرا اور دیرپا اثر صنف نازک کا ہوتا ہے واقعات کے تخالف نے اکبر کی زندگی کو تلخ کر دیا۔ جسکا نتیجہ گھر کی چار دیواری کے اندر محدود نہ رہا۔ اکبر کی طبیعت لاابالی ہو گئی جس نے آخر کار صدہا اضطراب پیہم اور کاوش پنہاں کا سامان مہیا کر دیا۔

عنفوان شباب کے جذبات نہایت سرکش واقع ہوتے ہیں۔ اور اپنے اندر وہ قوت تسخیر رکھتے ہیں کہ طبیعت کو جس رنگ میں چاہیں رنگ لیں اگر اکبر کی نفرت اپنی پہلی منکوحہ کے حق میں انتہا تک پہنچ گئی تھی۔ تو دوسری اہلیہ کی محبت بھی اپنی نظیر آپ ہی رکھتی تھی لیکن ؎

باوجود دلجمعی خواب گل پریشاں ہے

مشیت ایزدی کو یہ منظور نہ تھا۔ کہ اکبر کو حقیقی مسرت حاصل ہو اس لئے جہاں اسکا نحیف و زار جسم ہمیشہ طبیبوں اور حکیموں کا تختہ مشق بنا رہتا ـــ وہاں روحانی صدمات بھی ہمیشہ اس کے حرمان نصیب دل پر حملہ آور ہوتے رہتے۔

اکبر نے اپنے لخت جگر کو اس سرزمین میں تعلیم و تعلم کے لئے بھیجا جہاں اس کے قول کے مطابق بوڑھے بھی دین خدا بھول جاتے ہیں اور وہ تو لڑکا تھا اپنے گھر کو بھول گیا اور ایسا بھولا کہ واپس آنا قسم تھا ایک باپ کے لئے اس سے بڑھ کر کیا صدمہ ہو سکتا ہے؟ مغربی تعلیم اور اس کے تاثرات کے متعلق جو اس کے خیالات ہوئے۔ انکو بر طرف

کیجیے۔ پھر دیکھا جائیگا لیکن جو روحانی قلق اس حرماں نصیب کو ہوا ہوگا وہ ان اشعار سے ٹپک رہا ہے جو اسنے اس تعہ پر کہے ؎

عشرتی گھر کی محبت کا مزا بھول گئے		کھا کے لندن کی ہوا عہد وفا بھول گئے
بھولے ماں باپ کو اغیار کے چرچوں میں یاں		سایۂ کفر پڑا۔ نورِ خدا بھول گئے
کیسے کیسے دلِ نازک کو دُکھایا تم نے		خبرِ فیصلۂ روز جزا بھول گئے
بخل ہے اہل وطن سے جو وفا میں تم کو		کیا بزرگوں کی وہ سب جود و عطا بھول گئے

کیا تعجب ہے جو لڑکوں نے بھلایا گھر کو
جب کہ بوڑھے روشِ دینِ خدا بھول گئے

دل تھیر ہی کیوں نہ ہو پھر دل ہی عشرت دوبارہ وطن میں "دل نازک" کیلئے سامان عشرت ہوا لیکن ؎

ہر روز آفتیں ہیں دل پُر محن کے ساتھ
اک داغ تازہ اور ہے داغ کہن کے ساتھ

عشرت کا دہ تجربہ وہ تجربہ نہ تھا۔ جسے اکبر بھول جاتا اس لئے اپنے لڑکے ہاشم (مرحوم) کو مشرقی تعلیم کے درخشان زیور سے مزین کرنا چاہا اور اسکی تربیت ویسے ہی قدیمانہ روش پر کی۔ جیسے کسی زمانہ میں مسلمان اپنے بچوں کی کیا کرتے تھے لیکن اکبر کو جسکی تمنا تھی وہ دن دیکھنا نصیب نہوا۔ اجل کے بیرحم ہاتھ نے اکبر کی تمام اُمید و نیز پانی پھیر دیا اور زندگی اس کیلئے ایک ایسا تاریک غار ہوگئی جسے ہزاروں آفتاب کی ضیا پاشیاں بھی روشن نہ کرسکتی تھیں ہائے ؎

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
"درد"
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

اور تو کون اس آڑے وقت کام آتا ہاں اُسکی جوان بیوی تھی۔ کہ شریک غم بنی رہی۔ مگر چند روز بعد قضا و قدر کی دستبرد سے وہ بھی نقاب ہوتے ہی سدا کو روپوش ہوگئی۔ اِنا للہ وَ اِنا الیہ راجعون ؀

اب تو اکبر کی آنکھوں تلے اندھیرا آگیا اور وہ دنیا میں یوں تھا گویا کہ نہیں تھا۔ یہ تھے وہ واقعات جن کے باعث اکبر یہ کہنے پر مجبور ہوا ؎

جانتا ہوں میں کہ خواہش موت کی اچھی نہیں		زندگی بے لطف ہو جائے اگر تو کیا کروں

اور یہ تھے وہ اسباب جنھوں نے اکبر کو وہ ہستی بنا دیا جسے انگریزی میں Pessimist یاس پرست کہتے ہیں۔

قانون تمدن اور سیاسیات مدن

کتاب السیاست

(مسلسل)

ملک قدرت

اکثر یہ اعتراض بہت اہم سمجھکر کیا جاتا ہے۔ کہ کیا لوگ کبھی ملک قدرت میں نہیں تھے یا اب نہیں؟ اس کے جواب میں فی الحال صرف یہ کہدینا کافی ہوگا کہ چونکہ تمام آزاد سلطنتوں کے حکمراں قدرت کی سلطنت میں ہیں لہذا اس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا کبھی ایسی نہ تھی اور نہ رہے گی کہ لوگ ملک قدرت میں نہ ہوں۔ ہر معاہدے سے ملک قدرت کا خاتمہ نہیں ہوجاتا۔ بلکہ صرف اس معاہدے سے جس میں انسان ایک قوم کی حیثیت سے اور ایک ہی سیاسی انجمن کے تحت میں رہنے کا اقرار کرتا ہے یوں تو بہت سے عہد نامے ہوسکتے ہیں اور انسان پھر بھی ملک قدرت ہی میں رہتا ہے۔

سالڈنیا کے دو آدمیوں کا باہم تجارت کے لئے عہد و پیمان کرنا یا ایک فرانسیسی اور ایک ہندوستانی کا امریکہ کے جنگلوں میں خرید و فروخت کے لئے معاہدہ کرنا ہر دونکو پابند کردیتا ہے۔ حالانکہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے وہ لوگ قطعاً ملک قدرت ہی میں ہیں اور ایک کا دوسرے پر اعتماد کرنا بہ حیثیت انسان کے ہے نہ کہ ایک خاص جماعت کے رُکن ہونے کی حیثیت سے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ انسان کبھی ملک قدرت میں نہ تھا۔ ان کے خلاف ہم صرف دانشمند ہُوکر ہی کا قول ذیل میں پیش کرکے اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کی بھی تصدیق کرتے ہیں۔ کہ ہر شخص فطرتاً اس ملک قدرت میں ہے اور اس وقت تک رہتا ہے۔ جب تک وہ خود کسی سیاسی جماعت کا رُکن نہیں ہو جاتا —— ہم اسباب کو آئندہ واضح طور پر بیان کرینگے ...... ہُوکر کے الفاظ یہ ہیں:۔

وہ قوانین جن کا ذکر اب تک آچکا ہے۔ یعنی قوانین قدرت ــــ آدمی کو بالکل پابند کر دیتے ہیں۔ اگرچہ ان میں کبھی کوئی طے شدہ شراکت نہ تھی نہ کبھی کوئی اقرار نامہ ہی ہوا تھا۔ کہ کیا کرنا چاہئے۔ اور کیا نہ کرنا چاہئے لیکن چونکہ ایک شخص میں یہ قابلیت نہیں ہوتی کہ اپنی زندگی کی ایسی تمام ضروریات خود ہی مہیا کر لے جو اس کے تئے کے لئے ضروری ہیں تاکہ اپنی زندگی اس طرح بسر کرے کہ جو انسانی زندگی کہے جانے کی مستحق ہو۔ لہٰذا یہ کمی پوری کرنے کی وجہ سے جو محض تنہا رہنے کے سبب سے پیدا ہو جاتی ہے ہم فطرتاً مائل ہوتے ہیں کہ دوسروں سے ارتباط اور رفاقت پیدا کریں۔ اور یہی وجہ تھی جس نے انسان کو فطرتاً سیاسی جماعتوں میں شرکت کرنے پر مجبور کیا۔"

دوسرا باب

حالت جنگ

حالت جنگ دشمنی اور تباہی کی حالت ہے۔ اس لئے زبان یا فعل سے اظہار جنگ کرنا اگرچہ وہ تند مزاجی او عجلت کے بجائے متین اور پرسکون ارادہ کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ پھر بھی منظر اپنے حریف سے حالت جنگ پیدا کرنیکا باعث ٹھہرتا ہے اور اپنی جان حریف یا اس کے شریک مدافعت کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ یہ بالکل معقول اور درست ہی کہ ہم کو حق ہے۔ اس شخص کے ہلاک کر دینے کا جو ہم کو ہماری تباہی کی دہمکی دیتا ہے۔ کیونکہ فطرت کے بنیادی قانون کے دے سے انسان کو اپنے ہم جنس کی جان اسوقت تک بچانی چاہئے جب تک کہ ممکن ہو۔ لیکن اگر کسی موقع پر سب کی جان نہ بچائی جاسکتی ہو تو بے گناہ کی حفاظت مقدم ہے۔ ہر شخص کو اپنے اُس حریف کی جان لینے کا اختیار رہے۔ جس کے متعلق اُسے یہ علم ہو جائے۔ کہ وہ شخص اس کی ہستی کا دشمن ہے۔ یا واقعی اس سے جنگ کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا شمار خونخوار درندوں میں ہے اور ہم کو اختیار ہے کہ بھیڑئے یا شیر کو ہلاک کر ڈالیں۔ اس لئے کہ یہ جانور عقل کے قانون عام سے باہر بستے ہیں ان کے پاس بجز جبر و استبداد کے اور کوئی قانون نہیں۔ لہٰذا ہم کو بھی اُن کے ساتھ ویسا ہی پیش آنا چاہئے جیسا ایک شکاری جانور کے ساتھ کیونکہ یہ خونخوار اور خوفناک جانور یقیناً اس شخص کو مار ڈالیں گے جو ان کے پنجہ میں آجائیگا اسی طرح جو شخص کسی دوسرے کو اپنے اختیار مطلق میں کرنا چاہتا ہے گویا اس سے اعلان جنگ کرتا ہے۔ اور اس اعلان کو اس کی زندگی کا استیصال کرنا چاہئے۔ کیونکہ عقل یہ بتاتی ہے۔ کہ جو شخص ہم کو اپنے قبضۂ قدرت میں بغیر ہماری رضامندی کے لے لیگا۔ وہ جس طرح چاہے گا۔ ہم کو اپنے صرف میں لائیگا۔ یہاں تک کہ اگر اُس کا جی چاہے تو ہم کو برباد بھی کر سکتا ہے کیونکہ کوئی شخص ہم کو اپنے اختیار مطلق میں نہیں لا سکتا ہی جبتک کہ ہماری آزادی کے خلاف ہمکو مجبور نہ

کرے۔ یعنی اپنا غلام نہ بنالے۔ ہماری بقا کا راز صرف ایسی ہی قوت مخالفانہ سے رہائی حاصل کرنے میں مضمر ہے۔ اور عقل مجبور کرتی ہی۔ کہ ہم ایسے شخص کو اپنا دشمن سمجھیں جو کہ ہماری وہ آزادی چھینتا ہی۔ جو ہماری زندگی کا حصار ہی لہذا وہ شخص جو ہمکو غلام بنانے کی فکر میں ہی ہم سے اعلان جنگ کرتا ہے ملک فطرت میں اگر کوئی شخص کسی غیر کی آزادی غصب کرے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اُس کی ہر شے چھین لینے کا ارادہ رکھتا ہے اس لئے کہ یہی آزادی کل کائنات کی بنا ہے اگر کوئی شخص کسی جماعت میں رہتے ہوئے اس کے کسی رکن کی وہ آزادی غصب کرنا چاہے۔ جو اس کی ملکیت ہے تو یقین کر لینا چاہیئے کہ غاصب اس کی بقیہ اور چیزوں کو بھی ہضم کرنا چاہتا ہے۔ لہذا اس کو حالت جنگ میں خیال کرنا چاہیئے۔

یہی دلیل اسبات کو بھی جائز قرار دیتی ہے۔ کہ انسان اس چور کی جان لے سکتا ہے جس نے اس کو ذرا بھی چوٹ نہیں پہنچائی۔ نہ اس کی جان لینے کا ارادہ ظاہر کیا بجز اس کے اس نے کچھ نہیں کیا۔ کہ اس کو اپنے قبضہ میں زبردستی اس لئے کرنا چاہا تھا کہ اس کا مال یا اور کوئی چیز۔ جو اسکا جی چاہے لے لے کیونکہ اس موقع پر جبر سے کام لینا جہاں ایک شخص کو حق حاصل نہیں ہے کہ ہمکو اپنے قبضہ میں کرلے خواہ اس کا عذر کچھ بھی ہو۔ ہم کسی طرح سے نہیں مان سکتے کہ جس نے ہماری آزادی سلب کرلی ہو ہماری اور چیزیں بھی نہ چھین لے گا اس لئے ہم کو یہ حق ہے کہ ایسے شخص سے ہم وہ برتاؤ کریں جو محارب سے کرنا چاہیئے۔ یعنی اگر ہو سکے تو اسے مار بھی ڈالیں۔ کیونکہ ایسا شخص جو قانون شکنی کرکے حالت جنگ پیدا کرتا ہے حقیقتاً اپنے کو خطرہ میں ڈالتا ہے۔

اب یہاں حالت فطرت اور حالت جنگ میں بیّن فرق نظر آتا ہے۔ گو کہ بعض لوگوں نے مخلوط کردیا ہے لیکن دونوں میں اتنا ہی فرق ہے۔ جتنا کہ صلح اور عداوت۔ خلوص اور بغض۔ معاونت اور تشدّد۔ حفاظت اور بربادی میں انسان کا عقل کے ساتھ بلا کسی امتیاز فوقیت کے باہم رہنا اور ہر فرد کو فیصلہ کا اختیار حاصل ہونا صحیح معنی میں فطری حالت ہی اور اگر کوئی شخص کسی پر تشدّد یا اظہار تشدّد کرتا ہے۔ جبکہ روئے زمین پر اس کی دادرسی کے لئے کوئی مشترک حاکم نہیں ہوتا تو ایسی صورت کو حالت جنگ کہتے ہیں۔ دادرسی کی یہ کمی اُسکو قانون شکن کے خلاف جنگ کرنیکا اختیار دے دیتی ہی اگرچہ یہ قانون شکن ہم جماعت اور رفیق کار ہی کیوں نہ ہو۔ چور کے ساتھ یوں تو ہم بجز اس کے اور کچھ نہیں کر سکتے کہ قانون سے چارہ جوئی کریں لیکن جسوقت ہمارے مال ومتاع چرانے کے لئے ہماری ذات پر حملہ کرے اُسوقت ہم اُسکو ہلاک کر سکتے ہیں کیونکہ وہ قانون جو کہ ہماری محافظت کے لئے بنایا گیا ایسے وقت میں ہماری جان نہیں بچا سکتا۔ اور اگر جان چلی گئی۔ تو پھر کسی طرح اسکی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اور یہی قانون ہمکو حفاظتِ خود اختیاری اور جنگ کی بھی اجازت دیتا ہی۔ اتنا ہی نہیں۔ بلکہ یہ آزادی بھی دیتا ہی کہ قانون شکن کو ہم جان سے مار ڈالیں۔ کیونکہ وہ ہمکو اتنی مہلت بھی نہیں دیتا۔ کہ ایک مشترک حاکم سے فریاد کریں اور قانون اسکا فیصلہ کرے۔ ایک مشترک اور صاحب اختیار حاکم کی ضرورت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان عالم فطرت میں ہوتا ہے لیکن بغیر حق کے کسی شخص پر تشدّد کرنا حالت جنگ پیدا کردیتا ہے خواہ کوئی حاکم ہو یا نہ ہو۔

جب ظاہری تشدد ختم ہو جاتا ہے تو ان فریقین کی جنگ کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جو یکساں ایک حاکم کے تحت میں ہیں اس لئے ایسی نزاعی حالتوں میں جہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ حاکم کون ہوگا؟ یہ نہیں طے کیا جا سکتا کہ جھگڑے کا خاتمہ کون کرے گا۔ افتاح[1] کا قول ہے کہ احکم الحاکمین فیصلہ کرے گا جہاں روئے زمین پر کوئی حاکم نہیں ہوتا۔ وہاں فریادرس صرف خدا ہے لیکن سوال مذکورۂ بالا کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ یہ فیصلہ کون کریگا کہ حقیقتاً اس نے ہم سے جنگ کی ہے اور ہم کو افتاح کی طرح خدا سے اپیل کرنے کا حق بھی ہے یا نہیں اس کا فیصلہ اپنے ایمان سے صرف ہم کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم کو قیامت کے دن میدان حشر میں سب سے بڑے حاکم کے روبرو جواب دینا ہے۔

تیسرا باب

غلامی

انسان کی فطری آزادی یہ ہے۔ کہ وہ دنیا کے ہر اقتدار سے آزاد ہو کسی انسان یا قانونی اختیار کا محکوم نہو بلکہ اپنی ہدایت کے لئے صرف قانون فطرت کا پابند رہے۔ انسان کی آزادی متمدن جماعت میں کسی قانونی اختیار کے زیر اثر نہ ہونی چاہئے بجز اس قانون کے جو جمہور نے بغیر جبر و اکراہ کے صرف اپنی رضامندی و خوشی سے بنایا ہو۔ آزادی وہ نہیں۔ جس کی سر رابرٹ فلمر[2] یوں تعریف کرتا ہی۔ کہ "حریت اس کا نام ہی کہ ہر شخص جو چاہے کرے جسطرح چاہے زندگی بسر کرے اور کسی قاعدہ قانون کا پابند نہو"۔ نہیں بلکہ انسان کی آزادی نظام سلطنت میں یہ ہی کہ کسی قانون مقررہ کا پابند ہو کر رہے اور وہ قانون بلحاظ تمدن ایک جماعت کے ہر فرد کے لئے یکساں ہو۔ اور جسکو اس جماعت نے بنایا ہو جسکو قانون سازی کا حق دیا گیا ہو وہاں ان باتوں میں البتہ ہم اپنی رائے سے کام کر سکتے ہیں جنکے لئے کوئی قانون قاعدہ نہو بشرطیکہ ہماری رائے کسی غیر مستقل غیر یقینی ناقابل رواج اور جابرانہ حکم کے ماتحت نہو۔ جیسے کہ ہماری وہ آزادی جو فطرت سے عطا کی گئی ہے۔ بجز قانون فطرت کے کسی کے دباؤ میں نہیں ہی خود رائی اور مطلق العنانی سے رہائی انسان کی بقا کے لئے اسقدر ضروری اور اس قدر وابستہ ہی۔ کہ انسان کسی طرح اس سے علیحدہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اور اگر وہ الگ ہوگا تو اُسے اپنی محافظت اور زندگی دونوں سے ہاتھ دھونا پڑیگا چونکہ انسان کو اپنی زندگی پر اختیار نہیں ہے اسلئے نہ تو وہ اپنی رائے سے اور نہ کسی معاہدے

[1] افتاح (Jephtha) دیکھو انجیل مقدس عہد نامۂ قدیم۔ قاضیوں کی کتاب باب گیارہواں)۔

[2] سر رابرٹ فلمر (Robert Filmer) نے یہ تعریف اپنی کتاب Observations upon Aristotles Politics کی ہے یہ شخص اپنے وقت کا نہایت جید عالم جسکی کتاب Patriarcha بہت مشہور ہی

سے اپنے کو کسی کا غلام بنا سکتا ہے۔ اور نہ اپنے کو کسی کی مطلق العنانی اور خود رائی کے سپرد کر سکتا ہے۔ کہ جب چاہے۔ وہ اس کی جان لے لے۔ کوئی شخص کسی غیر کو وہ اختیارات نہیں دے سکتا جس کا کہ وہ خود مالک نہیں۔ جس کو اپنی جان لینے کا خود اختیار نہیں۔ وہ اسے دوسرے کے بھی اختیار میں نہیں دے سکتا۔ بے شک اگر کوئی شخص کسی ایسے فعل کا مرتکب ہو۔ جس کی سزا موت ہے۔ تو وہ شخص جس کو اسکی جان لینے کا حق حاصل ہو گیا ہے۔ اگر چاہے تو جان لینے میں تاخیر کر سکتا ہے۔ اور مجرم کو اپنی خدمت میں رکھ سکتا ہے۔ اس فعل سے مجرم کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا۔ کیونکہ جو وقت غلامی کی صعوبت موت کی تلخی سے تجاوز کر جائے تو مجرم اپنے مالک کو جان لینے پر مجبور کر سکتا ہے۔ یہ غلامی کی مکمل حالت ہے جو فاتح اور مفتوح کے درمیان میں ایک جنگ مسلسل ہے کیونکہ اگر ایک مرتبہ فریقین میں معاہدہ اس شرط سے ہوا۔ کہ ایک نے طاعت کا وعدہ کیا اور دوسرے نے محدود اختیارات کا تو جنگ اور غلامی اس وقت تک معطل ہیں۔ جب تک کہ عہد شکنی نہ ہو۔ کیونکہ کوئی شخص معاہدہ سے کسی دوسرے کو اختیارات نہیں دے سکتا۔ جو اس کو خود نصیب نہ ہوں۔ (یعنی اپنی جان کا اختیار)

ہم کو تسلیم ہے۔ کہ ایسی مثالیں یہودیوں میں نیز دیگر اقوام میں پائی جاتی ہیں۔ کہ لوگوں نے اپنے کو فروخت کر دیا تھا۔ لیکن یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ فروخت غلامی نہ تھی۔ بلکہ مزدوری۔ کیونکہ یہ امر مسلم الثبوت ہے۔ کہ فروخت شدہ آدمی کسی مطلق العنانی اور جابرانہ قوت کا محکوم نہ تھا۔ آقا کو کسی وقت اپنے خادم کی جان لینے کا اختیار نہ تھا۔ اور وہ مجبور تھا کہ ایک وقت معینہ پر اُسکو آزاد کر دے۔ جان لینا تو کجا۔ اگر خادم کی ایک آنکھ یا دانت بھی ضائع ہو تو آقا اُس کو آزاد کر دینے پر مجبور تھا۔

(باقی)

اعجاز (علیگ الہ آبادی)

شاعر کی صدا

(از:۔ مولانا محمود اسرائیلی)

گوشۂ محفلِ عالم میں کھڑا ہوں مایوس
اہلِ محفل مرے واقف نہ میں اُن سے مانوس

ہمزباں کوئی نہ ہمدرد نہ ہمراز کوئی
ہو کے آزاد بھی گویا ہوں قفس میں محبوس

فرشِ گیتی پہ ادھر پائے تجسس ہے اُدھر
رقص ہے پیکرِ ہستی کا بشکلِ طاؤس

خرقۂ شیخ سے ہوتا ہے عیاں رنگ مجاز
ہے تنِ زاہدِ صد سالہ ریا سے ملبوس

شورِ دنیا طلبی دیر و حرم میں معمور
کیسی آوازِ اذاں اور صدائے ناقوس

عشقِ حیواں صفت اک جذبۂ فاسد کا کفیل
فکرِ انجام نہ اندیشۂ ننگ و ناموس

حسنِ مشتاقِ تنک ظرفی و دولت طلبی
منزلت اپنی عیاں اور نہ فطرت محسوس

خوئے پیماں شکنی بلبلِ ہرجائی میں
بوئے گل رازِ گلستاں کی جہاں میں جاسوس

کاوشِ فکر عبث، سودِ تخیل معلوم
گلشنِ دہر کا جگنو ہے خرد کا فانوس

اُس جہاں کا ہوں میں گم گشتۂ منزل محمود
ہے جہاں کاسۂ گدائی کا سرِ کیکاؤس

نظریہ ارتقاء اور رشتہ ازدواج

(گذشتہ سے پیوستہ)

ہاں البتہ عورت کو اتنی آزادی نہیں دی گئی جتنی کہ مرد کو۔ کیونکہ مرد عموماً فراخ حوصلہ، تجربہ کار۔ اور نباہ کرنے والے ہوا کرتے ہیں۔ اسواسطے وہ اپنے اختیارات کے استعمال میں ذرا غور و تامل سے کام لیں گے، اور ان کا استعمال با محل اور با موقعہ ہوگا۔ اسکے خلاف عورتیں متلون مزاج اور عام طور پر جلد باز ہوتی ہیں اسواسطے ان کے اختیارات بھی محدود ہیں۔

کیا یورپ کی عدالتیں یہ بتا سکتی ہیں۔ کہ اس غیر فطری آزادی سے انہیں آج کل کس شقت کا سامنا ہے اور ایسے مقدمات کی تعداد کہاں سے کہاں تک پہنچ گئی ہے؟

ان لوگوں کی زندگی کتنی تلخ ہے جو اپنے رفیق زندگی سے ناسازگاری کی وجہ سے گرفتار پنجہ بلا ہیں۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن وہ ایسے رسم و رواج کو جسکا خمیازہ انکو بھگتنا پڑا ہے۔ کس کس نام سے نہ یاد کرتے ہونگے۔

چونکہ انگلستان کے قانون نے عورت کو طلاق کے پورے اختیارات دیدیے ہیں اسواسطے بیچارے مردوں کی کیا گت بنتی ہوگی؟ اور ان کو اپنی بے بسی اور بے کسی پہ رہ رہ کے کیسا رنج ہوتا ہوگا؟ کہ وہ اپنے پیدائشی حق کو کسطرح صنف نازک کے تبسم دلفریب کی قربان گاہ پہ بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد		وائے گر در پس امروز بود فردائے

ہاں اس موقعہ پر یہ سوال کیا جاسکتا ہے۔ کہ ہم نے عموماً ہندوستان کی ہر قوم میں بہ نسبت اور اقوام کے زیادہ خوش و خرم پایا ہے۔ اسواسطے اس اعتراض کی حقیقت واقعات کی ناقابل تردید آندھی کے سامنے پر کاہ سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔

اسکا جواب ملا یہ ہے کہ جو لوگ یہاں ہمیں نظر آتے ہیں یہ وہ منتخب ہستیاں ہوا کرتی ہیں جنہیں اپنے اخلاق و اعمال و رعب سے ہندوستان پہ حکومت کرنا ہے۔ اسواسطے ضروری ہے۔ کہ یہ ایسی بدخوانیوں کے شکار نہ ہوں۔ اور اگر واقعات ناخوشگوار ہو بھی جائیں تو بھی صبر کے تلخ گھونٹ پی کے رہ جائیں تاکہ قومی روایات کے سفید دامن پر بدنما دھبہ نہ پڑے اسواسطے یہ لوگ اتمام حجت کے لئے پیش نہیں کئے جاسکتے۔

(۲) چونکہ یہ لوگ بہ نسبت ہم لوگوں کے زیادہ فراخ حوصلہ اور نباہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ اسواسطے یہ جیا نہ نا چار نباہ کرہی لیتی ہیں۔ ہندوستان کی محکوم قوموں میں ہندوؤں کی تعداد بھی زیادہ ہے۔ اور تاریخی لحاظ سے یہ زیادہ پرانے بھی ہیں۔ اسواسطے مسلمانوں سے پہلے ان کے تمدن پر تبصرہ کرنا شاید زیادہ موزوں اور مناسب ہوگا۔

(۱) ستی کی رسم آجتک ہندوؤں میں چلی آئی، گورنمنٹ برطانیہ کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اس نے ہند کو اس وحشیانہ رسم سے نجات دلوائی، اگر ہم یہاں اس کے مفاد و منافع پر بھی مفصل بحث کریں، تو غالباً ہم تضیع اوقات کے مجرم ہونگے۔

(۲) بچپن کی شادی، جس سے آج ہندو بیزار ہیں یہ بچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔ مگر نہیں چھوٹتا۔ کسقدر تباہ کن اور زہریلے جراثیم کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ مذہبی رہنمائے اسے کوئی مذہبی رنگ دے کر پیش کریں۔ مگر خلاف فطرت اور ناقابل عمل ہونیکا الزام ہرگز نہیں مٹ سکتا یہی وجہ ہے۔ کہ ہندو باوجود دولت مند اور فارغ البال ہونیکے مسلمانوں کے مقابلہ میں کمزور ہیں ہمارا مقابلہ ان مسلمانوں سے نہیں جو مزدورانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ بلکہ ان سے ہی جو نہایت امیرانہ ٹھاٹھہ میں ہیں۔

(۳) عورتوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔ کہ وہ رانڈ ہوجانے کے بعد دوسرا نکاح کر سکیں، ہماری آنکھوں نے ایسی ایسے مناظر دیکھے ہیں۔ کہ ان کا خیال کرنیسے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں (۴) مرد اور عورت میں تعلق نکاح ابدی اور لابدی ہوتا ہی اس کے نقائص پر ہم نے گذشتہ حصے میں کافی سے زیادہ بحث کی ہی بداخلاقی کے جراثیم عام ہوجاتے ہیں۔ اور عریانی یہانتک پہونچ جاتی ہی۔ کہ گناہ کو گناہ نہیں خیال کیا جاتا بلکہ یورپ کے ماہرین کو حالات سے مجبور ہو کر گناہ کی تعریف کرنا پڑی ہی کہ گناہ وہ ہی جسمیں کسی ایک فریق کو نقصان پہنچے یا دوسرے کی رضامندی نہ حاصل کیجاے اسطرح تدبیر منزل کی اصلی غرض وغائت فوت ہوجاتی ہے۔

اب آخر میں ہم اسلامی قانون کے متعلق چند باتیں لکھہ کر مضمون کو ختم کرنا چاہتے ہیں

(۱) اسلامی شریعت میں عورت و مرد دونوں کو حسب الحال ایک دوسرے سے علیحدہ گی کے اختیارات حاصل ہیں جس کی بحث اوپر ہو چکی ہے۔ لیکن نہایت افسوس کا مقام ہی کہ چونکہ عوام مسلمان غیر تعلیم یافتہ ہیں۔ اس لئے وہ صحیح طور پر ان اختیارات کو استعمال نہیں کر سکتے۔ اور بہر جا وبے جا اور ہر معمولی وغیر معمولی خانگی تنازعات میں طلاق کی دہمکی دیجاتی ہی۔ یا طلاق کا وقوع ہوجاتا ہی اور جب ذرا طبیعت کا پارہ اترتا ہی۔ اور نشیب و فراز کو سوچا جاتا ہی تو اسوقت اپنی قابل نفرت فعل پر افسوس کیا جاتا ہی اور آخر پھر انہیں زن و شوہر کے تعلقات کو بحال کرنے کے لئے تحلیل شرعی کی آڑ میں پناہ لینا پڑتی ہی۔ اور پھر تحلیل کا طریقہ بھی ایجاد بندہ ہی جسکو شاعر اعظم نے بہت برے برے القاب سے یاد کیا ہی۔ مگر دنیا ہی۔ کہ اندھا دھند ادُہر ہی جا رہی ہے۔

مسئلہ طلاق و شرعی نے جسقدر اسلام کو مہذب قوموں کی نظر میں قابل عزت ٹہرایا۔ اسیقدر موجودہ طریقہ تحلیل نے مہذب تو کیا، غیر مہذب قوموں کو اسلام پہ ہنسایا بھی۔ تاہم واقف کار سمجھہ سکتے ہیں کہ یہ قانون کا یا مقنن کا قصور نہیں بلکہ ان لوگوں کا قصور ہی جو اپنے معاملات خانگی خصوصی سے مجبور ہو کر قانون کی ترمیم کے درپے ہیں۔ تو گویا موجودہ طرز عمل جو دیشانہ

طرزِ عمل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اسلام کو مطعون کر رہا ہے۔ اور اسقدر عام ہو گیا ہے۔ کہ اسلامی شریعت کی صحیح روایات ان کے مقابلہ میں تقویمِ پارینہ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتیں

عام تاریکی اور جہالت کیوجہ سے مرد تو جا و بے جا اپنے اختیارات استعمال کر لیتے ہیں خواہ بعد میں ان کو افسوس ہی کرنا پڑے۔ لیکن چونکہ عورتیں مطلقاً جاہل ہیں۔ اور اسلام کے احکام سے ناواقف محض، اس لئے انہیں یہ علم ہی نہیں کہ شریعت نے ناسازگاری باہمی کے نتیجۂ بلا سے نجات پانے کے لئے انکی جانب داری بھی مرعی رکھی ہے کہ وہ ایک معمولی سی جدوجہد کے بعد نہایت آسانی سے نجات حاصل کر سکتی ہیں۔ اور ایسی ناخوشگوار قابل زندگی سے کنارہ کر سکتی ہیں۔

ایک غریب کی مختصر سی کٹیا اور ایک امیر کا محل دونوں برابر ہیں۔ اگر ان کے رفیق زندگی انکی طبیعت کیموافق اور ان کے مزاج کے مطابق ہے۔ لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ فیصدی کتنے آدمی ایسے ہیں جو خوش متاہلانہ زندگی بسر کر رہے ہیں

کسی ایک خاص حد تک تو مجھے اتفاق ہے کہ دنیا میں انسان کو بہت کچھ جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ کبھی اپنی حسن تدبیر و خوبی قسمت سے کامیابی اور کبھی بدقسمتی سے ناکامیابی ہوا کرتی ہے اس ناکامی کا نام انسان نے مصیبت، بلا، تکلیف وغیرہ رکھا ہے لیکن اگر ہمارا رفیق زندگی ہماری طبیعت کیموافق ہے تو یقین کر لیجئے کہ غمہائے عالم جب ہم دہلیز میں قدم رکھتے ہیں ہمارا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ہم گھر کی چار دیواری میں ویسے ہی خوش و خرم واپس ہوتے ہیں جیسے کہ ہم گئے تھے کیا اسوقت ہمارے گھر پر بہشت کی تعریف نہیں صادق آتی؟

یہ سب کچھ ہے لیکن حیرت انگیز امر تو یہ ہے کہ ہم ان آسانیوں کے بہم پہنچانے میں کیوں بخیل ہیں کیا محض اس لئے کہ ہم آبائی روایات کی سرحد کو پھلانگنا نہیں چاہتے؟

گنوار اور ان پڑھ دنیا کیلئے نہ تو میں کوئی لائحہ عمل پیش کر سکتا ہوں، اور نہ یہ امر میرے فرائض میں داخل ہے ان کے تمام سوالات کا جواب یہی دیا جاسکتا ہے کہ "انتم اعلم بامور دنیاکم"۔ ہاں البتہ تعلیم یافتہ اور پڑھی لکھی لوگوں کیلئے چند ایک ضروری باتیں تحریر کرتا ہوں۔ لڑکے کے مذاق کا ضرور خیال رکھا جائے اور اسی مذاق کو پیش نظر رکھ کر اس کی رفیق زندگی کی تلاش کی جائے نہ یہ کہ "ہر کہ بیدا مے شود از دور بیندارم توئی" کیونکہ بہت ممکن ہے۔ کہ خریدا شود۔ لڑکے کے مذاق کا صحیح اور درست اندازہ اسیوقت لگایا جاسکتا ہے جبکہ وہ تعلیم حاصل کر چکنے کے بعد برسر روزگار ہو جائے گو آپ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس عمر سے پہلے کے تعلقات اس قسم کی احتیاط کے بغیر بھی خوشگوار ثابت ہوئے ہیں لیکن انکا ذکر اتفاقات کی ذیل میں کیا جا سکتا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت تک لڑکے کے کیرکٹر کا ذمہ دار کون ہوگا؟

اس سوال کے جواب کے سلسلہ میں ہم یہ بھی کہدینا چاہتے ہیں کہ یہ عین مصلحت ہوگا کہ نسبت کیوقت جو کہ ضروری ہے کہ شادی سے کچھ عرصہ پہلے ہو۔ لڑکے اور لڑکی کا آپس میں تعارف کرا دیا جائے اور آمد و رفت کا سلسلہ قائم رہے ان حالات میں اگر لڑکے کو اپنی رفیق زندگی سے اُنس ہو گیا ہے تو اُنکی خاطر اپنے کیرکٹر کو ملوث ہونے سے بچائے رکھیگا اس کے متعلق وقتاً

توقعاً اسے اپنے رفیق زندگی سے یاد دہانی ہوتی رہے گی۔ میرے اس بیان کی تصدیق میں میرے پڑھنے والوں کا ذاتی تجربہ کافی سے زیادہ وقعت رکھتا ہے۔

گو بعض والدین اپنی متانت اور سنجیدگی کو مد نظر رکھتے ہوئے میری تجویز کو ہذلیات کی فہرست میں درج کرینگے لیکن انہیں یقین کرلینا چاہئے کہ ان کی متانت اور سنجیدگی کی برقراری اتنے معینہ اور خوشگوار نتائج پیدا نہ کریگی جتنا کہ منظور نظر کے ذہن و شوہر تعلقات کی خوبی۔

اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ شریعت ان تمام امور کی اجازت دیتی ہے۔ لیکن ہم ہیں۔ کہ شریعت سے کوسوں دور پڑے ہیں اور اپنے اعمال کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔

عزیز

افکارِ عالی

(از جناب ملک عنایت اللہ صاحب پروفیسر گارڈن کالج)

ماساغرِ شرابِ حقیقت گرفتہ ایم
حرفِ طلاق بر سرِ عالم نوشتہ ایم

از مائے تو ان کہ سرِ خود بروں کشیم
از خویش رفتہ ایم و بہ زلفِ تو بستہ ایم

ما رہروانِ جادۂ اسرار بودہ ایم
پائے طلب بدامنِ منزل شکستہ ایم

تا جرعۂ ز شیشۂ مغرب چشیدہ ایم
از خود گسستہ ایم و بہ اغیار بستہ ایم

ما ہندیاں کہ تاجِ سرِ افلاکیاں بُدیم
امروز جام و ساغر و مینا شکستہ ایم

نگار خانۂ چین

تائے الفو کا ہین[1] درخت

اس مضمون میں "ٹیلیفن برگوائنز" نے نہ صرف ایک درخت کے عجیب و غریب تاریخی حالات منضبط کئے ہیں۔ بلکہ ضمن میں چینی عقائد، چینی مذہب اور چینی نقاشی پر نہایت دلچسپ حکیمانہ بحث کی ہے "ریو اورینٹ" میں یہ پُر از معلومات مضمون جس محنت اور خوبصورتی سے لکھا گیا ہے اُسی محنت اور حسن سے اس کا ترجمہ بھی ہوا ہے جس کا کریڈٹ مسٹر وحید اعظم کے قلم کو ہے جو میرے نہایت مکرم دوست حاجی رحیم بخش صاحب وکیل و رئیس لاہور کے خلف اعظم ہیں وہ پہلی مرتبہ میرے اصرار سے اس میدان میں آئے ہیں اور اُن کا یہ نقش اولین اُن کے مفید مستقبل کا پتہ دیتا ہے طالب علمانہ زندگی بسر کرنے والے اس قسم کے کاموں سے اکثر جھجکتے ہیں۔ اس لئے کہ اُنہیں اپنے قلم اور اپنی قابلیت پر اعتماد نہیں ہوتا وہ اسی بے اعتمادی میں اُلجھے رہتے ہیں، اور اپنی قوتوں سے کام لینے کے لئے اُنہیں کوئی موقع نہیں دیا جاتا تعلیم کے اُس اسٹیج پر پہنچکر جہاں اس وقت مسٹر وحید اعظم کھڑے ہیں۔ اگر ہر طالب علم اپنی قوت کا امتحان کرے تو اُسے یقین ہو سکتا ہے کہ جن زمینوں کو وہ تیشۂ فکر کے لئے سنگلاخ سمجھتا ہے محنت اور کوشش کی برکتوں سے پانی ہو سکتی ہیں مسٹر وحید کی یہ پہلی کوشش ہے اس لئے بیحد قابل اعتراف ہے اگر اُن کی یہ دلچسپی باقی رہی تو مجھے یقین ہے کہ وہ بہت جلد اچھے لکھنے والوں کی صف میں پہنچ جائیں گے۔

ایڈیٹر

---

[1] اس درخت کی وجہ تسمیہ برگوائنز یہ لکھتا ہے کہ ہین خاندان کے عہد حکومت میں ۲۰۶ قبل مسیح سے ۲۲۱ تک کسی دور میں یہ درخت تائے الفو کے کسی مندر کے پائیں باغ میں جو کہ مقدس پہاڑ تائے شان کے دامن میں واقع ہیں لگایا گیا تھا۔ اور باقی صفحہ ۳۲ پر ملاحظہ کیجئے

> "نخلِ چمن ایک جسم مرکب ہے۔ یا اجسام کی ایک جماعت۔ جس کا ایک رُکن غنچہ بھی ہے یہ ارکان اپنی حیات کے دن پورے کرتے ہیں۔ مرجھاتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں کہ شاہراہ حیات کی آخری اور اٹل منزل موت ہے لیکن مرنے سے پہلے یہ اپنے جانشین چھوڑ جاتے ہیں اور یہ جماعتیں حیات استمرار حاصل کرتی اور صدیوں تک باقی رہتی ہیں کم از کم طاقتور جنسوں کا تو یہی حال ہے جیسے درخت جو خزاں کے تھپیڑے کھا کر بھی قایم ہے حالانکہ یہ کمزور اجناس کے لیئے حیات سوز ہیں یہ ہے راز، حیرت خیز اشلر کی عمر دراز کا۔"

یہ خیالات، خواص الاشیاء کے ماہر فرانس کے مایۂ ناز الیف۔ ایچ۔ فیب رے نے اپنی کتاب "ونڈر بک آف پلانٹ لائف" (Wonder Book of Plant life) میں تحریر فرمائے ہیں اُس کو انتقال کیئے شاید ابھی کوئی دس ہی برس گذرے ہونگے اس علامۂ بے بدل نے درخت کی ترکیب پر بحث کرتے ہوئے بلوط، شاہ بلوط، باؤباب اور کیلیفورنیا کے لیکوآئی کی بے شمار مثالیں دی ہیں جنہیں منظرِ ہستی پر کھڑے ہوئے ایک ہزار برس سے پانچ ہزار برس گزر چکے ہیں جس طرح اُنھوں نے حیوان اور کیڑوں کی زندگی پر بحث کی ہے اُسی طرح پھولوں اور پودوں کی حیات کی تشریح ایسے بیّن اور صاف الفاظ میں کی ہے۔ کہ وہ تمام اصول جو قدرت مختلف اقسام کی تکمیل پرورش اور حیات استمراری کے لیئے برتتی ہے ایک ایک کر کے سامنے آجاتے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مغرب کی عقل نکتہ رس نے ابھی تک نوع انسان کو اُس "طریق" پر گامزن کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جس پر چل کر پودا نشو ونما پاتا ہے اور ایک دراز عمر تک پہنچتا ہے یعنی اس کی بناوٹ ایک مرکب جسم کی صورت میں آجاتی ہے۔

فردِ واحد میں کثرت کی موجودگی کا خیال ہزاروں سال ہوئے کہ مغرب میں مٹتے مٹتے مٹ چکا۔ یعنی یہ حقیقت کہ ہم عمل قدرت کا ایک صحیح وسالم جز ہیں جو ہمیں ہماری فہم و ذکا سے دُور کسی خاص پیش بینی سے خواستہ نخواستہ کسی سانچے میں ڈھالے جاتی ہے۔

> مغرب میں اقوام کی ہستی کے قوانین کی بنا عموماً مسلح فوج کی ترتیب کے اصولوں پر رکھی جاتی ہے اس لیئے ہر ایک فرد قوم کے اندر اندر اپنے ضمیر کے تحت رہتا تھا اور قوم کی سیل (cell) بن کر اپنے گرد پیش کے حالات سے متاثر ہوتا ہوا جمہوریت یا خود مختاری کی شان سے عیاں ہوتا رہا۔ (رچرڈ ولہم)

موجودہ زمانے کے علم الاشیاء نے عقائد پیشینہ میں جنہوں نے ہمارے قومی جسم میں روح پھونک دی ہے اور ہم میں ایک خلیج حائل کر دی ہے۔ اور اب ہم بتدریج اُن فطری مقاصد و مطالب کے سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جو قومی

زندگی کے نشو و ارتقا میں ممد و معاون ہیں۔ میرے علم میں آجتک صرف ایک ہی ملک فطرت کی تیار کردہ شاہراہ پر گامزن رہا ہے چین کی درازئ عمر جو اس کے مورخ سات ہزار سال کی بتاتے ہیں۔ ایک اتفاقی امر نہیں۔ بلکہ فطری فلسفے کا اثر ہے۔ جو ایک زراعت پیشہ قوم کی عقل ذاتی ([illegible]) سے پیدا ہوا۔

"اُن لوگوں کے لئے جو زراعت کو مقصدِ حیات بنائیں۔ یہ ازبس ضروری ہے۔ کہ وہ
اپنی زندگی کی روش کو قوانینِ قدرت اور خواہشات فطرت کے عین مطابق بنائیں اور
نظامِ انسانی کو نظامِ عالم کے پرتو سے مجلیٰ کریں" (رچرڈ ولہم)۔

ہر وہ مبصر جو چین کی نقاشی سے ذرا بھی مس رکھتا ہے۔ یہ تسلیم کرنے میں ذرا بھی متامل نہیں ہوگا۔ کہ صرف فن لطیف کا بہترین نمونہ ہی اُس کے پیش نظر نہیں۔ بلکہ وہ اعلےٰ ترین اہل النظر سائنس دانوں سے بھی دو چار ہے چینی تصاویر کا ایک مرقع تاریخ قدرت کی توضیح کرنے اور اس پر روشنی ڈالنے کے لئے بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ نہ کہ مغربی معمور کے نقوش کی طرح نیچر کی غلامانہ اطاعت کرتا ہے۔

زمانہ قدیم میں زندگی، چین کے سرسبز و شاداب مرغزاروں کے ذرے ذرے میں نفوذ کرچکی تھی۔ حیات اُس کے گل کی۔ ثمر کی۔ شجر کی حجر کی حیوان کی اور سب سے بڑھ کر انسان کی رگ رگ اور نس نس میں اس تیز روی سے دوڑ رہی تھی۔ کہ وہ تمام مرکبات کو پشت ہا پشت تک مدارج نشو و ارتقا تک پہنچاتی ہوئی اُنہیں موافقت و یگانگت پیدا کرتی رہی۔ نیچر کا قدیم ترین ہمسایہ۔ اُس کا کہنہ ترین ہمدم و ہمراز چین کا کسان ہزارہا سال تک اُسکے چہرے پر حیات کے لا متناہی انکشافات کا بغور وخوض معائنہ و مشاہدہ کرتا رہا۔ جو منطق کے طریق (On a logical method) پر ہر ایک جنس کو اُسکی تعمیری صلاحیت کے مطابق معراج کمال تک پہنچاتی رہی۔ اور اسی قومی ابتدا سے چین کا ننھا سا پودا ایک دیو نما درخت بن گیا۔ جسکی جڑیں نیچر کے سینے میں مضبوطی سے پیوست تھیں۔ تنا فطرت کے طریق پر (تاؤ) چلکر زور پکڑتا گیا۔ اور شاخیں چاروں طرف پھیلی ہوئی طاقت کے ساتھ ساتھ جس نے ابتدائے تخم کی پرورش کی تھی۔ اور اُسکو کئی نسلوں اور خیالوں میں پھیلایا تھا۔ پھیلتی گئیں۔

علم التاریخ کے لحاظ سے آبار کی پرستش کے باعث چینی اپنے مرکز مشترک (آسمان۔ حاکم اعلےٰ ترین) کی طرف جبت کرتے رہے۔ جہاں سے قدرت طلوع ہو کے نر و مادہ میں منقسم ہوتی ہوئی جو اپنے مسلسل دائرے تجدیدیا حدتیت (تائی جی۔ قدم اسے پورے کرتے ہیں۔ وسعت میں پھیل جاتی ہے۔ (دیکھو آئی۔ کنگ مصنفہ وون وانگ)

وقت اور مکان سے بالاتر اور وحدانیت سے قدیم عنصر حیات افروز ([illegible] element) (وُوجی) موجود تھا۔ جسے عالم و جاہل ہر دو اپنے دل کی آنکھوں سے تو دیکھ چکے تھے۔ لیکن تصور اُس کی تشکیل سے اور ناطقہ اُس کی تعریف سے قاصر تھا ۔۔۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ حق پرستی معقولہ مدلل کی بنیاد پڑ گئی۔ جو حیات رواں کی عقلی

اور روحانی تشریح میں برابر کی قوت رکھتی ہے۔

"وہ یعنی چینی کسی خدا۔ کسی روح اور کسی دوسرے جہان کے متعلق خاک بھی نہیں جانتا تھا۔" (رگھا ئیلو)

"چینی نے قادر مطلق کی کوئی تصویر یا اختراع نہیں کی۔ کیونکہ اُسکی تشکیل کا خیال تک بھی اُس کے وہم و گمان میں نہ آیا تھا۔ اُنکی مذہبی کتب کسی دوسرے عالم میں جزا و سزا کے خیال سے بالکل تہی ہیں۔ نیکی کی تحریص اور بدی سے تنبیہ منشائے الٰہی کی علیت پر مبنی ہیں۔ اُنکے خیال میں نیکی کا صلہ اور بدی کی سزا یقیناً اسی جہان میں ملے گی" (لیگ)

"قدیم چینی کا خدا فی الحقیقت اُس کے تخیل اور اُسکی ذاتی عقل کی مخلوق تھی ہمارے دس حکموں اور انجیل کی طرح اُن پر کوئی الہامی کتاب نازل نہیں ہوئی" (ہربٹ)

قدرت کے طریق ما ؤ سے کے تسلسل کو دائمی بنانے کے لئے سب کچھ جو ایک فردِ واحد کے لئے لازمی و لابدی تھا۔ وہ صرف اپنے ہاتھ سے اپنی تعلیم تھی۔

"ہر وہ شخص جو ازمنۂ قدیم کے طریق کو سمجھ سکتا ہے۔ اپنے زمانے پر حکومت کر سکتا ہے اور اس طرح تمام ازمنہ کی ابتدا پر۔" (لاؤتزے)

اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حیات عیاں و پنہاں عالمین کے ساتھ کُلیتہً ہم آہنگ معلوم ہوئی۔ جو کہ دوائر میں کام کرتی ہے۔ اور ہمیشہ مشترک سرچشمے (تی) سے نکل کے پھیلتی ہے۔ پھولوں کی طرح کھلتی اور شگفتہ ہوتی ہے جو حُسن کی خدمت کرتے ہیں۔ اور اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ پس موت حیاتِ واحد کی اپنے اصل کی طرف واپسی ٹھہری۔ چنانچہ ہیبت ناک تقدیر کا خیال تک بھی اُنہیں نہ آیا۔

اِس طرح کسانوں کی حقیر قوم قدرت سے استدلال کر کے نتائج معقولہ کا دور اخذ کرتے کرتے دنیا میں سب سے پہلی آزاد خیال جماعت بن گئی۔ اور اُنکے حکما کو بھی عوام کی عقل عمومی کی پیروی کے بغیر چارہ نہ رہا۔ چنانچہ اُنہوں نے قوم کے خود ساختہ بنیادی اصولوں کو مرتب کیا۔ توضیح کی اور صفحۂ قرطاس پر نقشِ دوام بنا دیا۔ کہ آئندہ نسلوں کے دلوں میں جاگزیں ہو جائیں۔ اور وہ دیکھیں کہ چین کا قومی جسم کس لئے مرتب و منضبط ہے۔

لاؤتیز اور کنگ فوتزے نے جو چین کی حکمت قدیم کے بہترین نمونے پیش کرتے ہیں۔ حیات کے نہایت آسان عمل کو جو کہ قوم کو قدیم ترین زمانے میں معلوم ہو چکا تھا۔ چھوٹی چھوٹی کہانیوں۔ عمدہ افسانوں اور حسین نظموں سے۔ دو مختلف زاویوں سے مزین و مکلف بنایا۔ لاؤتیز اپنے فلسفے کی ابتدا سرچشمۂ ازل (حق پرستی) سے کرتا ہے۔ کہ جس سے وہ پھوٹ کر مختلف

قوتوں میں منقسم ہوتی ہوئی رفتارِ حیات کے طریقے پر سے گذر کر وسعت میں پہنچتی ہے۔ اور بتاتا ہے کہ کسی ایک فرد کو۔ اپنی درماندگی کے باوجود برق رفتار سیلِ حیات کی کس طرح ہمراہی کرنی چاہیئے۔ تاکہ وہ اپنے ذریعہ سے اپنی جنس کے فائدے کے لئے قوت خلقت کو پورا پورا کام کرنے کا اختیار دے سکے۔ کِنگ فوتزے آبا کی عقلِ ذاتی (Common sense) کی راہ سرچشمۂ حیات کی طرف پرواز کرتا ہے۔ وہ قوم کے قلوب کو ایک مرکز پر لا کر اُس مرکز میں قدرت کے ساتھ ہم آہنگ عمل ہونے کی بے انتہا قوت محسوس کراتا ہے۔ اور اس طرح وہ قوم کی رہنمائی فردِ واحد سے ایک حدِ مشترک کی طرف جو کہ قدامت بعید ترین میں تھی۔ کرتا ہے۔ اور حیاتِ اجتماعی کے فطری عہد کو مسلسل عمر کے قدرتی قانون کے ساتھ ساتھ رہنے کے لئے استوار کرتا ہے۔ منطقی عمل کے احساس کے ساتھ رسم اور موسیقی کو [illegible] کر کے۔ اور اولادِ قوم (Family Community) کو حسن اور فنونِ لطیفہ کے گہوارے میں پرورش کر کے اُس نے اپنی تعلیم کو اسقدر جِلا دی۔ اور اتنا پائدار بنایا۔ کہ ادنےٰ ترین انسان بھی زندگی کے بے ثبات حالات میں شرافت کے اعلےٰ ترین مدارج طے کر گیا۔

اگر ہم ان نتائج کا دوسری تہذیبوں سے موازنہ کریں۔ تو اُس قوم کی تہذیب کا فرق جو اپنی ترقی کی منازل پستی سے شروع کر کے بلندی کی طرف طے کرے۔ اُس تہذیب سے جو اپنے نقوشِ ارتقا بلندی سے لے اظہر من الشمس ہے۔ جہاں دوسرے ممالک میں ہمارے دلوں کی اجتماعیت سے بے تعلقی اور معتقدات پر شیفتگی نے قرنہا قرن تک علوم کو حکمران قوموں واعظوں اور راہبوں ہی کی اجارہ داری میں دے رکھا تھا۔ اور وہ عوام کی خواہش سے مجبور ہو کے ہی کبھی دوسروں کو اپنا شریک بناتے تھے۔ وہاں چین میں سادہ لوح شخص ہی کی عقلِ عمومی قوم کے قصرِ ملّی کی اساس و بنیاد تھی۔ کیونکہ پہلے پہل یہی لوح پر قدرت کے اُس طریق کا جو انسانی اور ازلی تمام مسئلوں کے حل کی طرف جاتا ہے۔ چربہ اُترتا تھا۔

غرض یہ وجہ تھی۔ کہ جس میں مذہبیت کے کسی تخیّل نے حیات کی آزادرَو کا رُخ (کسی اور پہلو) نہ پھیرا۔ اور نہ وہاں کے افراد کی یگانگی کو اخوت کی بے معنی درخواستوں سے جبکہ دل میں مغائرت کا سمندر موجیں مار رہا تھا۔ دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ اور نہ کبھی "آزادی۔ اخوت۔ اور مساوات" کے مرض نے ملک کی فضا کو مسموم کیا۔ بے شمار انقلاب اور بے تعداد معرکے بھی جنہوں نے ملک کے چپے چپے میں تباہی پھیلائی۔ اس قومی قبیلے کو مٹا نہ سکے۔ جو ہمیشہ اپنے آپ کو ایک مقدس اور بے پایاں "مفرد" سمجھتا رہا ہے۔ اور جس میں نہ صرف چینی ہی شامل ہیں۔ بلکہ ہر وہ چیز جو زندگی رکھتی ہے۔ بے رگ و پے ہو۔ یا بارگ و پے (Organic or inorganic)۔

چین کا فطری فلسفہ لاؤتزے اور کنگ فوتزے (وغیرہما) میں معراجِ کمال پر پہنچا۔ اگرچہ ابتداً اُنکی طبیعتوں کا رُخ۔ اور آخراً اُنکے فلسفے کا پہلوئے ظاہری ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ لیکن فی الحقیقت اُن کے اصولوں کی بنیاد ایک ہی چٹان پر ہے اور وہ قوم کی خوشگوار عقلِ ذاتی (Common sense) ہے۔ حیات کی اصل کو سمجھنے اور اُس کے بسر کرنے کے "طریق" نے جو اُس نے مدتِ مدید ہوئی معلوم کر لیا تھا۔ چینی قوم کو اس قابل بنا دیا کہ وہ وحشی قوموں کو اپنے اندر جذب کر لیں۔ اور

زبردست حکمرانوں کو اپنے اجداد میں ملا ۔۔۔ چینیوں کی سائنس کے نقطۂ نگاہ میں دنیا کی دوسری قوموں کے تمام فلسفے اور تمام مذہب غیر مکمل اور ناتمام ہیں۔ اگرچہ اُن میں کم یا زیادہ تعمیری زور یا اثر ضرور ہے لیکن حیات کے تمام مظاہر کو پورے طور پر عبور کرنے کی صلاحیت نہیں۔ چونکہ قوم نے یہ اصول پوری طرح ذہن نشین کر لیا تھا۔ کہ علم حق کی تحصیل کی ہر وہ کوشش جو ایک احدیتی کی حدود سے باہر ہو۔ بذاتِ خود اپنے اندر کچھ نہ کچھ صداقت ضرور رکھتی ہے۔ اسلئے چین تعصب کے عالمگیر مرض کی دستبرد سے صاف بچ گیا۔ بلکہ اُس کی بجائے قدیم ترین زمانے سے چین میں توہم پرستی اور بت پرستی کا رواج تھا۔ چنانچہ ان باتوں نے غیر ملکوں کے مذہبی اور فلسفی خیالات کی درآمد اور اشاعت میں بہت مدد دی۔ گوئٹے نے چین کی حکمتِ قدیمہ کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اِسی لئے کہتا ہے۔ کہ:۔

"جو شخص علم و ادب سے واقف ہے۔ مذہب کا قائل ہے اور جو اُن دونوں سے واقف نہیں۔ اُسکو لازماً اُن دونوں کا قائل ہونا پڑتا ہے"۔

اس کھلی ہوئی اور عام فہم حقیقت پر قائم رہ کر جو کلیتہً مذہب کے سانچے میں نہ ڈھل سکی تھی۔ چینی ہر نئے عقیدہ کو قدرت کے "طریق" کی طرف میں موڑ دیتے تھے۔

"ایک معمولی سی سچائی قیمتی ہوتی ہے مگر جب اس کی تحقیق و تنقید کی جائے۔ تو فساد برپا ہو جاتا ہے پس عقلمند وہی ہے جو اس مخمصے میں نہ پھنسے"۔ (ڈوسی ہزیا)

اس واقعہ نے کہ حق درجہ بدرجہ اوپر کو چڑھتا ہے۔ یا نیچے اُترتا ہے۔ اور عقل و فہم یا تصور کے مختلف زاویوں پر تکیہ کرتا ہے۔ اور اُس کی حالت عموماً بلور کے (spectrums) مختلف رنگوں کی طرح ہوتی ہے۔ جو سب ایک دوسرے سے مل کے ایک ہی رنگ "سفید" دکھائی دیتے ہیں چین کے فہم و ادراک میں پیچیدگیاں پیدا کر دیں۔ جس کا اثر غیر معمولی طور پر اُس کی مصوری پر پڑا۔ ہزارہا سال کے عرصے میں چینیوں نے اپنی نسلی اور قومی تعلیم میں مختلف اقسام کی بت پرستی۔ اوہام پرستی اور بدھ مذہب کے عقائد داخل کر لئے اور تانگ اور سُنگ خاندانوں کے زمانے میں مصوری نے ان تمام شعبوں میں یکساں ترقی کی۔ جو اِن عقائد کے تاثر سے ظہور میں آئے۔ یہاں تک کہ ایک ایک مصور مختلف طرزوں میں پوری طرح ماہر ہو گیا۔ اور خیالات مختلفہ کی اُستادانہ تخلیق کا باعث ہوا۔

اِس بحث کو صاف کرنے کے لئے موجودہ زمانے میں اگر ہم کسی ایسے مصور کا وجود فرض کر لیں۔ جو اپنے تخیل کی مخلوق کی بنیاد ایک روز تو فلسفۂ مصر پر رکھے۔ دوسرے روز عیسائیت کے عقائد پر اور تیسرے روز موجودہ وقت کے جذبات کا اظہار کرے۔ تو ایسا وجود ایک امرِ محال خیال کیا جائے گا۔ لیکن چین کی مصوری کی تاریخ میں اس قسم کے نقاشوں کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ تانگ خاندان کے زمانے کے اعلےٰ ترین مصور ووتاؤتزہ کے تذکرہ مؤلفہ تشیمہ میں سے چند سطور پیش کرتا ہوں۔

"دُو تاؤ تیزو جو تاؤیوآن کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اور جو تانگ خاندان کے عہد کا اعلیٰ ترین مصور تھا۔ یانگ تی جونگ کنگ (ہوہانگ چین میں واقع ہے) کا باشندہ تھا وہ ہیائیو واقع یں چاؤ (شان تُنگ) میں بحیثیت ایک سرکاری افسر کام کر رہا تھا۔ کہ اُس کی شہرت کا چرچا خاقان لیون تشنگ (۷۱۳ — ۷۵۵ء) کے کانوں تک پہنچا شہنشاہ نے دربار میں بلایا۔ ایک اعلیٰ عہدے (Teacher to the Imperial Household) لیا چاؤ۔ پوشی سے سرفراز کیا یعنی شاہی خاندان کی تعلیم کا اعلیٰ ترین افسر بنادیا۔ گوتم بدھ دیوتاؤں۔ انسانی مجسموں اور جانوروں۔ پودوں اور درختوں کی تصویریں اُس نے اس غضب کی بنائی ہیں۔ کہ اُسکو مصوری کا باکرامت ولی مانا جاتا ہے"

اس تحریر میں ایک مغربی کے لئے سب سے تعجب خیز بات یہ ہے۔ کہ دو تاؤ تیزو کو شاہی خاندان کی تعلیم کا اعلیٰ افسر بنادیا گیا اور یہ کہ وہ ایک فیلسوف تھا۔ جیسا کہ اُسکے خطاب "تزو" سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس شخص کو بُدھ مذہب کی توہم پرستی کی تصاویر اور انسانی، حیوانی اور نباتاتی اجسام کی حقیقت سے حاصل کردہ شبیہات پر اُستادانہ اور اخلاقانہ مہارت حاصل تھی۔

جہانتک کہ ہیسٹی مو (پانچویں صدی عیسوی) کے قوانین سے ثابت ہوتا ہے۔ چین کا فن نقاشی اُس کے فلسفے کا تتبع کرتا ہوا "روح حیات" سے تعلق رکھتا ہے۔ فی الحقیقت شاعری اور موسیقی وہ بھی فلسفے کی ایک شاخ ہے جو کاغذ پر "طریق" حیات کا خاکہ جیسا جیسا کہ وہ مختلف عینکوں سے نظر آتا ہے کھینچتی ہے۔ اس طرح پر روح حیات اپنے آپ کو دو اصولوں پر ظاہر کرتی ہوئی تصور کی گئی ہے۔ اور ان دو اصولوں کے ذریعے بے شمار مظاہرات ہیں۔ وہ اصول یہ تھے۔ کہ ایک تو روح حیات کی صفات مختلفہ کو جداگانہ اشکال میں تصوّر کر کے یا روح حیات کی انسانی صورت میں تشکیل کر کے اُسکے بت یا اسی قسم کی اور چیزوں کو استعمال میں لانا۔ چنانچہ دیوتاؤں بھتنوں۔ پریوں۔ فرشتوں جنوں اور روحوں کے بُت اسی اُصول سے متعلق ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ خود نیچر سے سائنس کے ذریعے استدلال کر کے روح حیات کا ظاہر کرنا۔ چونکہ ان دونوں اُصولوں کی اساس ایک ہی تھی۔ اسلیئے اُس وقت جب کہ قوم کے دل میں ایک مرکزی سرچشمے (Central Idea) کا خالص خیال جاگزیں ہو۔ ان اُصولوں پر حاوی ہونا بالکل آسان کام تھا۔ ان اُصولوں میں فرق صرف طرز تعلیم اور ادائیگی کا ہے۔ کیونکہ بعض آدمیوں کیلیئے اُس سرچشمے تک پہنچنا جہاں سے حیات اور خیالات یا عقائد نکلتے ہیں تخیّل کی اشکال کے ذریعے زیادہ آسان تھا۔ اور بعض کے لئے نیچر کی قوتوں کی ٹھوس اصطلاحوں کے ذریعے فکر کرنے سے دونوں کا اصلی مقصد وہی سیل حیات کا سرچشمہ (تاؤ) ہے۔

دنیا کے کسی دوسرے حصے میں کسی زمانے میں بھی نقاشی نے عقل و دانش اور فہم و فراست کی اس قدر بلندیاں

ملے نہیں کیں۔ دوسرے ممالک کے مصوّر چونکہ ہمیشہ ملک کے سب سے بڑے عقیدے کی پیروی کیا کرتے تھے۔ اسلئے وہ ہمیشہ ملک کے عقائد کی تموج میں چار و ناچار بہتے چلے گئے۔ اور کبھی اتنا حوصلہ نہ کر سکے۔ کہ فکر کو کسی زیادہ وسیع اور ہمہ گیر اخلاص کی راہ پر ڈال سکیں

یہ صرف گزشتہ صدی ہی کو فخر حاصل ہے۔ کہ اس میں مغرب کے چند مصوروں نے ایک نئی راہ نکالی جسکا مقصد موجودہ روشنی کے معیار کے مطابق۔ قدرت کے تتبع کو وقعت دینا تھا۔ اور جس زمانہ حال کے علم طبعیات کے رجحان کے متوازی تھی بتسے۔ جے۔ ایچ۔ فیب تھے۔ گوئٹے۔ گلاٹنس۔ بولس۔ میٹر بنک نے فلسفے کے درجے تک پہنچا دیا۔

جب ہماری سائنس کی تحقیق (Research) اتنے ہی عمق تک پہنچ جائے گی جتنی عملی پنہائی اب اس نے حاصل کرلی ہے۔ تو نہ صرف ایک فن کی بنیاد ہی رکھی جائے گی۔ بلکہ شاید جس کا حاصل چین کے مایہ ناز کی برابری کر سکے۔ بلکہ معمرویّت اور عمر دراز میں بھی شائد مغرب کا درخت چین کے درخت کا مقابلہ کر سکے۔ جو اپنی نظیر جو تائے انفو میں واقع شدہ ہین خاندان کے درخت میں پیش کرتا ہے۔

> "ہین خاندان کے عہد حکومت (۲۰۶ ق م سے ۲۲۱ء) کے کسی دور میں یہ درخت تائے انفو کے مندر کے پائیں باغ میں جو کہ مقدس پہاڑ تائے شان کے دامن میں واقع ہے۔ لگایا گیا تھا۔ ما چینگ (برٹش میوزیم کی اصطلاح میں کاوسنگ) جی انگ (۷۲۶ اسے ۷۹۷ء) نے اپنے دورے کے عرصے میں اس درخت کی تصویر پتھر پر کندہ کی تھی۔ اور پتھر درخت کے قریب نصب کر دیا گیا"
>
> (جیمز میوُر)

ہین کا درخت آجتک اسی جگہ کھڑا ہے۔ جہاں اسے آج سے دو ہزار سال پہلے لگایا گیا تھا۔ اور درازی عمر کی ایک زبردست شہادت ہے

> "جو کمزور اجناس کی حیات سوز خزاں کے بے شمار تھپیڑے کھانے پر بھی زندہ رہا صرف اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو ارتقی طاقت کے حوالے کر دیا تھا۔ جو اس کو سر چشمہ ازل سے مرکب جسم کی حیثیت سے فرض زندگی ادا کرنے کیلئے وجود میں لائی۔

چین کے آخر میں زبردست شہنشاہ جی ای ین نے اپنی تصویر میں ہین کے درخت کا وہ روحانی عنصر جو حیات میں تحریک پیدا کرتا ہے۔ دکھایا ہے۔ یہ ہیئتی ہو کا پہلا اصول نقاشی ہے۔ اور ان لوگوں کے لئے ایک اشارہ ہے جو اس حق کی تلاش میں ہیں۔ کہ اس حیات کے تجربہ کرنے کے لئے جو وقت اور مکان سے بالا ہو۔ صرف اس کی ضرورت

ہے ۔ کہ ایک درخت کی طرح قدرت کے "طریق" کی جو بالکل سہل اصل ہے ۔ بے چون وچرا پیروی کی جائے ۔

"جو طریق ہمارے تخیل میں آئے ۔ وہ ازلی طریق نہیں" اور اسکا جو نام بھی رکھا جائے ۔ وہ اُس کا ازلی نام نہیں"

"اُس طرف تو وہ لائق تسمیہ شئے دنیا کی ابتدا میں رہتی ہے ۔ اور اس طرف تمام اجسام کی پیدائش کا افتتاح کرتی ہے"

"اسلیئے ازل کے اُس طرف کی جستجو ۔ قوتوں کا تصور پیدا کرتی ہے ۔ اور ازل کے اس طرف کی تلاش وسعت کی پہنائیاں ہمارے دل میں لاتی ہے"

"ان دونوں کی اصل تو صرف "ایک" ہے ۔ لیکن نام جُدا جُدا ۔ اور ان کی احدیت کا سب سے بڑا راز ۔ اور راز کا عمیق ترین راز وہ دروازہ ہے

جو

"تمام قوتوں کو آشکارا کرتا ہے ۔"

(ماخوذ) "وحید"

نغمے

آیا نہ رنگِ التفات یار کی چشم ناز میں
خستہ رہا میں رات بھر انجمنِ نیاز میں

لاکھوں نیازمندیاں میری جبیں میں دفن ہیں
مقبرۂ حیات ہوں کوچۂ بے نیاز میں

سجدے میں ہیں چمن کے پھول بلبل زار ہے خموش
مست خرام ہے صبا کوئی خوابِ ناز میں

نشر میں وقت ہوگئیں حشر میں صرف ہوگئیں
غنچے بھی تھیں قیامتیں اُنکے خرام ناز میں

عابد جمال

فریب

(از:- مولانا ظہیر حسین ایم اے علیگ)

کبھی سوچا بھی تو نے اے مناظر کے تماشائی
فریب چشم ظاہر بین ہے یہ ہنگامہ آرائی

یہ گلشن کی روش بندی، یہ صحن باغ کا نقشا،
گھروندا ہے گھروندا نا سمجھ معصوم بچوں کا

یہ پانی کی سبک رو نالیوں کے جال خوش منظر
نقوش آب ہیں معدوم ہو جائینگے بن بن کر

یہ جلوے سنبل و نسریں کے، یہ حسن گل رعنا
طلسم رنگ و بو ہے - دو ہی دن میں ٹوٹ جائیگا

یہ نخل آب یعنی نقرئی خاموش فوارا
حریف یک نفس بھی تو نہیں گویا حباب آسا

ہزاروں کی در و دیوار پر یہ آئینہ بندی
بس اک دھوکا ہی دھوکا ہے حقیقت کچھ نہیں جبکی

یہ رنگیں خوش ادا شام و سحر، یہ چاندنی راتیں
ابھی کل ہی کو تو خود کہہ اٹھیگا - کل کی تھیں باتیں

یہ رنگا رنگ برقی قمقمے، سر سو منیا گستر
ہوائی بلبلے پانی کے روشن ہو گئے اُڑ کر

یہ جشن عیش یہ جوش طرب - یہ رونق گلشن
حقیقت کیا ہے اُن کی صبح تک ہو جائیگا روشن

تماشہ گاہ کے جتنے تحیر خیز منظر ہیں
ترے حسن نظر کی رنگ آمیزی کے جوہر ہیں

نواسنجان خوش آواز کا یہ نغمۂ رنگیں
تموج ہے ہوا کا ایک، ہلکا سا، مگر شیریں

یہ شان دلفریبی ہر طرف جو زینت آرا ہے
نگاہ ظاہری کا ایک ادنےٰ سا کرشمہ ہے

یہ حسن خود نما کی دیویاں انساں کے پیکر میں
خیالی چند تصویریں ہیں مٹ جائینگی دم بھر میں

نمود رنگ و بو کیا، نقش باطل کی نمائش کیا،
بجھی جاتی ہے اب، شمع سحر کی آزمائش کیا

یہ ہر نظارۂ رنگیں، جو روح دلربائی ہے
حواس ظاہری نے مل کے اک صورت بنائی ہے

یہ اے غافل ترا مست سرور و مسرور ہو جانا
حقیقت میں حقیقت سے ہے کوسوں دور ہو جانا

تری ظاہر پرستی اصل میں باطل پرستی ہے
بھلا یہ ہستی موہوم بھی ہستی میں ہستی ہے

حقیقت ڈھونڈنے اٹھا ہے تو چشم مجازی سے
کہیں راز نہاں ملتے ہیں خالی دیدہ بازی سے؟

تری سطحی نظر اور ایک دن رمز آشنا ہوگی؟
مثال خود فریبی اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی؟

نگاہ دل سے آنکھیں کھول کر، ہاں دیکھ ہر شے کو
صدائے نے پہ مت جا ڈھونڈھ روح نغمۂ نے کو

نکل کر عالمِ ظاہر سے ۔ آ باطن کی دنیا میں
درِ مکنوں کا طالب ہے ۔ تو غوطہ مار دریا میں

سما جا ایک اک ذرّے کی تہ میں دیدہ ور ہو کر
نظر کو آشنائے راز کر اہلِ نظر ہو کر

پتہ اسرارِ عالم کا اگر تجھ کو لگانا ہے
تو سُن ! گہرائیوں میں دل کی پہلے ڈوب جانا ہے

نگاہِ شوق کی رگ رگ میں ذوقِ جستجو بھر لے
جہانِ دل کے ہر ذرّے کو وقفِ آرزو کر لے

جمودِ بے حسی میں نرمیِ احساس پیدا کر
جگر میں سوزِ دل سے گرمیِ احساس پیدا کر

نوائے عشق سے دنیا میں اِک محشر بپا کر دے
دلوں کو لذتِ دردِ طلب سے آشنا کر دے

کلی کے دل میں چھپ جا، پھول کی نکہت میں گم ہو جا
عروسِ فکر بنکر حجلۂ فطرت میں گم ہو جا

نگاہِ غور سے دیکھے تو ہر قطرے میں طوفاں ہے
جہاں کا ایک اِک ذرّہ حریفِ صد بیاباں ہے

سکونِ قلب کے جویا جگر تابی تو پیدا کر
جمودِ دل کے اندر روحِ سیمابی تو پیدا کر

اثر میں ڈوب جا پھر ڈوب کر ہر دل میں گھر کر لے
نگاہ بے خبر کو واقفِ رازِ اثر کر لے

بڑھا کر جذبِ دل کو زورِ عالمگیر پیدا کر
نظر کی جنبشوں میں برق کی تاثیر پیدا کر

تصوّر کو جمالِ حسن سے معمور ہونے دے
تخیّل کی بلندی کو ابھر کر طور ہونے دے

اُٹھا دے پردۂ محسوس باطن کی نگاہوں سے
جمالِ معرفت کو دیکھ آ کر دل کی راہوں سے

فضا کی خامشی کا نغمۂ وجد آفریں سُن لے
سکوتِ شب میں آوازِ پرِ روح الامیں سُن لے

زبانِ شمعِ سوزاں بنکے رازِ زندگی کہہ جا
حدیثِ لذتِ سوز و گدازِ زندگی کہہ جا

خود اپنی خلوتِ باطن کے پردو میں نہاں ہو جا
حقیقت کے حریمِ بےخودی کا رازداں ہو جا

زچشمِ دل تماشا کن سرابِ زندگانی را
بدریائے فنا دریاب آبِ زندگانی را

رُوح کا شکاری

نعمان نے سگار کا ایک طویل کش لیتے ہوئے ایک ایسے تبسم کے ساتھ جسمیں پندارِ علم جھلکتا تھا۔ کہا۔ راشد! تم، تم ابھی قدامت کی فرسودہ جہالت میں اسیر ہو۔ تمہاری گفتگو میں اندھی مذہبیت کا رنگ جھلکتا ہے۔ تمہارے دماغ کی رگوں میں امکانات کا احساس نہیں، تم ایک مخصوص اور محدود دائرہ عقیدت کے چاروں طرف چکر کھا رہے ہو تمہیں معلوم ہے کہ سائنس اور فلسفہ نے اُن تمام محالات کو ممکن کر دیا ہے۔ جو ابتک تمہارے خدا اور اسکی قدرت سے وابستہ تھے۔ مگر تم اپنے علم سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتے۔ تم ابھی وہیں ہو جہاں سے انسان نے پہلا قدم اُٹھایا تھا۔ اور نہیں جانتے کہ دنیا مرکزِ اعتقاد سے بہت آگے بڑھ گئی ہے۔

راشد نے جو نعمان کی فطرت کا ایک روشن دماغ اور منور خیال پڑھنے والا تھا۔ ایک ایسے انداز میں اپنی گردن کو جنبش دی جس سے نعمان کے مسلمات اور نظریات کی ایک پوشیدہ تحقیر ہوتی تھی۔ اُس نے سامنے رکھی ہوئی میز پر اپنی مٹھی کو زور سے مارا اور لہجے کی پوری وجاہت کے ساتھ کہا:۔ "نعمان! سائنس اور فلسفہ اپنے دامنوں میں معلومات کے ہزار عالم جذب کرلے۔ پھر بھی وہ اُن چیزوں پر اور ان حقایق پر حاوی نہیں ہو سکتا جنہیں خدا نے صرف اپنے علم میں رکھا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تمہاری ذہنیت کو سائنس کی حیرت انگیز عقل سوز ایجاد نے پھونکدیا ہے۔ تمہارے دماغ کی قیمتی گنجائشیں بیکار ہوگئی ہیں۔ تم اپنی زندگی کے زرین لمحے لایعنی اور بے معنی انکشافات میں برباد کر رہے ہو۔ کاش تمہاری نادر ذہنیت اور تمہارا وسیع مطالعہ کسی جائز اور مفید کام میں صرف ہوتا، اے کاش! تم خدا کی عالم آشکار صناعیوں کے ایک بہترین مبصر ہوتے۔ نعمان! میرے قابل دوست میں پھر کہتا ہوں کہ تم اپنا وقت تباہ کر رہے ہو۔"

نعمان جو راشد کی باتوں کو نہایت لاپرواہی سے سُن رہا تھا، مسکرایا اور اُس نے کہا" غلط ہے، بالکل غلط، میرا وقت میرے لمحاتِ حیات، وہ لمحاتِ حیات جن میں سے ایک بھی روح کی قیمت سے کم نہیں۔ اور جنکی اہمیت کا میری مشغول اور کامیاب زندگی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ہرگز فضول اور بیکار نہیں ہیں وہ مجھ سے ضرور ایک شے لئے جا رہے ہیں۔ لیکن وہ چیز جو وہ مجھے دیے جاتے ہیں۔ کہیں میری چیز سے زیادہ زریں زیادہ قیمتی زیادہ محبوب اور زیادہ نفیس ہے۔ میرا تجربہ میری اُمیدوں کے اندازہ سے کامیاب ہو رہا ہے۔ میں روح کی ماہیت سے اچھی طرح واقف ہو چکا ہوں

کیا تم سمجھتے ہو۔ میں پاگل ہو گیا ہوں۔ کیا تم مجھے وحشی خیال کرتے ہو۔ اسکی آواز تھرتھرانے لگی۔ اسکی بڑی بڑی آنکھیں جن میں معروفیت اور تحقیق کی رُوح جذب ہو کر رہ گئی تھی۔ اور کشادہ ہو گئیں۔ اسکی عجیب پیشانی جسکے بسط سے پہاڑوں کو چیر دینے والا۔ زمین کو الٹ دینے والا اور آسمان کو پھونک دینے والا عزم پھوٹا پڑتا تھا پسینے کی بھیگی ہوئی روشنی سے نم ہو گئی۔ اُس نے اپنے دراز اور قوی ہاتھوں کو زور سے جھٹکا دیا۔ اور آواز کی مکمل تیزی کے ساتھ کہا "راشد! کیا تم میرے کمرے میں یہ ہزاروں روپیہ کا سامان محض مٹی کے کھلونوں اور نمائشی چیزوں پر محمول سمجھتے ہو۔ میں رُوح اور علم رُوح کا ماہر ہوں۔ میں روح کو قبضے میں کر لونگا اور ایک دن مردہ اجسام کا زندہ کر دینا میرے لئے آسان اور بالکل آسان ہو جائے گا۔ میں دنیا کے لئے تحقیق کا فرشتہ ہوں۔ میرے اس کارنامے سے دنیا حیران ہو جائیگی۔ ہاں! میں دنیا کو حیران کر دونگا۔ حیران اور متحیر ——

راشد نے اس لہجے میں گویا اس نے نعمان کی رُوح ہلا دینے والی کوہ شکن اور پر عزم تقریر سے کچھ اثر ہی نہیں لیا" کہا:۔ "نعمان! تم فطرت سے ایک غلط راستہ مانگ کر لائے ہو، اور ماحول تمہارے ضمیر کو اُس راہ پر چلنے کے لئے مجبور کر رہا ہے۔ جو خبط تمہیں آج ہے وہ آج سے ہزاروں سال پہلے یونانیوں کو بھی ہوا تھا۔ لیکن نعمان! یاد رکھو! انسانی قوتوں پر حکمرانی کرنیوالی ایک قوت اور بھی ہے جسنے یونانی تعقل کیمونک کر خاک بر دیا تھا اور اگر موجودہ انسان بھی اپنے ذہنی ارتقار پر زیادہ مغرور ہوا تو وہ وقت دور نہیں جبکہ انسانی دماغ کی رگیں کسی عجیب اور جلیل طاقت کے زبردست غیبی ہاتھ سے مروڑ ڈالی جائیں۔"

نعمان نے سگار کو لبوں میں اطمینان سے گردش دیتے ہوئے اور کرسی کو ذرا پیچھے ہٹاتے ہوئے ایک تمسخر آمیز لہجہ میں جواب دیا۔ "وہی ہزاروں برس پہلے کا ذکر! راشد ہر نیا آفتاب اپنے ساتھ ایک نیا پیغام معلومات لاتا ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ دنیا کے ہر شعبے میں ارتقار کی کس درجہ لہریں دوڑ رہی ہیں۔ کیا تم اس کا جواب دے سکتے ہو کہ آج سے ہزاروں سال پہلے دنیا کی یہی حالت تھی کیا لاسلکی کی حیرت زا ایجاد آپ کے تمام تر دفتر روحانیات کو ہوا میں ذروں کی طرح گردش نہیں دے رہی ہے!"

راشد نے نعمان کے یہ الفاظ سنے اور اسکے چہرہ پر اک مطمئن اثر دوڑا ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ اُسے نعمان کو شکست دینے کے لئے نعمان ہی کے لفظوں سے کوئی بات مل گئی ہے۔ اس نے نعمان کی طرف دیکھا، اور کہا:۔ "کیا میں خوش قسمت نہیں ہوں آج تم خود اپنی زبان سے فلسفۂ روحانیات کے قائل ہو، اب میں تم سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آج دورِ ارتقار میں انسان کی معمولی کاوشوں سے ایک ایسی عجیب شے تیار ہو سکتی ہے جسکے ذریعہ ہر شخص لاکھوں کوس کروڑوں میل بیٹھ کر گفتگو کر سکتا ہے اور جسکی شعاعوں پر نغمکی بجلیاں رقص کرتی ہوئیں سننے والوں کی سماعت پر منقسم ہو سکتی ہیں۔ لیکن کیا اُن قابل پرستش بزرگوں یا اُن ریاضت اور عقیدت کے دیوتاؤں سے جو اپنی عمریں عبادت اور

مجبت ۔ صرف کر دیتے تھے۔ یہ غیر ممکن خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ کرامت یا معجزہ کا اظہار کر سکتے تھے۔

نعمان نے کچھ بے کیف ہو کر گردن ہلائی اور کہا "راشد! تم بحث سے بہت دور جا پڑے ہو۔ میں اس وقت اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔"

راشد نے نجالت آمیز لیکن مستعد طریقے سے گفتگو کا پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا "ہاں۔ مجھے اس کا یقین ہے کہ تم اپنے عزم میں نہایت مستقل ہو۔ اور میں تمہارے تجربوں کے نتائج معلوم بھی کرنا چاہتا ہوں ہاں آخر تمہارا تجربہ کس حد تک پہنچ چکا ہے۔"

نعمان نے خوش ہوتے ہوئے جیسے راشد واقعی اسکے تجربوں سے دلچسپی رکھتا ہے، کرسی سے گردن بلند کرتے ہوئے کہا "اس حد تک کہ میں روح کی ماہیت سمجھ گیا ہوں۔ اور اس حد تک کہ میں روحوں کی تصویریں لے سکتا ہوں۔ دیکھئے!" یہ کہکر وہ کرسی سے اٹھا اور قریبی میز کی دراز سے ایک البم نکال لایا۔ اس نے البم راشد کے سامنے کھولتے ہوئے پھر کہنا شروع کیا "دیکھو راشد یہ ہیں وہ روحوں کی مختلف تصویریں جو میں نے ایک ہفتہ قبل لی تھیں۔"

روحوں کی تصویریں، راشد نے متعجبانہ لہجے میں ایک تصویر اٹھائی اور چونک کر کہا: "نعمان روح تو بالکل غیر مرئی شے ہے۔ روح کی تصویر کیونکر لی جا سکتی ہے"۔ یہ کہکر وہ رک گیا اس نے نگاہیں روح کی تصویر پر جماویں۔ اور پھر یکایک چونک کر کہنا شروع کیا "منور لکیریں اور ہیولیٰ ——— روح کی تصویر نہیں ہو سکتی"۔ اس نے اپنے ہاتھ سے تصویر رکھدی۔

نعمان مسکرایا اور اس نے کہا "راشد تمہاری روح تم پر رحم کرے"، تم ابھی تک میرے قائل نہیں۔ اس نے جلدی جلدی البم کے صفحات الٹنے شروع کئے۔ اور ایک نگاہ ڈال کر البم بند کر دیا۔ پھر مطمئن ہو کر اس نے کہنا شروع کیا "لیکن میرا دوسرا تجربہ یہ بھی ہے کہ روح ایک گیس ہے جو مختلف مادوں کے امتزاج سے جسم میں بنتی ہے اور جب جسم میں اس کا گھر کمزور ہو جاتا ہے تو وہ خارج ہو جاتی ہے۔ مگر اسکی قوتیں اس کے ساتھ رہتی ہیں۔ اگر روح پر قابو پا لیا جائے تو وہ مردہ جسموں میں داخل کی جا سکتی ہے اور اس طرح زندگی کی ایک حرارت آمیز موج انسان کے ہاتھ ......" وہ رک گیا اور اس نے سر کے بالوں کو آہستہ سے مس کیا اور پھر کہا "انسان کیا میرے ہاتھ آسکتی ہے۔ اور میں دنیا کے لئے زندگی بخش ثابت ہو سکتا ہوں۔"

لیکن راشد نے کچھ زیادہ سنجیدہ ہو کر نعمان سے استفسار کیا "آخر نعمان! روح پر قابو حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے"!

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا "راشد ادھر آؤ!" یہ کہہ کر اس نے دیوار پر لگا ہوا بٹن دبایا۔ یکایک ایک سریع جنبش کی آواز ہوئی اور کمرہ کے وسط میں کوئی چیز اٹھتی ہوئی نظر آئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کمرہ کے فرش ہی کا کوئی حصہ ہے، جو نفاست سے کاٹ کر معلق کر دیا گیا ہے۔

"ڈرو نہیں۔ راشد" نعمان نے بڑے مطمئن لہجے میں کہا" یہ ربڑ کا دروازہ ہے جس میں سے میرے معمل خانے کی طرف راستہ جاتا ہے"۔

"ربڑ کا دروازہ!" راشد نے متحیر آواز سے پوچھا" اس میں کیا مصلحت ہے؟ دروازہ کا راستہ تو بیحد تاریک ہے نعمان"؟ راشد رک گیا۔ گویا وہ چلنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ نعمان نے ایک دراز قہقہہ لگایا اور کہا "چلو راشد! تم تو اس طرح ڈر رہے ہو۔ گویا میں تمہاری ہی روح کو اسیر کرلونگا" نعمان نے یہ کہکر اُترنے کے لئے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔ راشد بھی لرزتا ہوا اسکے پیچھے ہو لیا۔ لیکن اس کی حیرت کی حد نہ رہی۔ جب ایک ساتھ سیڑھی پر قدم رکھتے ہی اسکی نگاہوں کو ۲۰۰ برقی قمقموں کی روشنی نے دہکا دیا۔ اس نے کہا "نعمان"!

نعمان نے کہا چلے آؤ۔ وہ ایک وسیع سرعت سے حملہ آور سپاہی کی طرح چلا جا رہا تھا ۲ فرلانگ چلنے کے بعد آخر وہ ایک سیاہ دیوار کے سامنے پہنچکر ایک سفید نشان پر کھڑا ہو گیا اس نے سختی سے اُس نشان پر اپنا سیدھا پاؤں مارا۔ ایسی جھنکار کے ساتھ جیسے بیک وقت ایک لاکھ ستاروں کے تار ٹوٹ جائیں سیاہ دیوار بائیں طرف ہٹ گئی

"دیکھو راشد! یہ ہے میری تیس سال کی مسلسل کاوش اور محنت کا نتیجہ" نعمان نے دستانہ اتارتے ہوئے راشد کی طرف دیکھکر کہا اور بجلی کا بٹن دباتے ہوئے ایک بڑے ہال میں داخل ہو گیا۔

یہ ہال نعمان کی معمل گاہ تھا۔ دیواروں کی تمام الماریاں مختلف اور عجیب شیشوں اور چمکدار آلات سے پُر تھیں۔ کمرہ سائنس کے تمام تر متعلقات اور روح کو گرفتار کرنے کے تمام سامانوں سے آراستہ تھا۔ درمیان میں ۱۰ گز لمبی چوڑی اور چھ گز بلند ایک چیز رکھی ہوئی تھی۔ جسپر سیاہ غلاف چڑھا ہوا کسی خوفناک معرکے کی داستان سنا رہا تھا۔ راشد نے نہایت تعجب کے ساتھ آنکھیں پھاڑ کر کہا "یہ کیا ہے نعمان"؟

نعمان نے کہا" بتاتا ہوں" اور قریب کی ایک میز پر پہنچکر ایک چھوٹی سی مشین کو حرکت دینے لگا۔ کوئی دو سیکنڈ کے بعد غلاف کے پردوں میں ایک حرکت پیدا ہوئی اور غلاف آہستہ آہستہ پیچھے کی طرف غائب ہونے لگا۔ ایک چمکدار احاطہ اُبھرتا ہوا نظر آیا۔ جو روشنی کی شعاعوں سے جگمگانے لگا۔

نعمان مشین کو برابر گھما رہا تھا۔ اُسکی کشادہ پیشانی پر عازمانہ استعداد جلوہ گر تھی۔ اور اُسکی بڑی بڑی مدبر آنکھیں پُل کی حرکت کو زیادہ کشادہ ہو کر اس انداز سے دیکھ رہی تھیں گویا وہ عنقریب کسی فتحیابی کو محسوس کرنے والی ہیں۔ راشد متحیر کھڑا تھا۔ آخر نعمان رُکا۔ آہستہ آہستہ راشد کے پاس آیا اور کہنے لگا "دیکھا راشد۔ یہ ہے وہ شیشے کا قیدخانہ جسمیں میں روح کو گرفتار کرونگا اور پھر اپنے قبضے میں کر لونگا" یہ کہکر وہ پھر میز کے قریب چلا گیا اور مشین کو حرکت دینے لگا۔ یہانتک کہ پردے چاروں طرف سے

زمین کی آغوش میں غائب ہو گئے۔

اب نعمان اُٹھا۔ اور ایک فاتحانہ انداز سے ٹہلنے لگا۔ وہ نہایت مطمئن تھا۔ اور اِسکے خرام سے کامیابی کی مسرت برس رہی تھی۔ اسکی آنکھوں میں بالکل ایسی روشنی تھی جیسی ایک جگہ بہت سے ہیرے جمع کر دینے سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اسکے چہرہ پر ایک نہایت لطیف پندارمیں ڈوبا ہوا احساس جلوہ گر تھا۔ اور وہ اُس وقت ایک بہادر فاتح کی طرح ٹہل ٹہل کر اپنی عمل گاہ کا جائزہ لے رہا تھا۔ آخر وہ آگے بڑھا اور اس نے راشد سے کہا۔

"میں نے اس شیشے کے مکان کو بہت سی سائنٹیفک اجزائے لطیف سے مرکب کیا ہے اور اسدرجہ قوت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ یہ روح کا وزن سہار سکے اب میں ......"

نعمان یہیں تک کہنے پایا تھا کہ راشد نے مسکرا کر کہا "اچھا نعمان! تو روح کوئی بھاری شے ہے؟"

نعمان نے جواب دیا "بے شک۔ اب وہ قدیم تعریف کہ روح اک شئے لطیف ہے جھوٹی ہو چکی"۔

راشد نے بہت ہی منہ بناتے ہوئے کہا "تم نہایت تاریک خیال ہو۔ آج سے قبل علم الارواح کے جتنے عالم گزرے ہیں۔ وہ بے وقوف تھے۔ صرف اُنیسویں صدی کا انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ روح غیر لطیف شئے ہے۔

نعمان نے نہایت ملائم لہجے میں راشد کے کاندھے پر ہاتھ رکھکر کہا "اسکا جواب میں تمہیں عنقریب دونگا۔ جبکہ میرے تجربے مکمل ہو جائینگے۔ اور میں اُن کی روداد دنیا کے سامنے پیش کرونگا۔ اس وقت میں صرف اس تلاش میں ہوں کہ کوئی تندرست انسان مجھے عالم نزع میں دم توڑتا ہوا مل جائے اور میں اُسے یہاں لاکر اپنے آخری تجربے کو مکمل کر سکوں"۔

راشد نے کہا "کوئی شخص زندگی کی آخری گھڑیاں تمہارے سپرد نہیں کر سکتا"۔

نعمان مڑا اور اس نے ایک میز سے اخبار اُٹھا کر راشد کو دیتے ہوئے کہا "نہیں راشد! دنیا میں بہت سے مجبور انسان ایسے بھی ہیں۔ جنکے لئے موت بھی زندگی کی تکالیف کا خاتمہ نہیں کرتی۔ اور انہیں اسوقت بھی ضروریات ستاتی ہیں۔ مینے بہت سے اخباروں میں اعلان کیا تھا۔ کہ جو شخص عالم نزع میں یہاں لایا جائیگا۔ اور یہاں آکر اس کا دم نکلیگا میں پانچسو روپیہ اسکے وارثوں کو دونگا۔ اس اعلان کے بعد اب تک کئی ایسے انسان آچکے ہیں۔ مگر افسوس۔ اُس نے بہت تکلیف کے ساتھ کہا۔ کہ شیشے کے مکان میں پہنچنے سے پہلے اُن کا دم نکل گیا۔

راشد نے کچھ سریع ہو کر جیسے وہ کوئی عجیب بات بتا رہا ہے۔ کہا "نعمان! تم شفاخانوں کے سرجری روم سے اس کا انتظام کیوں نہیں کر لیتے"۔

نعمان نے آنکھوں کو سکیڑتے ہوئے جواب دیا "نہیں، شفاخانے کے متعدد مریض جو مر رہے تھے۔ شیشے کے گھر کی تیاری سے قبل آئے۔ لیکن ان کی روحوں پر میرا تجربہ صحیح نہیں ہوا۔

معلوم ہوا کہ بیماروں کی روحیں کافی کمزور ہوتی ہیں۔ یکایک اُس میں جوش پیدا ہوا اور اس نے تیز لہجہ میں کہا "اسوقت تو مجھے ایک تندرست روح کی ضرورت ہے۔ تندرست رُوح"۔

یہ کہکر کرسی پر بیٹھ گیا اور کچھ بڑبڑانے لگا "میں اُسے ضرور قابو میں کرونگا۔ غیر ممکن ہے۔ میرا انتظار رائیگاں نہیں جا سکتا"۔

---

(۲)

دوسرے دن راشد اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا اخبار پڑھ رہا تھا۔ کہ اُس نے صفحۂ اعلانات میں دیکھا کہ "سر ڈاکٹر نعمان کا لکچر "سائینس اور علم الارواح" پر ۱۶ رجون کی شام کو ارسطو ہال میں ہوگا" وہ ایک ساتھ اپنی کرسی سے اُٹھا اور میز کے قریب جاکر ٹیلیفون کی گھنٹی بجائی اور سماع (ٹیلیفون) اُٹھا کر کہنے لگا:۔

بی = ۲۲۴۰ - نعمان بلڈنگ

وہ ۵ منٹ تک برابر گھنٹی بجاتا رہا۔ لیکن سماعت آواز کے بعد بھی نعمان نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے پھر تیز تیز آواز میں کہا:۔ "نعمان" "سر نعمان"! "میں آپ سے کچھ ضروری گفتگو کرنا چاہتا ہوں ......"

نعمان اسوقت اپنی معمل گاہ میں ایک خونی محقق کیطرح پریشان پھر رہا تھا۔ اُس کا احساس اسوقت ہیبت ناک تھا۔ وہ بدحواس تھا۔ اسپر خوفزدہ بھیڑیئے کی سی دہشت طاری تھی۔ وہ گھنٹی کی آواز سن رہا تھا۔ مگر نہیں چاہتا تھا کہ اُس طرف متوجہ ہو۔ گھنٹی برابر بج رہی تھی۔ مجبوراً وہ ایک تکلیف دہ سرعت کے ساتھ ٹیلیفون کی میز کے قریب گیا اور اس نے لرزتے ہوئے، کانپتے ہوئے، ہلتے ہوئے، ڈگمگاتے ہوئے زرد ہاتھوں سے ناگوار صورت بناکر ٹیلیفون اُٹھالیا۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا: "کو...... ن...... ہے؟"

راشد نے جواب میں بہت سرعت سے کہا۔ "نعمان اسلام میں ہوں راشد۔ پانچ منٹ سے تمہیں بلا رہا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے تم کل کے لکچر کی تیاریوں میں مصروف ہو۔ کیا واقعی تم ارسطو ہال میں سائینس اور علم الارواح پر کچھ بولوگے"

نعمان نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہاں۔ ہاں راشد لیکن کیا تم اِسی وقت مجھ سے میرے مکان پر آکر مل سکتے ہو"۔ راشد نے تعجب کے لہجہ میں زور سے کہا "کیوں؟ کیا کوئی اہم ترین بات ہے"

نعمان نے جواب میں کہا "بے شک"۔

راشد نے سلسلہ توڑتے ہوئے کہا "اچھا میں پانچ منٹ کے بعد آتا ہوں"۔ یہ کہکر اُس نے ٹوپی سر پر رکھی اور تیز تیز زینے سے اُترتا ہوا باہر کے دروازہ پر آگیا۔ جہاں موٹر اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ جلدی سے موٹر میں کودا اور موٹر ایک طویل سڑک سے مڑ کر گلیوں میں کھو گیا۔

---

(۳)

نعمان اپنی معمل گاہ میں برباد بدحواسی اور تباہ حالی کے ساتھ میز پر سر رکھے ہوئے بیٹھا تھا کہ یکایک اسکا سکوت تخیل ایک روح لرزا دینے والی جھنکار سے ٹکرایا۔ وہ چونکا اور دیوانہ وار آنکھیں پھاڑ کر چلایا "راشد! میں نے روح کو پکڑ لیا۔ میں نے روح کو پکڑ لیا" راشد نعمان کی یہ حالت دیکھکر کانپ گیا۔ لیکن اس نے فوراً ہی خود کو سنبھالتے ہوئے ایک بھرائے ہوئے لیکن مطمئن لہجے میں جواب دیا۔ "ہاں تم نے ضرور روح کو پکڑ لیا۔ بے شک تم نے ضرور روح کو پکڑ لیا!" یہ کہکر اُس نے نعمان کو آرام کرسی پر لٹا دیا جو برابر یہ کہے جا رہا تھا کہ میں نے روح کو پکڑ لیا ہے۔ میں نے روح کو پکڑ لیا ہے۔

"شاید ڈاکٹر آج اپنے کسی تجربہ میں ناکام ہوا ہے" راشد نے گردن جھکاتے ہوئے اور کچھ خیالات قایم کرتے ہوئے کہا "اس کے دماغ پر کسی غیر معمولی اثر نے حملہ کیا ہے۔ وہ دماغی تکلیف میں مبتلا ہے۔ تھوڑی دیر میں اچھا ہو جائیگا"

یہ سوچتے سوچتے اس نے سر اُٹھایا تو اسکی نگاہ شیشے کے گھر کی طرف پہنچی۔ جہاں اس نے ایک جمیل ترین عورت کو بیہوش دیکھا۔ اسکی حیرت کی حد نہ رہی۔ اسکے حواس اُڑ گئے اسکا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے نعمان کی طرف ایک متجسس نگاہ سے دیکھا اور تیزی سے خوفناک شیشے کے قید خانہ کی طرف بڑھا۔

نعمان نے جو راشد کے تحیر اور اپنی پریشان خیالی کو مجروح کر کے کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہتا تھا۔ اُسے دیکھا وہ ایک کرب کیساتھ اُٹھا اس نے کہا "راشد ادھر آؤ"۔ راشد چونکا اور اُس نے نعمان کیطرف دیکھکر کہا "ڈاکٹر یہ عورت کون ہے؟"

نعمان نے اک مجروح لہجے میں کہا "میں نے تمہیں اسی لئے بلایا ہے تم ادھر آؤ" یہ کہکر اس نے میز سے شیشے کی ایک موٹی نلکی کو اُٹھا لیا پھر طبیعت سنبھالکر کہا "دیکھو راشد میرا خیال ہے کہ آج میں روح پر قابو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔" اس نے نلکی کو آہستہ سے اُونچا بلند کیا اور سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک موٹی عورت کی رُوح ہے ایسی موٹی عورت کی جو رسالوں میں شایع شدہ مس ہولٹ سے بھی زیادہ موٹی تھی۔" اُس نے نلکی کو جس میں ایک رنگین سی بوند قطرہ سیمابی کی طرح لرزاں تھی۔ آہستہ جنبش دی۔ اور چلا کر کہا "یہ ایک موٹی عورت کی روح ہے اب میں اس کا تجربہ کرتا ہوں"

راشد نے جو نعمان کی گفتگو سے بیحد پریشان ہو رہا تھا بجلی کی طرح چمک کر کہا "نعمان خدا کے لئے ٹھیرو۔ پہلے یہ بتاؤ یہ عورت کون ہے اور یہ روح کس موٹی عورت کی ہے"۔

نعمان رُکا اور اُس نے راشد کے حوصلے کی تذلیل کرتے ہوئے جواب دیا "راشد! تم بچوں کی طرح ڈر گئے ہو۔ لیکن میں نے تمہیں اسی لئے بلایا ہے۔ کہ آج کے واقعہ سے آگاہ کر دوں"۔ اس نے پھر ایک عجیب ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ ایک موٹی عورت کی روح ہے۔ موٹی عورت کی روح"۔

اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا "آج صبح ایک

عورت آئی ہے" اس نے بیہوش لڑکی کی طرف اشارہ کیا "یہ اسکی لڑکی ہے اس موٹی عورت نے مجھ سے کہا "کیا میں اپنی لڑکی کی طرح دبلی پتلی اور نازک بن سکتی ہوں" ؟ کیونکہ یہ کوئی اہم بات نہ تھی۔ میں نے کہدیا۔ "یہ تو کچھ مشکل نہیں اور ایک محلل دوا پلادی۔ اس دوا کا اثر اس پر نہایت گہرا ہوا۔ وہ یہ کہتے کہتے لرز گیا۔ لیکن اس نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ قطرہ جو تم نلکی میں لرزاں دیکھ رہے ہو۔ وہی موٹی عورت ہے موٹی عورت ..." وہ پھر رکا اور اس نے چلا کر کہا "موٹی عورت کی روح"۔

راشد نے خوفزدہ لیکن عالمانہ انداز میں کہا "نعمان! تم اندھے ہو۔ یہ قطرہ روح نہیں ہوسکتا۔ روح تو اپنے مرجع اصلی کی طرف پرواز کرگئی۔

نعمان کھڑا ہوگیا اور اس نے جھنجھلا کر کہا :۔ "مرجع اصلی، پرواز روح کیا تاریک خیالی کی باتیں کرتے ہو" وہ کچھ دور چلا اور کچھ دور چلکر اس نے الماری سے ایک شیشی نکالی۔ دوسری نکالی۔ تیسری نکالی اور سب میں سے کچھ دوائیں لے کر ایک بند گلاس میں نازک ترین نلکی کے ذریعہ پہنچائیں۔ پھر ان دواؤں کو ایک قد آدم گلاس میں اسی نلکی کے ذریعے پہنچانا شروع کیا جسمیں پہلے سے نہایت شفاف پانی بھرا ہوا تھا۔ اس نے نہایت مطمئن لہجے میں میز کے قریب راشد کو لاتے ہوئے اور نلکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جسمیں ایک قطرہ لرز رہا تھا۔ کہا "روح کو ہوا خیال کرنے والے راشد دیکھو اسمیں تمہیں کوئی زندگی محسوس ہوتی ہے؟" راشد نلکی کے قطرہ پر مجبوراً آنکھیں جما کر بولا "زندگی کیا۔ اِک قطرہ ہے لرزاں جسکی تھرتھراہٹ اور جس کا قطرہ ہونا اسکی زندگی سے عبارت کیا جاسکتا ہے"۔

نعمان نے نہایت عجیب طریقے سے ہنستے ہوئے کہا "تو دیکھو۔ اب میں اس موٹی عورت کو زندہ کرتا ہوں اور آج ہی کچھ دن بعد وہ ایک نازک دوشیزہ ہوگی"۔ راشد نے کچھ جواب نہ دیا۔ بلکہ وہ اور زیادہ متحیر ہوا۔

نعمان اٹھا اور اس نے اس موٹی نلکی کا بڑے گلاس کی نلکیوں سے سلسلہ قایم کیا اور ایک سریع جنبش کے ساتھ اس قطرہ کو بڑے گلاس میں داخل کردیا۔ ساتھ ہی دیوار کے قریب جاکر ایک بٹن دبایا جس سے ۲۰۰ قمقموں کی روشنی کی طاقت رکھنے والا لیمپ گلاس پر اپنی شعاعیں پھینکنے لگا۔ نعمان نے بڑی طرح چیخ کر کہا "یہ تمام جسم کی روح تھی جو میں نے اس گلاس میں داخل کردی" اس نے اپنی مٹھیوں کو بھینچتے ہوئے دانتوں کو چباتے ہوئے اور ایک وحشی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھو" اب انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔ موٹی عورت کا جسم پھر واپس آتا ہے" وہ مڑا اور اس نے راشد کی متحیر نمروشی کو بےکیفی کی نگاہوں سے دیکھکر کہا "تم چپ ہو؟ خاموش خدا کے بندے میرے تیس سالہ تجربوں کی کامیابی دیکھو۔ کل کی تقریر کا پہلا حصہ اسی موضوع پر ہوگا" اس نے اپنے ہاتھوں کو جھٹکا دیا اور سختی سے کہا "تین مرد دھکو پکڑلو نگا اور تین مرد دھکو پکڑلو نگا اور میں نے روح کو پکڑ لیا ہے" یہ کہکر اپنی تمام تر توجہ گلاس کی طرف منعطف کردی۔

تھوڑی دیر بعد جب نعمان کی پیشانی پر پسینے کی بے شمار بوندیں جمع ہوچکی تھیں راشد نے گھبرا کر گھڑی کو دیکھتے ہوئے نعمان کا کاندھا

بلایا اور کہا "ڈاکٹر! پانچ بج چکے ہیں اور شام ہوا چاہتی ہے"

نعمان جو نگاہوں کی قوت جاذبہ سے گلاس کی فضا کو ایک عورت کے خیالی جسم سے معمور دیکھ رہا تھا۔ بہت دیر کے بعد چونکا۔ اس نے کہا۔ "راشد! کیا واقعی ہمیں کئی گھنٹے ہو گئے؟ لیکن کچھ پرواہ نہیں۔" اُس نے جیب سے ایک سگار نکالا اور دو تین قدم ٹہلتے ہوئے کہا "میں آج اپنے تجربے کی زندگی کو یا تو کامیاب بنا کے چھوڑوں گا۔ یا بالکل خاتمہ کر دونگا" یہ کہکر اُس نے سگار جلایا اور راشد سے کہا "یہ عورت تو زندہ ہو تی ہوگی آؤ اسے دیکھیں" یہ کہکر وہ بیہوش خاتون کے پاس آ گیا۔ اور اپنی چھوٹی جیبی کتاب نکال کر راشد کو متوجہ کر کے کہنے لگا "تمہیں معلوم ہے یہ دونوں عورتیں کس خاندان سے تعلق رکھتی ہیں؟ *میں تو اسوقت تک کچھ نہیں کہہ سکتا جبتک کہ بخوبی دیکھ نہ لوں" یہ کہکر وہ لڑکی کے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسکی صورت کو دیکھنے لگا۔ آخر ایک لمحے کے بعد اُس نے تیزی سے کھڑے ہو کر کہا۔ نعمان چہرہ کی وجاہت قد کی ترکیب اور پاؤں کی ساخت سے تو یہ ہی پاشا کے خاندان کی عورت معلوم ہوتی ہے۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "نعمان تم نے غضب کیا۔ تم انسانیت کے مجرم بن رہے ہو۔ دیکھو اب بھی اپنے ارادوں سے باز آؤ۔ اور شاہراہ حیات سے مڑ کر موت کی تاریک اور پیچیدہ وادیوں میں، ان تاریک پیچیدہ اور خوفناک وادیوں میں جن کی زہریلی آغوش اپنی مہیب فضا میں ہزاروں سیاہ، خطرناک اور برباد کن نتیجے لئے ہوئے ہیں۔ گرنے سے بچو"۔

"تم نعمان!" راشد نے کچھ زیادہ جوش دوستی میں آ کر کہا "ایک کامیاب زندگی کے مالک ہو۔ تمہیں کوئی ضرورت نہیں۔ کہ زندگی کو ایسی زندگی کو جس نے تمہارے لئے دنیا میں فردوس تیار کر دی ہے۔ موت کے خونیں اور آتشیں سمندر میں دھکیل دو۔ نعمان!" راشد نے اپنے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے کہا "میرے پیارے دوست نعمان میں جانتا ہوں۔ کہ تمہارے تجربے کا آج آخری دن ہے"!

نعمان نے جو سگار منہ میں دبائے ہوئے، ہاتھوں کو پتلون کی جیبوں میں ڈالے بائیں پاؤں پر ذرا زور دیتے ہوئے کھڑے ہو کر راشد کی گفتگو متبسمانہ غور سے سن رہا تھا۔ سگار کا دھواں اڑاتے ہوئے کہا "تو معلوم ہوا راشد تم میری قوت ارادی کو اپنے وعظ سے مجروح کرنا چاہتے ہو"

"تمہارا مقصد یہ ہے کہ میں دنیا میں ایک ناکام، ایک برباد اور ایک ذلیل انسان کی حیثیت سے زندہ رہوں"! راشد نے نہایت سنجیدہ طریقے سے نعمان کیطرف اُس نگاہ سے دیکھتے ہوئے جس سے برستا تھا کہ وہ اسکے قایم کردہ خیالات میں سے کسی ایک کا بھی خواہاں نہیں جواب دیا:۔

"نہیں۔ بلکہ میں تمہیں زندگی کے مفہوم سے آگاہ کر رہا ہوں۔ روح کے گرفتار کرنے کا نام زندگی نہیں بلکہ روح کو آزاد کرنے کا نام زندگی ہے۔ ایک سادھو کی زندگی جو پہاڑوں کی خوفناک تنہا گپھاؤں میں خطرناک زہریلے اور جانسوز جانوروں کی معیت میں اپنے تنفس کو روک کر صدیوں زندہ رہنے کی کوشش کرتا ہو

* راشد نے استفساراً کہا کیا یہ کسی بڑے خاندان سے متعلق ہیں؟

ہرگز زندگی نہیں۔ زندگی ہے ایک جانفروش آزادی پرست مجاہد کی جو انسانی ہمدردی کے لئے اپنے خون سے خشک میدانوں کی ریت کو خنک اور رنگین بناتا ہے! زندگی ہے ایک حقیقی قائد کی جو اسٹیج پر آکر قوم کی زندگی کے لئے گولیوں کی باڑھ اپنے دردمند سینے پر لیتا ہے۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے زندۂ جاوید ہو جاتا ہے مگر۔۔۔۔۔" وہ رُکا صرف ایک لمحے کے لئے اور اس نے پہلے سے زیادہ جوش میں آکر کہنا شروع کیا:۔

"نعمان: آج مجھے معلوم ہوا کہ صنوبر طلعت کہانتک سچ کہتی تھی۔ اور آج مجھے اُسکی وہ پیشینگوئی جو اُس نے تمہاری سخت وظالمانہ جدت آگین فطرت اور بے پناہ عرش بوس ذہنیت کا اندازہ لگا کر ایکدن سمندر کی سیر کرتے ہوئے کی تھی، جبکہ تم نے اسکی برسوں کی محبت کو بے نیازانہ جھڑک دیا تھا اُس نے کہا تھا کہ " نعمان کی موت بھی اسی کی طبیعت کی طرح فطرت کی ایک ظالمانہ جدت ہوگی اور وہ اپنی کامیاب زندگی کو اپنے ہاتھ سے تباہ کریگا۔ اسکی اُلجھی ہوئی ذہنیت اس کی موت کا پیش خیمہ ہے"۔ اِس میں شک نہیں" راشد نے کچھ لہجہ کو تبدیل کرتے ہوئے کہا" کہ صنوبر طلعت کی اس پیشینگوئی میں اسکے ذاتی جذبات کی بہت کچھ روشنی ہے مگر۔۔۔" راشد یہیں تک کہنے پایا تھا کہ نعمان ہنسکر بولا:۔

"طلعت دنیا کی بیوقوف محبت پرست عورت میرے متعلق کیا رائے قائم کرسکتی ہے۔ طلعت وہی طلعت جو کبھی میرے قصرِ جمال کی چوکھٹ پر آکر محبت کی بھیک مانگا کرتی تھی۔ اور کیا وہی طلعت جسکی ذہنیت کی پروازِ تخیل محبت تک محدود رہی میرے متعلق جو روح پر حکمرانی کرتا ہو۔ کیا رائے قائم کرسکتی ہے"! وہ سگار کا ایک طویل کش لیکر چونکا اور اس نے کہا" او میں نے بہت وقت ضائع کردیا مجھے اپنی ضروری کام کی طرف متوجہ ہونا چاہئے" اس نے راشد کیطرف ایسی نگاہ سے دیکھا گویا وہ اسکا دلی مقصد سمجھ گیا ہے اور بولا،" اچھا راشد خدا حافظ تا لیکن تم جانا چاہتے ہو یہ کہہ کر اُس نے بٹن دبایا اور سیاہ دیوار اُسی مخصوص جھنکار کے ساتھ ایکطرف ہٹ گئی۔ راشد جو اسکی گفتگو کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ رہا تھا یا سمجھنے کی کوشش نہ کررہا تھا۔ ایک ہمدردانہ رنج کے ساتھ محل گاہ سے روانہ ہوگیا۔

---

(۴)

راشد کے چلے جانے کے بعد نعمان نے اس طرح اپنے کوٹ کو اُتار کر پھینکا۔ گویا وہ اُسکے جانے کا انتظار ہی کررہا تھا اس نے خود ہی آسودگی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا:" میرے دماغی ارتقا کے عروج کو معمولی انسان نہیں سمجھ سکتے۔ یہ خود میری غلطی ہے کہ میں دوستوں کو معقول خیال کر بیٹھتا ہوں"۔ یہ فقرہ ختم کرنے کے بعد وہ بیہوش لڑکی کے پاس آیا اور اس نے ایک بے اندازہ مسرت سے کہنا شروع کیا" جاگ! جاگ! میرے ارادہ کی آخری منزل جاگ" میرے تجربہ کی منتہا، میری امیدوں کی بالکل آخری روشنی اور میری

یا دواں زندگی کی آخری تدبیر، جاگ!" یہ کہتے کہتے یکایک وہ رُک گیا۔ اُس کے ہر انداز سے وحشت برس رہی تھی۔ اسکی آواز میں قاتلانہ نغمے کی سی ہیبت پیدا ہو چلی تھی۔ اُس نے کہا "تجھے میں ہی جگاؤنگا" وہ جھکا اور بے ہوش لڑکی کے نتھنوں کے قریب ایک چمکدار شیشی لے گیا۔ دو منٹ کے بعد اس نے وہ شیشی ہٹالی بے ہوش لڑکی کے جسم میں جنبش پیدا ہوئی۔ اور کچھ سیکنڈ کے بعد اُسنے آنکھیں کھولدیں نعمان نے ایک ہیبت تبسم کے ساتھ پیمانہ نما گلاس جسمیں اس نے دوا تیار کر کے ابھی رکھی تھی۔ اُٹھایا اور لڑکی کے خوبصورت لبوں کے قریب جو اسوقت کافی غیر جاذب تھے۔ لیجا کر کہا۔ "پی جاؤ۔ شہد کی مکھی سے زیادہ میٹھی نگاہوں والی لڑکی پی جاؤ۔" وہ کچھ زیادہ مسکرایا اسکی اس مسکراہٹ سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اسوقت کوئی کام خود نہیں کر رہا بلکہ ایک غیر محدود جنون اسپر طاری ہے۔ جو ہر کام انجام دے رہا ہے۔ اس نے پھر کہا "پی جاؤ۔ تم تو بہت کمزور ہو گئی ہو؟" لڑکی نے گلاس منہ سے لگایا۔ اور جلدی سے پی گئی۔ گلاس چھوٹی میز پر رکھتے ہوئے اس نے کہا "میری ماں کہاں ہے" نعمان کے چہرہ پر ایک تھرتھراہٹ نمایاں ہوئی۔ ایسی تھرتھراہٹ جو قلب کے لرزنے سے چہرہ پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس نے کہا "تمہاری ماں، ایک کمرہ میں پڑی سو رہی ہیں اور چار دن کے بعد تم سے ملینگی،" یہ کہکر اُس نے دوسرا گلاس لڑکی کو دیا۔ "تو یہ بھی پی جاؤ" لڑکی نے کہا "یہ میں کیوں پیوں" اور پہلے سے زیادہ پریشان ہو کر اس نے کہا "ڈاکٹر میری ماں کہاں ہے۔"

نعمان جو لڑکی کو اپنے تجربے کے شوق سے اشوق سے نہیں جنون سے بھری ہوئی نگاہوں میں جذب کر لینا چاہتا تھا گلاس کو میز پر رکھتے ہوئے اور ایک بڑی کی نلکی اُٹھاتے ہوئے لڑکی سے بولا "تم جانتی ہو؟ تمہیں معلوم ہے؟ یہاں تمہاری قسمت تمہیں کیوں لائی ہے؟" اسکی آنکھیں نکل پڑیں۔ اس نے نلکی کا رُخ لڑکی کے منہ کیطرف پھیر دیا جسمیں سے ایک لطیف مگر زہریلا مادہ خارج ہونے لگا۔ لڑکی تمام ہال میں بھاگی بھاگی پھر رہی تھی اور اسکے تعاقب میں ایک بزدل شکاری کی طرح نعمان نلکی کا مرکز قایم کئے ہوئے دوڑ رہا تھا۔ آخر لڑکی ایک گوشہ میں تھک کر کھڑی ہو گئی۔ نعمان نے نلکی کو اسکے منہ سے لگا دیا۔ اور لڑکی کچھ لمحے کے بعد بے ہوش ہو کر گر پڑی۔

نعمان نے نلکی کو تیزی سے دور پھینک دیا۔ وہ جلدی سے لڑکی کو اُٹھا کر شیشے کے مکان میں لے گیا۔ اور بند کر دیا۔ وہ چلایا "کیا کوئی شک ہے۔ میں نے آج روح کو یقینی گرفتار کر لیا" اسکے چہرہ پر بے انتہا پسینہ تھا۔ اسکی آنکھوں کی سرخی سے قاتلانہ انداز ٹپک رہے تھے۔ اسکے لمبے اور دراز بال پریشان ہو گئے تھے تھوڑی دیر کے بعد اسکی بڑی بڑی خونخوار آنکھیں جنکے سوادِ خونین سے فضا رنگین ہوئی جاتی تھی۔ اور پھیل گئیں اور انکی رفتارِ رگی سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ کھلتے کھلتے یا تو تمام ہال کو گھیر لیں گی یا پھٹ جائیں گی۔

تھوڑی دیر کے بعد نعمان ایک دہشتناک انداز سے

پیچھے ہٹا، کیونکہ شیشے کے قیدخانے میں لڑکی ایک آخری سانس لے رہی تھی۔ ایک اُلجھے ہوئے کرب کے بعد لڑکی کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔ ایک آواز پیدا ہوئی۔ ایسا جھٹکا جیسے گہری نیند میں محبت کرنے والے جسموں کو لگتا ہے۔ اور ایسی آواز جو کسی یونانی دوشیزہ کے ہاتھ سے بلوریں فرش پر دلربا بربط کے یکایک گرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

نعمان پر اسوقت ایک عجیب حالت طاری تھی۔ وہ کبھی آگے بڑھتا تھا۔ کبھی پیچھے ہٹتا تھا۔ یکایک اُس نے دیکھا۔ شیشے کے مکان میں ایک لطیف غبار گردش کر رہا ہے۔ اِس نے کہنا چاہا "روح" مگر وہ نہ کہہ سکا۔

نعمان، روح۔ خدا۔ فرشتے اور ایسی ہی تمام باتوں کو انسانی عقل کی کمزوری سے بنی ہوئی بالکل مصنوعی شے خیال کرتا تھا اور کبھی کسی کے خیال سے اُسکے دل میں حرکت بھی نہ ہوتی تھی لیکن اسوقت جبکہ وہ اپنے شیشے کے مکان کے مستحکم اور چمکدار احاطہ میں روح کو گرفتار دیکھ رہا تھا۔ اسکی حالت ایک ڈرپوک اور بیمار شیر کی سی تھی اور یہ حالت ایک سیکنڈ کے آٹھویں حصہ میں اس پر بالکل مستول ہو گئی تھی۔

آخر وہ کانپتا ہوا دل کی مُتزلزل حرکتوں کے ساتھ روح کو دیکھنے کے لئے شیشے کی دیوار کے قریب آیا۔ اِس طرح قریب آیا جیسے وہ کسی مکان میں نقب لگانا چاہتا ہے۔ کسی کا گلا گھونٹنا چاہتا ہے۔ یا دوسری صورت میں اسکے آنے کی نوعیت اس طرح بیان کی جا سکتی ہے کہ وہ شیشے کی دیوار کے قریب اس طرح آیا۔ گویا وہ عدالت میں کسی ایک ظالم چور ایک سیاہ باطن ڈاکو کی اور ایک جفا شعار قاتل کی حیثیت سے پیش ہونے والا ہے۔ وہ اسی حالت میں دیوار کے قریب پہنچ گیا۔ اور جب وہ اپنی پھٹی ہوئی آنکھوں سے گردش کرتے ہوئے دھوئیں میں کسی صورت کو مرتسم کرنا چاہتا تھا۔ ایک فلک شکن دھماکے کی آواز پیدا ہوئی۔ دفعۃً شیشے کا مکان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اُڑ گیا۔ الماریاں اُلٹ گئیں۔ تمام شیشے کے آلات چور چور ہو گئے۔ تمام نہریں گئیں اور آتشیں مادے پھیل گئے اور ٹھیک اسوقت جبکہ نعمان اپنے سر میں آکر پیوست ہو جانیوالے شیشے کے ٹکڑوں کو نکالنے کی ناکام کوششوں میں مصروف تھا۔ ایک گرم رَو دوڑی اور تمام ہال فضا میں شعلہ کی طرح اُڑتا ہوا نظر آنے لگا۔

ساغر نظامی

معیار

پیغامِ اسلام

یہ ایک قومی اور مذہبی نظم ہے۔ جو مولانا محمود اسرائیلی کے ذہن حساس کا ایک دردناک نتیجہ ہے۔ مولانا محمود اسرائیلی ملک کے مشہور شاعر ہیں۔ مگر اُن مخصوص اور مشہور شعراء میں سے نہیں۔ جو ایک عمر گزر جانے کے بعد بھی اپنی فرسودہ غزلگوئی کو حدیثِ شعر سمجھکر ایک ابدی پندار میں مبتلا ہیں۔ بلکہ محمودؔ شعراء کے اُس مخصوص طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو دنیا کی ہر چیز کو شاعرانہ نگاہ کے ساتھ ساتھ حکیمانہ نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھتا ہے۔ اور جس کا دل محض شاعرانہ مستی سے ہم آغوش نہیں۔ بلکہ مذہب، قوم، ملک اور انسانیت کے درد سے بھی معمور ہے۔

ہندوستان کی موجودہ شاعری اب تک جن اثرات کے تحت سانس لیتی رہی۔ شکر ہے کہ وہ اثرات کافی حد تک فنا ہوتے جا رہے ہیں اور اُمید ہے کہ اُردو شاعری کچھ سال کے بعد ایک مفید اور نازک چیز بن سکیگی۔ تاہم ابھی ہماری شاعری میں وہ قدیم ترین رنگ جو تصوف اور جذبات کے امتزاج سے پیدا ہو گیا ہے۔ باقی ہے۔ اگر کوئی شاعر فلسفۂ الٰہیات پر کچھ لکھتا بھی ہے۔ تو اُسکی نظم یا شعر میں اسی رنگ کے جلوے ہوتے ہیں۔ لیکن مشرقی ذہنیت کی رفتارِ ترقی سے یہ اندازہ ہو رہا ہے۔ کہ مستقبل قریب میں بہت جلد یہ کمزور عنصر خود بخود حذف ہو جائیں گے۔

"پیغامِ اسلام" در اصل مذہبی اور قومی احساسات سے لبریز ایک دردناک "خطبۂ فریاد" ہے۔ پہلے بند میں مسلمانوں کو ان کی بربادی پر غیرت دلائی گئی ہے۔ تیسرے بند میں الہامانہ طریقہ سے جذبات کو ابھارا گیا ہے۔ اور یہی وہ جوہر ہے۔ جو میں ہر نظم میں ضرور متجلّی دیکھنا چاہتا ہوں۔

اِسکے بعد کے بندوں میں اشارات ہیں کہ مسلمانوں کی ترقی کس درجہ محیط تھی۔ وہ کیسے کوہ شکن بہادر تھے۔ اور اُنہوں نے دنیا میں کیا کیا کارنامے چھوڑے ہیں۔ ایک ٹیپ کا آخری مصرع جسمیں لکھا ہے کہ شاعری، نثر نگاری، عشق و حسن کے جذبات یہ سب مسلمانوں کے رنگین قلم کی شاداب تحریریں ہیں۔ لاجواب ہے۔ مولانا کہتے ہیں مصرع:-

سب کہاں؟ دل سے کچھ اُتری ہوئی تصویریں ہیں

"سب کہاں" اور "کچھ" غالب کے بعد اگر کسی نے کامیاب طریقے سے استعمال کیا ہے۔ تو وہ مولانا محمود ہیں۔ اِس مسدس (نظم) کے بتیس بند ہیں اور تقریباً سب اچھے ہیں۔ میں ناظرین سے بہ اصرار سفارش کرتا ہوں کہ وہ اس چھوٹی سی نظم کو جسکی تقطیع بھی بجائی تکمیل ہے۔ ضرور دیکھیں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے۔ کہ وہ ضرور اس کے مطالعہ سے لطف اندوزی کے ساتھ ساتھ ایک حریت آگیں جذبۂ صحیح بھی حاصل کر سکینگے۔



نمائش یہ رسالہ حیدرآباد دکن سے میرے محترم دوست مرزا رفیق بیگ صاحب کی ادارت میں شایع ہوتا ہے۔ مرزا رفیق بیگ صاحب ایک سلجھے ہوئے مذاق کے نہایت نفیس طبع انسان ہیں۔ حیدرآباد میں آپ نے سرخ اور نیلی سیاہی کا عظیم الشان کارخانہ قایم کیا ہے۔ جو نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے۔

نمائش کے متعلق میں بہت دنوں سے اپنی رائے محفوظ رکھتا تھا اور چاہتا یہ تھا۔ کہ کسی خاص نوعیت سے ظاہر کروں مگر معزز مرزا صاحب کے اصرار نے مجبور کر دیا اور میں مجبور ہو گیا۔

نمائش حیدرآباد سے نکلنے ہوئے رسالوں میں سے ایک زندہ سائنٹیفک، تجارتی، صنعتی اور حرفتی رسالہ ہے اور اسکے مخصوص موضوع صنعت و حرفت ہیں۔ جو غالباً پانچ سال سے نہایت کامیابی کے ساتھ شایع ہو رہا ہے۔ اسمیں علاوہ سائنٹیفک اور تجارتی مضامین کے ملک کے مشہور شاعر مصور فطرت مولانا جوشؔ ملیح آبادی رکن دالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی کے جذبات عالیہ بھی شایع ہوتے رہتے ہیں۔

میں مرزا صاحب کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں اور معزز ناظرین سے درخواست کرتا ہوں۔ کہ وہ ضرور "نمائش" کے مطالعہ سے لطف اندوز ہوں۔ اور معلومات میں اضافہ کریں۔



رہنمائے تعلیم لاہور کے تعلیمی رسالوں میں ایک ممتاز رسالہ ہے۔ اِسکے ایڈیٹر مسٹر لچھمی، دویارتھی۔ بی اے بی ٹی ہیں۔ جنکی ذکاوت اور علمی ذوق کا مظاہرہ "رہنمائے تعلیم" کے صفحات کرتے رہتے ہیں۔ معاونین مدیر بھی قابل اور ترقی تعلیم کے روشن خیال دلدادہ معلوم ہوتے ہیں۔ اسوقت میرے سامنے اس رسالے کا مئی نمبر ہے۔ جبلّات اطفال چودھری محمد حسین صاحب بی اے بی ٹی کا مضمون بہت خوب ہے۔ تاریخ جغرافیہ لالہ رام لبھایا ساہنی بی اے بی ٹی کا مضمون بھی ضروری اور کارآمد ہے۔

اور باقی اکثر مضامین تعلیمی اشارات میں ڈوبے ہوئے کام کرتے نظر آتے ہیں۔ رسالے کو دلچسپ کہانیوں اور مختصر ادبی مضامین سے بھی جاذب توجہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ "انگوٹھی کی جدائی" کے عنوان سے لطیفہ خانم اور مصطفےٰ کمال پاشا کے متعلق چھوٹی سی کہانی خوب ہے۔

بچوں کے لئے اور مدرسین کے لئے یہ رسالہ بیحد مفید ہے۔ اور ادبی ذوق رکھنے والے حضرات بھی اس سے کافی لطف اندوز ہو سکتے ہیں

اخبارِ تعلیم لاہور یہ اخبار تمام ہندوستان کا واحد تعلیمی ہفتہ وار اخبار ہے۔ اسکے قابل مدیر میرے محترم دوست منشی طالب علی پابند قریشی اور اسسٹنٹ ایڈیٹر بخشی جگت رام آنند بی اے۔ ایل ٹی ہیں۔ میں بغیر خوف تردید نہایت زور کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ "اخبارِ تعلیم" نے ہندوستان میں ایک جدید شاہراہ بنائی ہے۔ اور وہ اپنی بنائی ہوئی شاہراہ پر نہایت کامیابی کے ساتھ گامزن ہے۔ اخبارِ تعلیم مدرسوں، طالبعلموں اور بچوں کے لئے معلومات کا ایک قیمتی مجموعہ ہے۔ اور اسکی ترتیب میں کافی سے زیادہ ہمہ گیری رکھی گئی ہے۔ جس سے ناظرین کی نگاہیں اس کے صفحات پر جم کر رہ جاتی ہیں۔

اس کا ایک عنوانِ جلی "رفیقِ نسواں" عورتوں کے لئے نہایت آسانی پیدا کرنے والی چیز ہے۔ اور جسکے تحت میں مختلف طریقے سے خانہ داری کے متعلق اشارات و معلومات درج کی جاتی ہیں۔

اخبارِ تعلیم میں بچوں کا اخبار "رفیق الاطفال" بھی شامل ہے جو چھوٹے بچوں کے لئے نہایت مفید چیز ہے اس میں محکمۂ تعلیمات پنجاب (Punjab Educational) کی خبریں بھی نہایت تصحیح کے ساتھ شایع ہوتی ہیں۔ غرضکہ "اخبارِ تعلیم" حقیقت میں ملک کا بھی خیرخواہ ہے اور وہ ملک و قوم کی جو خدمت کر رہا ہے اس کا اندازہ کچھ اسکے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔ میں بھی آپ کو رائے دیتا ہوں کہ آپ ضرور اس اخبار کو دیکھیں۔

ایڈیٹر

کتب منقودہ کے متعلقات کی تفصیل

کتاب	مصنف - مدیر	تقطیع	صفحات	قیمت	کتابت و طباعت	اشاعت گاہ
پیغام اسلام (نظم)	مصنفہ مولانا محمود اسرائیلی	چھوٹی	۳۲	۲/	نفیس اور روشن	تمدن بک ایجنسی ٹیاکمل دہلی دردیش پریس دہلی۔
نمائش (رسالہ)	مرزا محمد رفیق بیگ صاحب	۲۰×۲۶/۸	۳۲	زرسالانہ (ہے ۳) طلباء سے (عـہ ۲)	معمولی	سرکار عالم جاہی نمائش آفس۔ حیدرآباد، دکن
رہنمائے تعلیم (رسالہ)	مسٹر لچھمی چند ودیارتھی بی اے بی ٹی	۲۰×۳۰/۸	۴۷	سالانہ قیمت للعہ	معمولی	رام گلی بلڈنگ نمبر ۵ لاہور (دفتر رہنمائے تعلیم)
اخبار تعلیم لاہور (ہفتہ وار)	مولانا منشی طالب علی پابند قریشی	۱۸×۲۲/۴	۲۶	ے سالانہ	روشن اور صاف	دفتر اخبار تعلیم۔ انارکلی۔ لاہور

نسائیات

خلاصۃ الباب:۔

(۱) سکوت شام (نظم)۔ سلطانہ اقبال

(۲) عرب اور انگریز شاعر عورتیں۔ ایڈیٹر

(۳) تو پھر کیوں عورت خاموش ہے؟ سلطانہ اقبال

سکوتِ شام

اے سکوتِ شامِ صحرا ساحر طائر فریب
سرخیٔ خونِ شفق سے ہی تری محفل کو زیب

ساقیٔ مے خانۂ صہبائے مدہوشی ہے تو
صاحبِ سجّادۂ درگاہ بیہوشی ہے تو

سو گیا ہے فتنۂ گردوں تری آغوش میں
کیا خبر کیا سحر پھونکا تو نے اسکے گوش میں

ذرّہ ذرّہ کائناتِ دہر کا مسحور ہے
نشۂ چشمِ فسوں گر سے ترے مخمور ہے

موجِ دریا کو دیا ہے تو نے پیغامِ سکوں
پی کے تیرا جام وہ بھی ہو گئی ہے سرنگوں

بحر کی شوریدگی ساحل پہ تن کر سو گئی
تیرے بحرِ خامشی میں موج بنکر سو گئی

سو رہی ہے ساری دنیا کیف کی آغوش میں
شمع روشن ہے سوادِ محفلِ خاموش میں

سلطانہ اقبال

شعر الحرم

عرب اور انگریز شاعر عورتیں

آجکل مسلمانوں کے بعض طبقوں میں عورتوں کی شاعری اور مضمون نگاری پر ایک عام جذبۂ مخالفت پھیلا ہوا ہے۔ مگر یہ کوئی اہم بات نہیں۔ کیونکہ جب کسی قوم کی تہذیب، جب کسی قوم کا تمدن اسکی نگاہوں سے غائب ہو جاتا ہے یا یوں کہئے کہ جب کوئی قوم اپنی تہذیب اور تمدن کو اپنے ہاتھوں سے فنا کر دیتی ہے تو اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ جو آج برباد اور تباہ مسلمانوں کا ہے۔ عورتوں کی شاعری یا مضمون نگاری کو قوم کے وہ طفل نما افراد بُرا کہہ رہے ہیں جو بذات خود اس موضوع کی اہمیت نہیں سمجھتے۔ بلکہ یوں خیال کرنا چاہئے۔ کہ وہ اس موضوع کی اہمیت سمجھنے کے اہل ہی نہیں ہیں۔ میں کہتا ہوں آپ کی عورتیں کیا شاعر ہیں۔ کیا ادیب ہیں۔ اور ان کا ادبی و علمی مذاق درجہ ہی کیا رکھتا ہے! آج بھی جب کہ دنیا کی ہر چیز علوم کی نگاہ میں ایک انتہائی نقطۂ ارتقاء پر ہے۔ ہندوستانی عورت کی ذہنیت نے کوئی ترقی نہیں کی۔ ذیل کا تذکرہ آپ کو بتائیگا کہ سینکڑوں سال قبل جب کہ موجودہ تمدن اور تہذیب کی رتاریک) روشنی سے جہان منور نہ تھا۔ اسوقت بھی دنیا خصوصًا اسلامی دنیا میں ایسی ایسی زبردست عورتیں گذری ہیں جنکی ذہنیت، قابلیت اور پرواز خیال بڑے بڑے مردوں کو متحیر کر دیتی تھی۔

وہ بزرگ جو عورت کو شاعر کے لباس میں دیکھکر آنکھیں بند کر لینا چاہتے ہیں۔ شائد (شاید کیا) یقینًا اس تذکرہ میں بہت سی باتیں دیکھکر حیران ہونگے۔ کیونکہ اسمیں بتایا گیا ہے۔ کہ شارع اعظم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیوی اور اکثر متعلقات شاعر تھیں۔

میں فروری ۱۹۲۶ء میں بھی نہایت صاف طریقے سے عرض کر چکا ہوں۔ اور اب پھر دہراتا ہوں کہ ہندوستان کی باذوق خواتین نے اپنی شاعری اور لٹریچر کا جو معیار قائم کیا ہے وہ بلحاظ حقیقتًا کسی نوعیت سے مفید و خوشگوار ہیں

خواتین پر ہی منحصر نہیں۔ اردو شاعری کا جو عام معیار ہے وہ ایک حد تک بہت غلط اور لغو ہے۔ اور غالباً اسکی تصحیح اسوقت تک نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ غزل کے غلط، جذباتی تاثرات ہماری ذہنیت سے فنا نہ ہو جائیں

خواتین کی شاعری کو ہم پر کیا اثر کرنا چاہیئے؟

یہ اثر کرنا چاہیئے۔ کہ اگر ہم کوئی کام نہ کر سکتے ہوں تو کرنے لگیں۔ اگر ہم سمندر کی تہ تک نہ پہنچ سکتے ہوں تو پہنچ جائیں۔ اگر ہم آسمان کو نہ چھو سکتے ہوں تو چھو لیں۔ اور اگر ہم میں زندہ رہنے کی اہلیت نہ باقی رہے۔ تو ہم ان کے شعر سنکر کچھ دیر زندہ رہ سکیں۔ شعر کی تعریف لوگوں نے غلط سمجھ رکھی ہے۔ "شعر" محبت کے جذباتی ذکر کا نام نہیں۔ شعر سے صحیح مراد ہے "جذبات و احساسات انسانی کو ابھارنے والا"۔ اور جذبات و احساس کی ہزاروں نوعیات ہیں۔

شعر میں انسانوں کے لئے ایک جذبۂ عمل، ایک جوش، ایک زندگی، ایک ابھار، اور ایک پیغام ہونا چاہیئے۔ اس پیغام کے تحت میں شاعرانہ مستی جائز ہے۔ مگر اس مستی میں بھی ایک سپرٹ ہونی چاہیئے۔ جو ہم میں استعداد عمل کی ایک بے پایان روح پھونک دے۔ عورتوں کی شاعری، قومی، ملکی، مذہبی، اخلاقی اور حریت رنگین ہونی چاہیئے۔ اور میں شاعری کی اس تعریف کو محدود کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ ہر شاعر کو شاعرانہ جذبات کی پرورش "آج" اسی معیار تاثرات کے سایہ میں کرنی چاہیئے۔ اگر ہم میں غلامی، بربادی، تباہی اور زندگی کی تمام ایسی ہی ذلیل عادتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ تو عورتوں کو اس کا بالکل حق ہے کہ وہ جائز طریق سے ہمیں بیدار کریں۔ اٹھائیں اور ہمیں زندہ رہنے کے قابل بنا دیں۔ لیکن ہم یہ کسی حالت میں نہیں سننا چاہتے۔ کہ حال میں تو ہے۔ بال میں تو ہے۔ خال میں تو ہے۔ جال میں تو ہے، گال میں تو ہے۔ (کہے چلے جایئے) اور جدھر ہی دیکھتی ہوں تو ہی تو ہے"۔

بعض شاعروں نے تصوف کو بچوں کا کھیل خیال کر کے شاعری میں اسکی ایسی مٹی خراب کی کہ توبہ اور مٹی ہی خراب نہیں کی۔ بلکہ ایک غلط راستہ قائم کر گئے۔ جس پر وہ لوگ جنہیں اپنا راستہ بنانے کی اہلیت نہ تھی۔ گامزن ہوئے۔ اور اس طرح اس سلسلے نے قائم ہو کر شاعری کی دنیا میں ایک بدعتِ غیر مفہوم کی بنا ڈالدی۔

خواتین بھی اسی بدعت غیر مفہوم میں مبتلا ہو گئیں۔ کیونکہ جب کوئی صوفیانہ غزل کہنی ہوتی ہے۔ تو کچھ سوچنا نہیں پڑتا (عوام اور بعض خاص لوگوں) کے نقطۂ نگاہ سے تو ہر وہ چیز تصوف ہے۔ جو سمجھ میں نہ آسکے۔ اور حاصل نہ ہو سکے۔

اب میں موزخواتین سے راگرانہیں یہ نوٹ پڑھکر کوئی تکلیف ہوئی ہو معافی چاہتا ہوں میرا مقصد تو صرف یہ ہے کہ انہیں شاعرہ اور لفظ "شاعر" کے تمام ترنجیط معنوم کے ساتھ بننا چاہیئے رلیعنی ایک شاعر کی شان سے اُٹھنا اور ادیب کی شان سے زندہ رہنا چاہیے +

ایڈیٹر

عرب شاعر عورتیں :-

آمنہ یہ عتیبہ بن حارث بن شہاب کی جو بنی تمیم کا ایک فلک تاز شہسوار گزرا ہے ۔ عزیز بیٹی تھی - عتیبہ عرب کا ایک زبردست بہادر تھا "یوم الغبیط" "یوم المخذط" اور "یوم الغفو" کے عظیم الشان معرکوں میں اُس نے اپنی بہادری اور جوانمردی کے حیرت انگیز کارناموں سے بڑے بڑے بہادروں کو حیران کر دیا تھا ۔

جب وہ اپنی زندگی کی آخری لڑائی میں "بنی تمیم" کا مال واپس لے کر اندھیری رات میں بالکل تنہا میدان جنگ سے اپنے گھر کی طرف آرہا تھا - تو اسکے ایک دشمن یربوعی ذواب بن ربیعۃ الاشتر" نے اس پر ایک تیر چلایا - جو عتیبہ کے حلق میں پیوست ہوگیا - عتیبہ فوراً گھوڑے سے گر کر مرگیا - لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد اُسکے بیٹے ربیع نے اُس کے قاتل کو گرفتار کرکے قتل کر دیا - اور آمنہ نے اپنے باپ کی موت پر یہ دردانگیز شعر کہے - وہ اپنے باپ کا سوگ مناتی ہے :-

تروّحنا مِن اللعباءِ عصرا	ہم لعبات شام کو چلے
فاعجلنا الالاھۃ ان تؤما	سورج غروب ہونے سے پہلے -
علیٰ مثل ابن میۃ فانعیاہُ	ابن اُمیہ جیسے شخص پر (اسکی موت کی منادی کر دو)
تشق نواعم البشر الجیوبا	نازک مزاج عورتیں گریبان چاک ہیں
وکان ابی عتیبۃ شمّریا	ابو عتیبہ ہر کام میں مستعد تھا -
ولا تلقاہُ یدخر النصیبا	کبھی تو نے اس کو مال جمع کرتے نہ دیکھا ہوگا

انگریز شاعر عورتیں

انگلس ۲۷ اکتوبر ۱۷۷۴ء کو (مارگراٹ میکسول سنکوار) میں پیدا ہوئی او ۲۱ دسمبر ۱۸۴۳ء میں بمقام اڈنبرا اس کا انتقال ہوا -

شاعری انگلس کا فطری ذوق تھا ۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ بچپن سے شعر کی طرف مائل تھی ۔ اور اسکی فطرت شاعری کی ملہمانہ کیفیت سے لطف اندوز ہونا چاہتی تھی ۔ اور اُسکی خوش قسمتی سے اسے اعلیٰ تعلیم بھی ملگئی جس نے اسکے ذوق شعری کی تکمیل کو آسان تر کر دیا -

انگلس کی نظمیں نہایت پُرجوش - صاف لطیف اور اکثر انجیلی موضوعات پر ہوتی ہیں - اِس نے اپنی نظموں کا سب سے پہلا مجموعہ ۱۸۲۸ء میں شایع کیا -

نیشنل انسائیکلوپیڈیا

اوپائی ایک مشہور شاعرہ تھی جو ۱۷۶۹ء میں ناروچ میں پیدا ہوئی - اور ۱۸۵۳ء میں انتقال ہوا - اوپائی کی کامیاب خوش قسمتی کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب اس نے

ضربوا بآ الیدین اذ شمّلت — بہادروں کے ہاتھ دکھاتا تھا جبکہ برافروختہ ہوتی تھی

عوان الحرب لاورعًا ھیرما — جنگ سخت اور ڈرپوک نہ تھا۔

(ریاض)

اُخت النّصر

زمانہ جاہلیت کی ایک برق بیان شاعرہ اور عرب کے مشہور شاعر نضر بن حارث کی بہن تھی۔ اس کا ایک شعر "باب الانبیاء" میں موجود ہے:-

الواھب الالف لا یبغی بھا بدلا — ہر ہزاروں بخشتا ہے لیکن بدلا نہیں چاہتا۔

الّا الٰہ ومعروفا بما اصطنعا — سوائے اللہ کے (فی سبیل اللہ بخشتا ہے)

(حماسہ)

آمنہ

عرب کے مشہور شاعر عبداللہ بن عبیداللہ ابن دمنیہ کی دوسری بیوی تھی۔ ابن دمنیہ پہلی صدی ہجری کا ایک باکمال اور نغزگو شاعر تھا۔ لیکن آمنہ کی شاعرانہ عظمت بھی ابن دمنیہ کی عظمت سے کسی طرح کم نہ تھی۔ آمنہ اور دمنیہ میں خوب خوب شاعرہ ہوتے تھے۔ ایک دن آمنہ نے چند شعر فوراً ہی کہکر دمنیہ کو کو سنائے۔ اس نے کہا:-

وانت الّذی اخلفتنی ما وعدتنی — تو وہ شخص ہے کہ تو نے وعدہ خلافی کی

واشمت بی من کان فیک یلوم — اور ملامت کرنیوالوں کو مجھ پر ہنسایا۔

وابرزتنی للناس ثم ترکتنی — لوگوں کے تیرہائے ملامت کا مجھے

لھم غرضًا اُرمی وانت سلیم — نشانہ بنا کر آپ سلامت بیٹھا رہا۔

فلو کان قول یکلم الجسم قد بدا — اگر ملامت سے جسم پر زخم ہوتا ہو تو میرے

بجسمی من قول الوشاۃ کلوم — جسم پر اس سے بیشمار زخم پیدا ہو گئے ہیں

(خواتین)

اپنی نظموں کا مجموعہ ۱۸۰۲ء میں شایع کیا تو وہ اس درجہ مقبول ہوا کہ ۹ برس کے عرصے میں چھ بار چھپا۔ وہ ایک فسانہ نویس بھی تھی ۱۸۱۲ء میں اس نے ۳ جلدوں میں ایک کتاب "شادی کہانیاں" شایع کی۔ جو بیحد مقبول ہوئی۔ جسکے کئی ایڈیشن نکلے۔

(نیشنل)

اوکیف ایڈلڈ

ڈبلن کی مشہور قابل شاعرہ ہے ۱۷۷۶ء کو پیدا ہوئی اور ۱۸۶۵ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اوکیف نے اپنی زندگی میں ۱۳۰ نظمیں کہیں۔ جن میں سے اکثر اس کا ماسٹر پیس ہیں۔ وہ قصے اور ناول بھی لکھتی تھی "گشت ساحل" "شکستہ شمشیر" "ڈوڈلی" اس کے ذہن رسا کا نتیجہ ہیں۔

(نیشنل)

ایڈی

یہ عورت نہایت مشہور شاعرہ اور قابل مضمون نگار تھی "نیو منتھلی" (New Monthly) اور ٹراپولٹن جریدوں میں اسکے پرجوش مضامین شایع ہوتے تھے ۱۸۲۴ء سے ۱۸۳۲ء تک ۸ جلدوں میں اس نے اپنی نظموں کا سلسلہ شایع کیا۔ اور آخر ۱۸۶۲ء میں اسکا انتقال ہو گیا۔

(نیشنل)

اروی

یہ بھی عرب کے زمانہ جاہلیت کی ایک شاعرہ ہے۔ حبابؔ کی بیٹی تھی۔ اپنے باپ کی موت پر اس کا ماتم کرتی ہے۔

قل للاراملِ وَ الیتامیٰ قد ثوی — رانڈوں اور یتیموں سے کہو کہ حباب مرگیا

فلتبك اعینھا لفقد حباب — اُن کی آنکھیں اسکو روئیں۔

ادری بن کل مخاطر بتلادہ — اپنی عزت پر جان مال قربان کرنے والوں کا

ذبنعسہ دقیا علی الاحساب — فرزند ہلاک ہوگیا۔

الرّاکبین مِن الامورِ صدورھا — اُن کے فرزند جو ہر کام میں پیشقدمی کرتے تھے

لایرکبون معاقدِ الاُذناب — ڈھیل نہ دیتے تھے۔

(ریاض)

اسماء

عرب کے ایک شخص عبداللہ کی بیٹی تھیں۔ جو قبیلہ بنی عذرہ" سے تھا۔ اُس کا دلچسپ قول "لاعطر بعد عروس" (عروس کے بعد عطر نہیں) تمام عرب میں شہرت پاکر ضرب المثل بن گیا ہے اور ایسے موقع پر کہ "ضرورت کے وقت بھی کسی چیز کو خرچ نہ کیا جائے" بولا جاتا ہے۔

اس قول کی تاریخ یہ ہے۔ کہ جب اسماء کا پہلا شوہر مرگیا تو اتفاق سے اُس کی دوسری شادی ایک ایسے شخص سے ہوئی۔ جو نہایت گندہ دہن۔ بخیل اور غیر خلیق تھا۔

جب اسماء عقد کے بعد اپنے قبیلہ سے رخصت ہوئی۔ تو اسماء نے اپنے نئے شوہر سے اجازت مانگی کہ میں اپنے چچازاد بھائی کی قبر پر جانا چاہتی ہوں۔ شوہر نے صرف اجازت ہی نہیں دی بلکہ وہ خود بھی اُسکے ساتھ گیا۔ اپنے بھائی کی قبر پر پہنچکر اسمائؔ نے یہ مرثیہ کہا:۔

ابکیك یا عروس الاعراس — یا ثعلبا فی اھلہ و اسدا عند

اے عروسوں کے عروس میں تجھے روتی ہوں۔ — تو گھر والوں میں لومڑی کی طرح نرمدل اور وقت جنگ شیر تھا

الباس مع الاشیا کا یعلم الناس

کچھ اور بھی اوصاف تھے۔ جنہیں لوگ نہیں جانتے

ایڈم جین

یہ خاتون ایک جہازران کی لڑکی تھی۔ ۱۸۱۱ء میں کرافورڈ میں پیدا ہوئی۔ اور جبکہ اس نے ہوش ہی نہ سنبھالا تھا۔ اُس کا باپ مرگیا۔ جین کی بیکسی اور بے پدری نے اسکے احساس کو غمگین تو کیا لیکن کمزور نہیں کیا۔ وہ ایک امیر آدمی کے یہاں ملازم ہوگئی۔ اور اسکی لائبریری میں کتابوں کا مطالعہ کرکے تعلیم یافتہ بھی بن گئی۔ اور اس کی شاعری کی عمر یہیں سے شروع ہوتی ہے۔

۱۸۳۴ء میں مسز ڈالیمپلڈ نے اسکے منتشر نظموں کو جمع کرکے شائع کیا۔ جین کی نظموں میں اسکی بہترین نظم "سانگ آف دی مرینرز وائف" نہایت کامیاب مشہور اور اعلے نظم ہے۔ یہ اتنی کامیاب اتنی مشہور اور اتنی اعلے ہے کہ جین کی طرف منسوب کرتے ہوئے شک ہوتا ہے۔

جین نے کرافورڈ برج کے پاس تعلیم نسواں کے لئے ایک مدرسہ بھی بنایا اور کافی مدت تک یہاں

— شیکسپیرین لٹریچر کی عورتوں کو تعلیم دیتی رہی۔ اسے سپارٹرسن کی نظم (کلیرسن) بہت پسند تھی اور اس قدر پسند تھی کہ ایکدفعہ اس نے اسکول کو ۴۰ دن تک بند رکھا اور پیدل لندن جا کر چارلز ڈسن سے ملی۔ اسکی عمر کا آخری حصہ فراغت سے گزرا۔

اُسکے شوہر نے کہا۔ اسمار عروس ہیں وہ کونسی صفات جمیل تھیں۔ جنہیں اور کوئی نہیں جانتا۔ اسمار نے جواب میں یہ فی البدیہہ شعر کہا:

کان عن الھمۃ غیر نعاس — اُس کی ہمت میں تغافل نہ تھا

ویعمل السیف صبیحات باس — اور وہ لڑائی میں تلوار چلاتا تھا

اس کے بعد اسمار نے یہ مدحیہ اشعار پڑھے:-

یا عروس الاعز الازھر — الطیب الخیم الکریم المحضر

اُے محبوب ترین روشنیوں کے — پاک سیرت نیک صورت

مع اشیاء له لا تذکر

اُن اوصاف کیساتھ جن کا ابھی ذکر بھی نہیں کیا گیا

اسمار کے شوہر نے پھر دریافت کیا۔ آخر وہ کونسے اوصاف عجیب ہیں۔ جن کا اب ذکر بھی نہیں کیا جاتا! اسماء نے نہایت بے ساختہ طور پر جواب دیا

کان عیوفاً للخنا والمنکر — طیب النکھۃ غیر ابخر

وہ کراہیت کرتا تھا بدکاری اور نواہی سے — لطیف خوشبو کا مالک گندہ دہن نہ تھا

الیسر غیر اعسر

نرم دل تھا — بد مزاج نہ تھا

شوہر یہ سن کر بیحد شرمندہ ہوا۔ اور یہ سمجھ کر کہ اسمار اسکی گندہ دہنی اور سخت مزاجی کیطرف اشارہ کر رہی ہے۔ اُس وقت تو خاموش ہو گیا۔ مگر جب چلنے کا وقت آیا۔ تو اُس نے نہایت اصرار کے ساتھ کہا۔ "اسماء اپنا عطر دان لے چل"۔ اسمار نے جو اپنے نئے شوہر سے نہایت پریشان تھی۔ بے کیف ہو کر انکار کر دیا اور کہا:-

"لا عطر بعد عروس"

(مجمع الامثال)

اور آخر ۱۸۶۶ء میں اس "دلدادہ ادب" خاتون کا انتقال ہو گیا۔ (نیشنل)

ایلیٹ جین

۱۸۰۰ء میں پیدا ہوئی اور ۱۸۸۰ء میں ہی یہ "منٹو" کے ہیرے کی ایک اور بہت نفیس شاعرہ تھی اس نے ایک نظم "منگل کے پھول" لکھکر گمنام شائع کی تھی جس کے مطالعہ سے لوگوں کو خیال ہوتا تھا۔ کہ یہ کسی پرانے مشاق شاعر کی نظم ہے۔ جین کی یہ نظم "منگل کے پھول" بیحد مشہور ہے

(نیشنل)

ایلیٹ

یہ ایک انگریزی خاتون ہے جو ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوئی۔ اور ایک مذہبی شاعرہ تھی اور یہ التجا و دعا نویسی کے لئے نہایت مشہور ہے۔ اسکی ایک نظم "ہفتے کے بھجن" اسقدر مشہور ہوئی کہ تقریباً چار ہزار کی تعداد میں فروخت ہوئی تھی۔ لیکن ایلیٹ کا وہ مشہور بھجن جو اُس نے ۱۸۳۶ء میں "جیسا کہ میں ہوں" کے عنوان سے شائع کیا۔ بیحد مقبول و مشہور بھجن ہے۔ ایلیٹ کو حیات جاودانی اسی کی بدولت ملی ہے۔ اِس بھجن کے ترجمے دنیا کی ہر زبان میں پائے جاتے ہیں (نیشنل)

ام ابان

عرب کی ایک نہایت فصیح اور بلیغ شاعرہ تھی اور فردوسی شعر سرزمین عرب کے مشہور ترین شاعر مزاحم بن عمر کی والدہ تھی - مزاحم کی تمام تر شاعری اسی کی تربیت کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے - ام ابان کو مزاحم کی تعلیم سے نہایت دلچسپی تھی - ایک دن مزاحم اپنے ایک عزیز کے پاس بیٹھا ہوا تھا - ابن حطیہ شاعر نے غضب آلود نگاہوں سے اسے دیکھا اور برافروختہ ہو کر ایک پتھر مزاحم کے زور سے کھینچ مارا پتھر لگا اور مزاحم ہلاک ہوگیا - مزاحم کی ماں ام ابان کو جب اسکی موت کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنی قوم کو انتقام لینے کے لئے ان اشعار کے ذریعہ ابھارا۔

باهلی د مالی بل بجل عشیرتی — آل و مال بلکہ سارے خاندان کی قسم
قتل بنی تیم بغیر سلاح — بنی تیم نے بغیر ہتھیار اسکی جان لی ہے
فهلا قتلتم بالسلاح ابن اختکم — کاش تم اپنے بھانجے کو ہتھیار سے مارتے
فتظهر فیه للشهود جراح — کہ اسکے زخم اسکے قتل کی گواہی دیتے
فلا تطمعوا فی الصلح ادمت حیة — پس جب تک میں زندہ ہوں اور مصعب
وما دام حیا مصعب وجناح - — اور جناح زندہ ہیں صلح کا لالچ نہ کرنا

(خواتین)

اروی

یہ بزرگ خاتون عبد المطلب بن ہاشم کی بیٹی اور سوار دوجہان حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں - جب عبد المطلب بن ہاشم کا وقت آخر آیا اور روح کے پرواز کرنے میں کچھ لمحے گئے - تو عبد المطلب نے اپنی تمام بیٹیوں ام کلیم - امیمہ - برّۃ - حفیۃ - عاتکہ - اور اروی کو اپنے قریب بلایا - اور کہا تم سب میرے مرنے کے بعد میرا مرثیہ کہو گی - لیکن کیوں نہ میری زندگی ہی میں میرا مرثیہ کہہ لو - تاکہ میں بھی سن لوں - کہ تم اپنے باپ کی طرف سے کیسے غمگین جذبات رکھتی ہو - چنانچہ اپنے باپ کے اشارہ کے مطابق ہر ایک نے ایک ایک مرثیہ کہا - اروی کا مرثیہ ملاحظہ فرمایئے لکھتی ہے:

بکت عینی وحق لها البکاء - علی سمح سجیتہُ الحیاء
علی سهل الخلیفۃ ابطحی - کریم الخیم نیتہُ العلاء

ایکٹن

۱۷۹۹ء میں نیبل واقع بکس میں پیدا ہوئی ۱۸۵۹ء میں بمقام ہیمپ سڈ اس کا انتقال ہوا یہ ایک شراب گر کی لڑکی تھی - لیکن ایک زبردست صاحب قلم اور سحر نگار شاعرہ ہوئی ہے - ۱۸۲۶ء میں سب سے پہلے ایکٹن نے اپنی نظموں کی پہلی جلد شائع کی اور ۱۸۳۸ء میں دوسری نظم "دو رقعے" پبلک کے سامنے پیش کی

اسکی نظم "دی والیس آف دی نارتھ" بھی خوب ہے - یہ نظم دراصل ایکٹن نے قیصرۂ ہند وکٹوریہ کی خدمت میں پیش کی تھی - جب کہ وہ سکاٹ لینڈ کی سیر کر رہی تھی۔

اسکی بہترین اور اعلےٰ ترین نظم "ماڈرن ککری" یا باورچیخانہ موجودہ جو ۱۸۴۵ء میں کتابی صورت میں شائع ہوئی - اور جسکے متعدد ایڈیشن نکلے اور برابر نکلتے رہے -

ایکٹن کی آخری تصنیف "انگلش بریڈ بک" ہے - "انگلش بریڈ بک" میں روٹی پکانے کے مختلف طریقے بتائے گئے ہیں - یہ کتاب جس قدر مفید ہے اس کے موضوع سے اندازہ کیا جا سکتا ہے -

(نیشنل)

ایڈورڈ امیلا این بلیفرڈ

ایک فوجی جرنیل کی لڑکی تھی جو ۷ر جون ۱۸۴۲ء کو لنڈن کی فضائے جمیل میں پیدا ہوئی - ایڈورڈ فطرتاً نہایت ذہین قابل - مدبر اور شاعر واقع ہوئی تھی - اسکے

علی الفیاض شیبۃ ذی المعالی - ابو الخیر لیس لہ کفاء
طویل الباع املس شیظمی - اغر کان غرتہ ضیاء
اقب الکشح اروع ذی فضول - لہ المجد المقدم والثناء
ابی الضیم ابلج ھرزمی - قدیم المجد لیس لہ خفاء
ومعقل مالک وربیع فھر وفاصلھا اذا التمس القضاء
وکان ھو الفتی کرما وجودا وباسا حین تنسکب الدماء
اذا ھاب الکماۃ الموت حتی کان قلوب اکثرھم ھواء
مضی قدما بذی ربد حسیب علیہ حین تبصرہ البہاء

(سیرۃ ابن ہشام مسامرات محی الدین)

امامہ

حرباں بن حارث "ذو الاصبع" عدوانی کی لڑکی تھی چھٹی صدی کے آخر میں عرب کی ایک پرشباب دماغ رکھنے والی شاعرہ گزری ہے۔ اسکی ذہنیت اور اس کے احساس بیدار کی ایک روشن دلیل یہ ہے کہ جب بنی سعد بن ظرب بن یشکر بن عدوان اور بنی فہم و بنجی میں زبردست لڑائی ہوئی۔ اور لڑائی کی حالت یہانتک نازک ہوئی۔ کہ قبیلے بالکل مٹنے کے قریب پہنچ گئے۔ تو امامہ نے اپنی قوم "عدوان" کا یہ دردناک نوحہ نظم کیا۔ کیا احساس تھا ان فخر زندگی عورتوں کا جو آجکل کے بہت سے مردوں سے بہتر تھیں۔ کہتی ہے:-

کم من فتی کانت لہ میعۃ	بہت سے جوان تھے جن کا عنفوان شباب
ابلج مثل القمر الزاھر	روشن چاند کی طرح منور تھا۔
قد صبحت الخیل بجانبھم	ان پہ دشمن نے چاروں طرف سے حملہ کیا۔
کما غیث لجب ماطر	جیسے گرجتا ہوا اور برستا ہوا بادل آتا ہے
تداعت فہم وعدوانہا	فہم اور عدوان کے قبیلے
قتلا دھلکا آخر الغابر	قتل ہو کر ہمیشہ کے لئے تباہ ہو گئے
کانوا ملوکا سادۃ فی الوری	گروہ دنیا میں بادشاہ اور سردار رہے
دھرا لھا الفخر علی الفاخر	عرصہ تک کوئی صاحب فخر ایسا نہ تھا کہ ان کا مقابلہ کر سکے (ریاض)

بچپن کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس درجہ رسا اور ذہین دماغ رکھتی تھی۔ جو فطری طور پر تیار اور مکمل بنایا گیا تھا۔

ایڈورڈز جب ۷ برس کی تھی تو اس نے ایک نظم کہی جسکا عنوان تھا۔ "The Nights of Old" "بڑھاپے کی راتیں" اسکی ماں نے اسے ایک ہفتہ وار اخبار میں شایع کرا دیا۔ لیکن ایڈورڈز جسقدر اپنی عمر کی منزلیں طے کرتی جاتی تھی۔ اتنا ہی اس کے جوہر تجلے ہوتے جاتے تھے۔ چنانچہ جب وہ ۱۲ برس کی ہوئی تو اس نے پھر ایک نظم کہی جسکا عنوان تھا "ایک گھنٹے کی کہانی" جسے سنہ ۱۸۴۳ء میں نیو انگلینڈ میگزین (New England Magazine) نے چھاپ کر شایع کیا۔ اور جب ایڈورڈز بڑی ہوئی۔ تو اس کا قلم ایک محیط جنبش کے ساتھ رواں ہونے لگا۔ اس نے ناول نویسی اور نامہ نگاری شروع کر دی۔ اور یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ وہ ایجپٹالوجی (مصر کے احوال قدیم کے علم) میں بھی بیحد مشہور ہوئی۔

آٹھ ناول لکھنے کے بعد سنہ ۱۸۸۰ء میں ناول نویسی ترک کر دی۔ اس کا آخری ناول "لارڈ بریکن بری" مقبول اور مشہور ہو کر ۱۵ مرتبہ چھاپا گیا۔ اور سنہ ۱۸۸۲ء میں اس نے "ایجپٹ اکسپلوریشن فنڈ" قائم کیا وہ سکرٹری بنائی گئی۔ جب تک وہ زندہ رہی اس نے ہمیشہ اسی فنڈ کی مصروفیات کو علمی و ادبی مشاغل پر ترجیح دی۔

وہ سفر کی بڑی شایق تھی۔ چنانچہ وہ سنہ ۱۸۵۳ء

اسی تخلص کی ایک اور شاعرہ وائل بن ربیعہ کلیب کی بیٹی تھی۔ کلیب اپنی قوم کا سردار اور صاحب اعتبار شخص تھا جس نے ابسوس کی لڑائی میں (جو ۴۹۴ء سے ۵۳۲ء تک برابر جاری رہی) اطراف عرب کی زمینوں کو انسانوں کے خون سے ایک خوفناک رنگینی میں ڈبو دیا تھا۔ اور جو بالآخر جساس اور عمرو کے ہاتھ سے مارا گیا۔

جسوقت کلیب قتل ہوا۔ امامہ ۱۲ برس کی تھی۔ کلیب امامہ سے بڑی محبت کرتا تھا۔ جب اس نوعمر دوشیزہ کو اپنے باپ کے قتل کی خبر پہنچی۔ تو وہ اپنے چچا مہلہل کے پاس دوڑی ہوئی گئی۔ مہلہل شراب کی بدمستیوں میں غرق تھا۔ امامہ کی کچھ نہ سنی اسوقت امامہ کے قلب پر اپنے چچا کے استغنا اور اپنی بے کسی پر بڑا ارمان آیا۔ اور اُسکی زبان سے بے ساختہ یہ اشعار نکلے جن میں وہ اپنے باپ کے قتل ہونے کی چچا کو خبر دیتی ہے۔ اور اس کے قلب میں انتقام کی روح پھونکنے کی بہترین سعی کرتی ہے۔ یہ نظم بہت طویل ہے۔ اسکے بعض اشعار میں وہ شستگی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔ جو زمانۂ جہالت کی شاعری کی خصوصیت ہے۔ امامہ اپنے شرابی چچا سے مخاطب ہو کر کہتی ہے:-

اِتلهو بالملاهیِ وَالخمورِ	تو شراب نوشی اور عیش پرستی میں پڑا ہوا ہے
ولاتدری بعاقبۃ الامورِ	اور تجھے انجام کار کی ذرا بھی خبر نہیں ہے
وَلاتدری بان کلیب اضحیٰ ۔	خبر نہیں کہ کلیب مقتول پڑا ہوا ہے
قتیلاً عند جساس الغرورِ	جساس کے سامنے۔
فواعجبا لجسّاسٍ وعمروٍ	تعجب ہے جساس اور عمرو کی حالت پر
لقد جسرا علیٰ امرٍ نکیرِ۔	کیسے بُرے کام کی اُنہوں نے جرأت کی
وَیاویلا لجساسٍ وَعمرو	افسوس ہے کہ جساس اور عمرو نے
لقد رَمیا اخاک بعنفقیرِ	تیرے بھائی پر آفت ڈھائی
نبادِر لحزوۃ فلقد تواءمت	جلد جا کیونکہ اس پر
الیہ الان شجعان النظیرِ۔	اسوقت بہادروں نے تیر برسائے ہیں

(ریاض)

میں مصر کی سیر کرنے کے لئے مصر بھی گئی۔ مصر پہنچکر اس نے علم "ہیروغلیفی" مصر کے قدیم حالات کی تحقیق کے لئے سیکھا۔ اس عالم فاضل خاتون نے "ایجپٹالوجی" کے متعلق متعدد کتابیں اور بہت سی قدیم اشیا کو مجتمع کیا تھا۔ آخر جب وہ مرنے لگی۔ تو اس نے اپنا سب ذخیرہ یونیورسٹی کالج لندن کو دے دیا ساتھ ہی ۲۴۱۵ پونڈ بھی دیئے۔ تا کہ کالج میں ایک ایجپٹالوجی کے پروفیسر کا تقرر ہو سکے۔

لنڈن میں ایڈورڈز لائبریری اور ایڈورڈز میوزیم بیحد مشہور ہیں۔ اور بہت وسیع ہیں۔ ایڈورڈز کی جائداد سے ان کا تمام تر انتظام کیا جاتا ہے۔

(باقی آئندہ)

تو پھر عورت کیوں خاموش ہے؟

(ایک مسلمان خاتون کی رائے)

باب نسائیات سے جو امیدیں وابستہ تھیں۔ وہ تشنہ مراد ہی رہیں۔ بدقسمتی سے میں بہت مشکل پسند واقع ہوئی ہوں میرا معیار اور میرا نظریہ نسائیت کے متعلق اتنا بلند ہے۔ کہ اگر میں اپنے دامن تمنا کو اسکی پوری وسعت کے ساتھ بساطِ تکمیل پر پھیلا دوں تو موجودہ نسائیت کی رفیع ترین پرواز بھی اسمیں پوشیدہ ہو جائے۔

میں باب نسائیات کو اسوقت تک نامکمل اور ناکافی سمجھوں گی۔ جب تک اسمیں محض فسانہ نگاری اور تغزل ضیافت طبع کرتے رہیں گے۔

کیا عورت کا دماغ اتنا محدود اور کیا اسکی ذہنیت اسقدر عاجز ہے۔ کہ وہ ان اوصاف تحریر سے زیادہ مفید اور ضروری چیزوں کی طرف مائل نہیں ہو سکتی۔

ہندوستان کی اور خصوصاً مسلمان ہندوستان کی خون آلود فضا اب نغمہ و ترنم سننے کے قابل نہیں رہی۔ اُسے تو رونے کی آواز سننے کی عادت ہو گئی ہے۔ غزل اسکی روح بیتاب کو سکون نہیں دیسکتی اسے تو مرثیہ کی ضرورت ہے۔ آسمانی نغمے اسکے قلب کو سرورِ بخش چکے اب اسکے حریت پسند مگر مردہ دل کو رجز خوانی کی ضرورت ہے۔

کیا عورت اور وہ عدیم المثال ہندوستانی عورت موجودہ صورت حال میں اپنا فرض بھول گئی؟ آپ چاہیں تو ابھی باب نسائیات ایک کمانڈر کا دفتر بن سکتا ہے جہاں سے قوم کی فوج کو احکامات صادر ہو سکتے ہیں۔ اگر کسی کو "مسکن" کا نظریہ پسند ہو کہ "مرد جنگ کے لئے ہے اور عورت صرف رہبری اور مشورہ کے لئے" تو بھی کیا عورت ان دو چیزوں کے علاوہ جنکا انہیں کوئی حق نہیں۔ اور کسی قسم افکار پر اظہار خیال نہیں کر سکتی۔ کیا تاریخی واقعات علمی معلومات، قومی اور نیچرل نظمیں یہ سب عورت کی حد پرواز سے بالاتر چیزیں ہیں؟

میں چاہتی ہوں کہ باب نسائیات ان سب کیلئے کھلا ہے۔ عورت اگر تہیہ طوفان کرلے تو نظام ہستی کو درہم برہم کر سکتی ہے۔ اسکے نازک دل میں وہ بجلیاں پنہاں ہیں۔ جو خرمن جور و جفا، بغض و عناد نفاق خونریزی کو خاک سیاہ کر سکتی ہیں۔

تو پھر عورت خاموش کیوں ہے؟؟!

سلطانہ اقبال

سلطانہ اقبال کے اظہار ہی سے پہلے ہم اس ضرورت کو محسوس کر چکے ہیں۔ اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ باب نسائیات فضول اور بے معنی باتوں سے قطعاً خالی ہے ہم کلام منظوم کے خلاف کوئی احتجاج قائم کرنا نہیں چاہتے۔ یہ ضرور چاہتے ہیں کہ انھیں بھی نسائی ملکی و قومی ضروریات کی اصلاح و تکمیل کے لئے لکھی جائیں تو مناسب ہے۔ ایڈیٹر

معلومات

خلاصۃ الباب :-

بحری منارۂ روشنی



سمندر کے ہلاک خطرات سے بچنے کے لئے جو سہولتیں پیدا کی گئی ہیں۔ اُن میں سے ایک "منارۂ روشنی" ہے۔ جو عمومیت ایجاد کی وجہ سے کچھ اہم معلوم نہیں ہوتا۔ مگر واقع میں وہ نہایت مفید چیز ہے۔ اور عجیب طریقوں سے اُس کی تعمیر کی جاتی ہے۔ سطور ذیل میں ہم مختصر طور پر یہی معلوم کرینگے کہ استقدر مستحکم منار جس سے طوفاں خیز لہریں ہر وقت ٹکراتی رہتی ہیں۔ تاہم اسکو ذرا نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ کیونکہ وسط سمندر میں تیار کیا جاتا ہے۔ اور میلوں تک اپنی روشنی سے سمندر کو بقعۂ نور بنا کر ملاحوں کو پرخطر چٹانوں اور دشوار گذار راستوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

منارۂ روشنی کی ضرورت

دنیا کی دلچسپ ضروریات میں ایک روشنی ہے جس کا انسان عملی زندگی میں ہر وقت محتاج ہے۔ دن کو قدرتی

فانوس اپنی تجلی ریز شعاعوں سے دنیا کو بزم نور بنائے رکھتا ہے۔ لیکن رات کو اگر انسان اپنی دماغی قوت سے روشنی پیدا نہ کرے۔ تو بیشمار دقتیں پیش آئیں گی۔

خشکی میں اکثر بڑے خطرات سے تاریکی ہو تو بھی انسان بچ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ مگر سمندر میں بہت سے ایسے خطرات ہیں جن سے بغیر کافی روشنی کے بچنا بہت مشکل ہے۔ اسمیں زیر آب انتی بڑی بڑی چٹانیں ہیں جن سے جہاز ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ بہت سے ڈھالو ٹیکے ہیں۔ جن پر سے جہاز کے ریت پر چڑھ جانیکا اندیشہ ہے۔ ریت کے ایسے خوفناک ٹیلے ہیں جن میں جہاز کا گھُس کر نکلنا محال ہے

انہیں خطرات سے تاریک راتوں میں بچنے کے لئے "منارہ روشنی بنائے جاتے ہیں۔ انمیں بڑی بڑی لالٹینیں ہوتی ہیں۔ جو سمندر کی سطح پر ضو پاشی کر کے ملاحوں کو محفوظ راستے بتاتی رہتی ہیں۔

منارۂ روشنی کی تعمیر

ان میناروں کا بنانا کوئی معمولی اور آسان کام نہیں ہے۔ یہ بہت خوفناک مقامات میں بنائے جاتے ہیں۔ اور اکثر ایسے خطرات کا سامنا ہوتا ہے۔ کہ اگر بنانیوالوں میں بڑی ہمت۔ بیحد استقلال، انتہائی جرأت، اور کافی مہارت نہ ہو۔ تو انکی تعمیر ہی نہ ہو سکے۔

مینار مختلف جگہ بنائے جاتے ہیں۔ بعض خشکی پر، بعض سمندر سے ڈھکی ہوئی چٹانوں پر جہاں پانی بہت گہرا نہیں ہوتا۔ اور بعض سمندر کے اندر ریگ کے ٹیلوں پر بنائے جاتے ہیں۔

جب کسی بڑی عمارت کی بنیاد ڈالی جاتی ہے۔ تو اُسکی مضبوطی کا کیسا اہتمام کیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ بڑی بڑی دیواروں کے بوجھ کی متحمل ہو سکے۔ لہٰذا مینار جیسی اہم چیز کی بنیاد کیلئیے بہت زیادہ استحکام اور مضبوطی کی ضرورت ہے۔

ریتیلے کنارہ پر مینار بنانا

اگر مینار کسی ریتیلے کنارہ پر بنایا جاتا ہے۔ تو زمین کی گہرائی میں دور تک لکڑی کے بڑے بڑے لٹھے ڈالے جاتے ہیں۔ تاکہ ایک پختہ نیو قائم ہو جائے۔ اور جب سنگین دیواریں اسپر قایم ہوں۔ تو اندر دھس جانے کا اندیشہ نہ رہے۔

کبھی ایک زبردست کیسن[1] (Caisson) زمین کے اندر ڈال دیا جاتا ہے۔ جو گہرائی میں چلا جاتا ہے۔ یہ کیسن بجوزی، پتھر اور مصالحۂ تعمیر سے بھرا ہوتا ہے اور زمین میں ایک بڑا استون بنا دیتا ہے جسپر مینار کی وزنی دیواریں اچھی طرح قائم ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ "خلیج دلیویر" (Delaware Bay) میں فورٹین فٹ بینک (Fourteen Foot Bank) پر منارۂ روشنی اسی طرح بنایا گیا ہے

---

[1] یہ ایک ستون نما ڈھانچہ ہوتا ہے۔ جو پانی میں نیو ڈالنے کے لئے اکثر کام میں لایا جاتا ہے۔

چٹانوں پر مینار بنانا

سب سے بڑا خطرہ اس وقت پیش آتا ہے۔ جبکہ مینار کو متصل زمین سے ڈھکی ہوئی چٹان پر بنایا جاتا ہے۔ اور اس صورت میں صرف اسی وقت کام کیا جاتا ہے۔ جبکہ دریا میں جزر ہو۔ چنانچہ "مناٹ لیج" (Minot's Ledge) کا مینار جو خلیج میسو کو میٹس (Massachusetts Bay) کے داخلہ پر چٹانوں کے ایک قریب السطح سلسلہ پر واقع ہے بڑی دقتوں سے بنایا گیا تھا جس جگہ سنگِ بنیاد رکھنا تھا۔ اسکے گرد پہلے ریت کے بڑے بڑے بوروں کا ایک پشتہ پانی روکنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ لیکن اگر کوئی موج اس پشتہ کے اوپر لہرا جاتی تھی۔ تو بڑی مشکل سے اندر سے پانی نکال کر فوراً اسپنج سے خشک کرنا پڑتا تھا۔

امریکہ میں "اوریگون" (Oregon) کے ناہموار، اور خوفناک ساحل پر ایک پرخطر چٹان ہے جس کو ٹلیموک (Tillamook) کہتے ہیں۔ اسپر ایک مینار بڑی دقت سے بنایا گیا ہے۔ اِسکے بنانے والے جہازوں میں سے اپنا سامان خورد و نوش وغیرہ لے کر "جر ثقیل" کے ذریعہ سے کام کرنے کی جگہ آیا کرتے تھے۔ مگر جب تک انہوں نے اس مقام سے جہاں سنگِ بنیاد قائم کرنا تھا۔ پانی نکالنے کی مشین نہ نکالی۔ اس وقت تک انہیں جہازوں کی آمد و رفت میں خوب غوطے کھانے پڑتے تھے۔

مینار بنانے والے اسقدر محنتی۔ ہوشیار، اور دلیر ہوتے ہیں۔ کہ اگر صرف سمندر ہی اُن کو موافق رہتا تو وہ بہت جلد اپنے کام کو پورا کرلیں۔ مگر وہ بہت دیر تک اپنا کام نہیں کر سکتے۔ کیونکہ سمندر کی لہریں انہیں کام چھوڑنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک مینار کی تعمیر میں سال بھر میں کل تیس گھنٹے ہی کام ہوا تھا۔ اور اسلئے بعض مرتبہ میناروں کی تیاری میں کئی کئی سال لگ جاتے ہیں۔

اسکاٹ لینڈ کا مینار

اسکاٹ لینڈ میں "بیل راک" کا بڑا مینار (Bell Rock Light House) ایک چٹان پر بنا ہوا ہے جو سرد اور تاراج سمندر میں ہے۔ جب اسکی تعمیر شروع ہوئی، تو وہاں ایک وقت میں کل دو آدمی کام کرسکتے تھے۔ کیونکہ اس سے زائد وہاں جگہ ہی نہ تھی۔

پہلے اسکے بنانیوالوں نے گوندے کی موٹی موٹی تہوں کو چٹان سے اکھیڑا۔ پھر چٹان میں برمے سے بڑے بڑے سوراخ کئے۔ کہ لوہے کی سلاخیں اسمیں داخل کرسکیں۔ پھر انپر ایک مضبوط آہنی چبوترہ بنایا۔ اور یہ کام کی صرف ابتدا ہی تھی۔ ہر چند منٹ میں موجیں چٹان سے ٹکرا کر آدمیوں کے سروں پر آتی تھیں اور وہ بیچارے ۔ ۔ ۔ ۔ لیٹ کر گوندے کو اپنی پوری طاقت سے پکڑ لیتے تھے۔ اور جبتک پانی اوپر سے نہ گذر جاتا۔ سانس کو روکے رہتے تھے جب موج چلی جاتی۔ تو پھر اُٹھتے۔ اور اپنے کام پر لگ جاتے۔

جب اڈی سٹون (Eddystone) کا پہلا مینار بنایا گیا ہے تو آدمیوں کو میخ قایم کرنے کے لئے چٹان میں صرف بارہ سوراخ کرنے میں چار سال لگے تھے

بیچی ہیڈ کا مینار

مینار بنانے میں ایک تعجب خیز طرز وہ ہے۔ جس پر انگلستان میں بیچی ہیڈ (Beachy Head) پر نیا مینار بنایا گیا ہے۔ وہاں ڈھالو چٹان کے سرے پر پہلے ہی سے ایک مینار بنا ہوا تھا۔ مگر وہ بہت اونچا تھا۔ اور جہاز ران کہر میں اسکی روشنی سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے تھے۔ اسلیئے وہاں ایک نیا مینار چٹان کے دامن میں بنایا گیا۔ جو ٹھیک سمندر میں ہے۔

سب سے پہلے سمندر کی اندرونی کھریا مٹی میں ایک بڑا سوراخ کیا گیا۔ اور جب سمندر میں جزر تھا۔ تو اِس سوراخ کے گرد ایک مستحکم دیوار بنائی۔ جو گویا ایک پشتہ تھا۔ یہ پشتہ اتنا ہوا تھا۔ کہ اسکے اندر آدمی اطمینان سے کام کرتے رہتے تھے۔ اور معمولی مد اُن کے کام میں مخل نہیں ہوتے تھے۔ ہاں اگر مد بہت اونچا ہوتا تھا۔ تو اُنہیں اس دائرہ نما مکان سے باہر آنا پڑتا تھا۔

پھر ایک مضبوط اور بلند آہنی چبوترہ بنایا گیا۔ جو بالکل اس گھاٹ کے مشابہ تھا جو سمندر کے کنارے پر جہاز سے اُترنے اور اُسپر چڑھنے کے لئے بنایا جاتا ہے۔ مگر اس سے چھوٹا تھا۔ جب سمندر میں مد ہوتا تھا۔ تو مزدور اپنا سامان اور اوزار وغیرہ اس چبوترہ پر رکھدیتے تھے۔ اِس چبوترہ کے علاوہ چٹان کی چوٹی پر ان کا ایک بڑا کارخانہ تھا۔ جہاں اُنکے تمام آلات عمارت سازی رکھے رہتے تھے۔

ہوائی ریلوے

ان آلات کو چٹان کی چوٹی پر سے سمندر میں اس جگہ تک لانے کے لئے جہاں وہ کام کرتے تھے۔ ایک ہوائی ریل کا رستہ بنایا گیا تھا۔ یہ ریلوے موٹے موٹے تار تھے۔ ان کا ایک سرا تو اوپر چوٹی پر جڑا ہوا تھا۔ بیچ میں یہ آہنی چبوترے سے جڑے ہوئے تھے۔ اور سمندر میں چونا پتھر وغیرہ سے بنا ہوا جو مصالحہ موجود تھا۔ اِس سے ان کے نیچے کے سرے جڑے ہوئے تھے۔ اس طرح یہ تار چوٹی سے لے کر سمندر تک پہنچتے تھے۔ اور اسقدر محکم تھے۔ کہ ستر ٹن سے زائد کا وزن بھی انکو نہیں توڑ سکتا تھا۔

ان میں سے دو تاروں پر تو وہ مال گاڑی آتی تھی جسمیں ضروری سامان اوپر سے نیچے لایا جاتا تھا۔ اور دوسرے دو تاروں پر وہ مال گاڑی اوپر جاتی تھی۔ جسمیں غیر ضروری سامان نیچے سے بھیجا جاتا تھا۔ ان تاروں میں یہ خوبی تھی۔ کہ جب ایک گاڑی اوپر سے نیچے آتی تھی۔ تو دوسری گاڑی خود بخود اوپر چڑھنے لگتی تھی۔ انہیں گاڑیوں میں آدمی بھی کام کرنے کے لئے اوپر سے نیچے آتے تھے اور ہر گاڑی میں بارہ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔

اسی ریلوے پر مشینیں اور گرینٹ (Granite) پتھر کی بڑی بڑی سلیں لائی جاتی تھیں۔ اور انہیں بعض باوجود بےحد وزنی ہونے کے بھی بغیر کسی حادثہ کے کام کرنے کی جگہ پر پہنچ جاتی تھیں۔ یہ تمام سلیں کارنوال (Cornwall) سے آتی تھیں۔ اور اس طرح کاٹی جاتی تھیں۔ کہ تعمیر میں ایک دوسری کے ساتھ بالکل درستی سے جمتی چلی جائیں۔ اس کا مزید اطمینان کرنے کے لئے کہ وہ بالکل ٹھیک طور پر کاٹی گئی ہیں۔ انکو خشکی پر ہی جما کر اچھی طرح دیکھ لیا جاتا تھا۔ پھر ان پر بالترتیب نمبر ڈال کر سمندر میں بھیجدیا جاتا تھا۔ اور یہاں پر بھی وہ اُسی متعینہ ترتیب سے جمادی جاتی تھیں۔

مینار کا اندرونی حصّہ

یہ مینار مکمل ہونے کے بعد ۱۶۸ فٹ ۲ اڑتالیس فٹ موٹا۔ اور نیچے سے اوپر دو تک گرینٹ پتھر کی ایک ٹھوس چٹان ہے۔ اس چٹان کے اوپر آٹھ کمرہ ہیں۔ سب سے پہلے ایک دروازہ ہے جسمیں سے آدمی اندر جاتے اور اپنا سامان وغیرہ لے جاتے ہیں۔ اس کی اوپر گودام اور سونے بیٹھنے کے کمرے ہیں پھر وہ کمرہ جہاں لیمپ ترتیب کے ساتھ رکھے جاتے ہیں۔ اور پھر سب کے اوپر وہ کمرہ ہے۔ جہاں بڑی لالٹین رکھی جاتی ہے۔ یہ لالٹین دریا میں بہت دور تک لمعات اندازی کرتی اور چاروں طرف پھرتی رہتی ہے۔ تاکہ "شبِ تاریک وبیم موج" میں ہر جانب سے "گرانباران جہاز" کو اس کا "جلوہ طور فریب" دکھائی دے سکے۔

(ماخوذ) شہاب

یونان کے ایک قدیم ترین محل پارتھینون کے حالات

اس حقیقت سے شاید آپ بھی واقف ہوں۔ کہ ازمنۂ قدیم کے انسان شہر ایسے موقعوں پر بساتے تھے جہاں بازار اور گلیوں کے لئے میدان اور قلعہ کے لئے پہاڑی ہوتی تھی۔ یونان کے اکثر شہر اسی نوعیت اور اسی وضع کے ہیں اور دراصل یونانی فن تعمیر میں عمارت کی تین وضع ہیں۔ ڈروک۔ ایونک اور قرنتی۔ پارتھینون کی وضع ڈروک ہے۔ ڈروک کا بہترین نمونہ دنیا میں صرف پارتھینون ہے۔ پارتھینون نہایت شفاف چمکیلا۔ روشن اور ٹھوس سنگِ مرمر کی عمارت ہے۔ اس کا

طول دوسو اٹھائیس فیٹ اور چوڑائی ایک سو فیٹ ہے۔ اور اسکی بلندی چوٹی تک ۶۵ فیسٹ ہے۔ اور پارتھینون چاروں طرف سے بڑے بڑے کھمبوں سے محیط ہے۔ ایک ایک سرے پر آٹھ آٹھ کھمبے ہیں۔ کسی وقت دونوں بغلوں میں تیئیس ۲۳ تیئیس کھمبے تھے جن میں سے ہر ایک کی بلندی اکتیس ۳۱ فیٹ چار انچ اور موٹائی ۶ فیٹ ایک انچ تھی۔

برآمدے کے اندر دونوں سروں پر چھ چھ کھمبے تھے۔ اور اندر کا کرہ ایک سو ساڑھے پینتالیس ۴۵ فیٹ لمبا اور ساڑھے تریسٹھ فیٹ چوڑا تھا۔ اور اس کرہ میں سولہ بڑے کھمبے تھے۔ جن پر چھت قائم تھی۔ کھمبوں سے کارنس کے سرے تک دس فیٹ دس انچ کا فاصلہ تھا۔ اور یہ فاصلہ تین حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصہ میں کارنس اسکے نیچے چوبی جو گولہ اور گھنٹی سے بنی تھی۔ اور ایک ایک چوبی کے درمیان وہ منقش مورتیں تھیں جن میں بہترین نقاشی اور مصوری صرف کی گئی تھی۔

برآمدے کے اندر پایہ کے سرے کے برابر مرمری پٹیوں سے ایک حاشیہ چھ سو فیٹ لمبا بنا تھا اور اس میں کئی سو الگ الگ مورتیں تراشی گئی تھیں۔ اور ایک سو مورتیں تو صرف گھوڑوں کی تھیں جن میں صناع نے اپنی عجیب ترین صنعتِ مصوری کا ثبوت دیا تھا۔ یعنی تصویر میں ایک گھوڑے کی شکل دوسرے گھوڑے سے نہیں ملتی تھی۔

ان گھوڑوں کی تصویر کی تاریخ یہ ہے۔ کہ ایتھنے کے بسنے والے ہر پانچویں سال اپنی دیوی کی یاد اور تعریف میں نفیس اور قیمتی لباس پہن کر گھوڑے اور گاڑیوں پر سوار ہو کر شہر کا طواف کرتے تھے ـــــ در اصل یہی طواف مندر کے سنگین حاشیہ پر منقوش ہے۔

پارتھینون آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل کی عمارت ہے۔ یہ ۴۳۸ برس سنہء سے قبل پریکلیس ایتھنے کے بادشاہ کے وقت میں تعمیر ہوئی۔ اس زمانہ جہالت میں یہاں ایک دیوی تھی منروا جو اتھینوں کے خیال میں اتھینے کی محافظ تھی۔ اسی دیوی کا خیال پارتھینون کا سنگِ بنیاد ہے۔

پارتھینون کی حیرت انگیز نقاشی اور عقل کو حیران کر دینے والی مصوری کے نقاش اور معماروں کے نام ہمیشہ ہمیشہ صفحۂ عالم پر ثبت رہینگے۔ ان معماروں میں سے جنکی سعی لطیف سے پارتھینون تیار ہوا۔ کلکریٹس۔ اکٹینس اور فیڈیس بجا اور منجملہ طور پر قابل ستائش ہیں۔

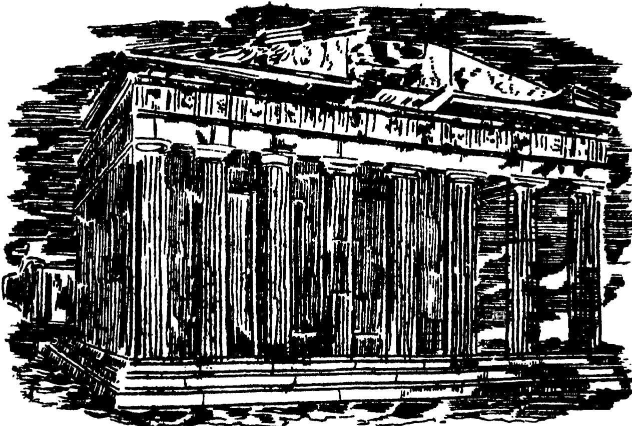
اس عمارت کی خصوصی نقاشی اک اعجاز کی صورت رکھتی تھی۔ اسکے ایک سرے پر تکونی صورت بنی ہوئی تھی جسے معماری اصطلاح میں تلنگی کہتے ہیں۔ اس صورت کے درمیان نقاش نے دیوتاؤں اور دیویوں اور گھوڑوں کی عجیب عجیب تصویریں بنائی تھیں۔ ایک طرف اس نے دیوی کی تخلیق کا منظر دکھایا تھا۔ اور دوسری طرف اس نے سمندر کے دیوتا کے ساتھ دیوی کی لڑائی دکھائی تھی۔ یہ لڑائی گویا ایتھنے شہر کی حفاظت کے لئے دیوی نے سمندر کے دیوتا کے ساتھ کی

پارتھینون کا محل حوادثِ زمانہ سے مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوا ہے۔ یونان میں جب عیسائیت کا دور دورہ ہوا۔ تو عیسائیوں نے اسے گرجا گھر بنایا اور ایک عرصہ مدید تک انھوں نے یہاں عبادت کی۔ اس کے بعد جب ترکوں نے

روم کو زیر کرکے یونان پر قبضہ کیا۔ تو اُنہوں نے اس عمارت سے ایک مسجد بنائی۔ اور کافی وقت تک پارتھینون مسلمانوں کی سجدہ گاہ عقیدت بنا رہا۔ اور جب اہل بندوقیہ سے ترکوں کا مقابلہ ہوا اور اہل بندوقیہ ترکوں پر حملہ آور ہوئے۔ تو ترکوں نے سامانِ جنگ اسی عمارت میں جمع کیا۔ اتفاقاً اندر کے کمرہ میں آگ لگی اور وہ بالکل تباہ ہو گیا۔ آخر کار ایک یورپین امیر نے جو انگلینڈ کی طرف سے سلطان روم کے یہاں ایلچی تھا۔ پارتھینون کی اس بربادی کو محسوس کیا۔ اس نے کوشش کی۔ اور سلطانِ روم سے اُسے اجازت ملی کہ وہ اس عمارت سے بہترین پتھر جس پر لاجواب نقاشی کی گئی ہے۔ انگلستان لے جائے۔

چنانچہ وہ شخص اس عمارت کے حاشیہ کا دو سو پچاس فٹ طویل پتھر اور کئی ایک مورتیں پارتھینون سے نکال کر انگلستان لے گیا اور ۱۸۱۶ء میں پارلیمنٹ نے ساڑھے تین لاکھ کے معاوضہ میں امیر موصوف سے اس سامان کو خرید لیا۔ اور اب تک لندن کے برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

یونان کا قدیم ترین محل پارتھینون



پارتھینون جیسا کہ تصویر سے ظاہر ہے نہایت شکستہ اور نقش برباد کی حیثیت رکھتا ہے۔ یونان کے بادشاہوں نے جو زمانہ تہذیب میں یونان کے تخت پر بیٹھے۔ اسکے اکثر حصوں کی مرمت کرائی۔ اسکے چاروں طرف جو کھنڈر نہایت خوفناک صورت میں تھے۔ اُنکی بھی صفائی اور کھدائی کی گئی۔ اور اس طرح بہت سی مورتیں جو زمانے کی قیامتوں نے زمین دوز کر دی تھیں۔ انسانوں کے ہاتھ پھر آ گئیں۔

منروا دیوی کی مورت جس کا ذکر اس مضمون میں کیا جا چکا ہے۔ بارہ لاکھ کے سونے اور ہاتھی دانت سے بنی

ہوئی تھی - اور جو فیڈئیس یونانی نقاش کی نقاشی کا بہترین نقش تھی - ڈیڑھ سو برس تک صحیح سالم رہی - اسکے بعد کسی ایک شخص نے سونے کے لئے اسکو توڑ ڈالا +

ایڈیٹر

تحقیقات و معلومات

وائرلیس کے ذریعہ گرمی حاصل کرنا

پروفیسر ایس ای ڈبل ماہر برقیات کا بیان ہے - کہ ہم وائرلیس کی ترکیب سے گرمی حاصل کرسکتے ہیں - گو ہمیں اسکو ممکن العمل بنانے کے لئے نئے آلات کی ضرورت ہوگی جو گرمی کی موجوں کو محفوظ کرکے حصص شہر میں تقسیم کرسکیں - اور اُسے بحد اعتدال قایم رکھ سکیں -

یہ تحقیق ہوچکا ہے - کہ گرمی جمادات اور فاصلوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے - پھر جب ایک بار اسکی لہروں کا جذب کرلینا اور محفوظ رکھنا ممکن العمل ہوگیا - تو تمام دنیا میں گرمی پہنچائی جاسکتی ہے -

گرمی کی اس وسعت کا اثر عام تندرستی پر بہت اچھا پڑیگا - کیونکہ گرمی پیدا کرنے کے جدید طریقوں سے ہوا میں جو گرانی اور گندگی پیدا ہو جاتی ہے - وہ اس طریقہ سے دور ہو جائے گی - گرمی کی قوتیں وسیع کرنے کے طرایق یورپ میں خوش آیند سمجھے جاسکتے ہیں لیکن ہندوستان کو شاید ان آلات کی قیامت تک بھی ضرورت نہ ہوگی - ہاں اگر یورپ ایسے آلات ایجاد کرسکے جو گرمی کی حدت کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کرسکیں تو ہندوستان اپنی گرمی بعض موسموں میں یورپ کو نذر کرنے کے لئے تیار ہے ایڈیٹر

موجدوں کی عمریں

تقریباً بیس اختراعات عظیمہ کی عمر ۳۲ سال ہے - وائرلیس ٹیلیگرافی، خود بخود بند ہو جانے والا دروگر (Reamer) اور ویکیم ایر بریک (Vacuum - air - Brake) جن آدمیوں نے ایجاد کئے - اُن کی عمریں ۳۲ سال سے زیادہ نہیں

اسٹیم ٹربائن (Steam Turbine) اور سٹیم انجنوں کے موجدوں کی عمریں کامیابی کے وقت تیس سال کی تھیں۔ سینے کی مشین بنانے والے کی عمر ۲۶ سال اور المونیم کو سستے طریقہ پر رائج کرنے والے کی عمر ۲۳ سال تھی۔ ولبر رائیٹ (Wilbur Wright) کی عمر جس نے ہوا کو قابو میں کر لیا تھا ۳۸ سال تھی۔ ایڈیسن جس نے روشنی کا لیمپ ایجاد کیا اس ایجاد کے وقت ۳۰ برس کا تھا۔

محققین کے نزدیک مشیران سلطنت اور فوجی افسروں نے انتہائے قوت کا حصول ۷۰ سال کی عمر میں کیا۔ اور یہ عمر کی سب سے بڑی مدت ہے۔ اوسطاً جب فوجی ذہنیت کا پھول پورا کھلتا ہے۔ تو عمر پچاس برس ہوتی ہے۔ اور تجارتی آدمی عموماً ۴۵ سال کی عمر میں کامیاب ہوتے ہیں +

یورپ میں زچگی سے اموات

یورپ میں آجکل سب سے اہم قومی اور اخلاقی انتشار عورتوں کا ایام زچگی میں ہلاک ہو جانا ہے۔ گو ان کی موت بعض دیگر امراض مزمنہ سے بھی واقع ہوتی ہے۔ جو جلد یا بدیر ان کی زندگی کو تلخ کر دیتے ہیں۔ اب تو سائینس سے مدد لینے کے لئے کوششیں ہو رہی ہیں۔ تاکہ زچہ اور بچہ دونوں ہلاک ہونے سے محفوظ رہ سکیں۔

نیشنل بیبی ویک کونسل نے (National Baby Week Council) بچوں کا سال قائم کیا ہے۔ جس میں "بچوں کے ہفتے" تمام اقلیم میں جاری کئے جائیں گے۔

برطانیہ عظمےٰ میں "بچوں کا ہفتہ" پہلی جولائی کو شروع ہوتا ہے۔ یورپ میں ہر دو منٹ کے بعد تین بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اگرچہ دایہ گری اور طرائق زچگی میں بہت سی آسانیاں اور اصلاحات کی جا چکی ہیں۔ پھر بھی تعداد اموات بہت زیادہ ہے۔ تقریباً تین ہزار عورتیں ہر سال زچگی میں تلف ہو جاتی ہیں۔ غیر صاف دانت، جھوٹی بھوک، اور غلط ورزش ان اتلافات کی معاون ہوتی ہے۔

یورپ کی ایک تئیس سالہ کامیاب مصنفہ

مس سلویا تھومپسن نے جسکی عمر ہنوز ۲۳ سال ہے چند ہفتوں کی محنت سے رنگان بہار ایک ناول لکھا ہے۔ ابھی اسکی اشاعت کو صرف دو روز ہوئے تھے۔ کہ امریکہ کی ایک کمپنی نے اس کے ناول کے حقوق فلم کے لئے تین ہزار پونڈ میں خرید لیے۔ مس تھومپسن کی شادی عنقریب ایک امریکن مصور کے ساتھ ہونے والی ہے جو لندن میں تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

ہفتاد سالہ لوگوں کا شہر

کونس ٹینٹائین میں ہیلسٹن کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جسمیں ہفتاد سالہ لوگوں کی تعداد بہت زائد ہے۔ گذشتہ مردم شماری کے حساب سے اُس کے ایک سو اسّی باشندوں کی عمر ستر برس کی ہے۔ یعنی ہر نو میں سے ایک اس عمر کو پہنچ چکا ہے۔

لنڈن میں موٹروں کی کثرت

اسوقت دو لاکھ موٹروں سے زیادہ لندن کی سڑکوں پر روزانہ چلتی ہیں۔ شراب پی کر موٹر چلانے والے کو چالیس شلنگ سے ۵۰ پونڈ تک جرمانہ، اور ایک مہینہ سے چار مہینے تک کی قید کی سزا دی جاتی ہے۔ اور ایسے مجرموں کو ایک سال تک موٹر کا لائیسنس بھی نہیں دیا جاتا۔

موٹروں سے جو حادثے ہوتے ہیں۔ اُنکی تعداد ایک لاکھ سالانہ ہے۔ اِسی طرح مجرموں کی تعداد دو لاکھ سالانہ تک ہو جاتی ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ آیندہ جرائم اور حادثات کے شمار و اعداد میں کمی ہو جائے گی۔

عجیب قومی خصوصیات

لنکا میں ویدی ایک قوم آباد ہے۔ جسکی دو خصوصیتیں قابلِ ذکر ہیں۔ (۱) اس قوم کے کسی مرد کو کبھی کسی نے ہنستے نہیں دیکھا۔ (۲) کوئی شخص کبھی جھوٹ نہ بولا۔ اس قوم میں شتر مرغ کی قیمت مرنے سے بہت بڑھ جاتی ہے جب یہ مرجاتا ہے۔ تو اسکے تمام اعضا کام میں آتے ہیں۔

انکشاف بعد الموت

ایک عورت جس کا نام ایم جے سیوابیسٹ۔ ڈی۔ لاگ تھا۔ سالہاسال سے درسائڈ میں رہتی تھی۔ جب ۱۹۲۸ء میں اُس کا انتقال ہوا۔ تو خادمہ پر یہ راز کھلا۔ کہ وہ عورت نہ تھی۔ بلکہ مرد تھا۔ تمام عمر عورت کی طرح بسر کرنے کا راز معلوم نہ ہو سکا لیکن دریافت کرنے سے معلوم ہوا۔ کہ اس مصنوعی عورت نے کئی مردوں سے شادی کی تھی۔ اور اُسکا آخری شوہر پندرہ سال سے اُس کے پاس تھا۔

اب عورت کے بھیس میں مردانہ نمایش شاذ ہے۔ لیکن انگلستان میں فرضی عورت بننے کا مذاق کامیاب اور عام نظر آتا ہے۔

ایڈیٹر

یارانِ میکدہ

مؤتمر مکّہ اور مجنوں کا خطبۂ صدارت

مؤتمر کی کاروائی ختم ہو چکی ہے۔ اور شرکار اپنے اپنے گھر چلے گئے ہیں صرف وہ روحیں باقی رہ گئی ہیں۔ جو آسمانوں یا زمین سے اس نئی مجلس کی کارروائی سننے کے لئے ہنوز ہواؤں میں معلق ہیں۔ اور جو دور دور سے تشریف لائی ہیں۔ مؤتمر کا غیر شاندار پنڈال خالی دیکھکر سب بلند گنبد آئیں۔ اور آپسمیں کہنے لگیں کہ "مؤتمر تو ناکام رہی۔ آؤ ہم اس معاملہ پر غور کریں کہ مقامات مقدسہ کو آئندہ کس طرح امن وسکون کا گھر بنایا جا سکتا ہے" صدارت کیلئے کئی نام پیش ہوئے بعض مصطفےٰ کمال پاشا کی تائید میں زیادہ تھیں۔ مگر فضائے مؤتمر نے یکایک پلٹا کھایا اور سب نے بہ اتفاق رائے منظور کر لیا کہ اس مؤتمر کی صدارت ابو المجنون علامہ القیس بن عامر النجدی فرمائینگے۔ ——— اتفاق رائے کا اتفاق بھی بس کچھ نہ پوچھئے۔ کیا ہوتا ہے۔ بے چارہ "بہ آں ضعف ونقاہت کہ داشت" سورج کی کرن کا سہارا لیکر اُٹھا اور ایک ذرہ پر بیٹھکر اس طرح تقریر کرنے لگا:۔

"مقدس اور متبرک روحو! میں اس جلسہ کی اہمیت کا معترف ہوں جسکی صدارت شریف عدنان کے بعد آپ نے مجھے بخشی ہے۔ حالانکہ اگر ضرورت تھی۔ تو اب یہ حق سید سلیمان ہندی کا تھا۔ مگر خیر۔ حکومت کا "موجودہ انقلاب" دیکھتے ہوئے ایک نجدی ہی اس مؤتمر کی صدارت اور رہنمائی کر سکتا ہے ——— "معزز ہم جنسو! شاید تمہیں معلوم ہوگا کہ دنیا اب اُسی دورِ قدیم کیطرف اُچک رہی ہے جسمیں وحشت اور بربریت کی طوفانی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اور جہاں سے پھیل کر تمدّن اور معاشرت کی اس خوفناک گھاٹی میں خواہ مخواہ آ پڑی تھی۔ بھائی ابن سعود حق بجانب ہیں۔ وہ دنیا کو غیر ضروری بلندیوں سے ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ اسکی وجہ تمہیں معلوم ہے روحیں جب قبرستانوں میں آتی ہیں تو اُن کی ٹانگیں ٹوٹے پھوٹے نوکدار گنبدوں سے ٹکر کھا کر مجروح ہو جاتی ہیں۔ اسپر روحوں نے بیشک بیشک کی آوازیں بلند کیں جنکے اثر سے مؤتمر کے فضائے زمیں میں خاک اُڑنے لگی اور علامہ قیس النجدی نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا) تو ایسی حالت میں صرف قبرستانوں کے گنبد ہی توڑنا کافی نہیں۔ بلکہ دنیا میں جتنے مکان ۶ انچہ سے زیادہ اونچے ہیں میری رائے میں اُن سب کو توڑ دینا چاہئے وہ ہماری راہوں میں روڑے کی طرح اٹھتے ہیں عشرہ محرم کو ۱۴ شعبان کو اور ہر روز جمعرات کو جب ہم آسمانوں سے زمین پر آتے ہیں تو ٹھوکریں کھاتے کھاتے ہمارا کچومر نکل جاتا ہے۔ ابن سعود نجدی ہے اور میں بھی نجدی ہوں بلکہ ایک رشتہ سے وہ میرا ابن عم ہے۔ میں اکثر اُسکے جسم میں اپنی

ہم جنس روح سے معانقہ کے لئے جاتا ہوں۔ اور اُس وقت جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے۔ اُسکے حواس اور ہوش ہیں، دل اور دماغ ہیں۔ جگر اور معدہ میں آنکھ اور کان ہیں، اپنی رائے اور اپنی خواہش بھر دیتا ہوں۔ یہ اُسی کا اثر ہے۔ کہ کبھی کبھی وہ میری بولی بولنے لگتا ہے۔ (روحوں نے پھر کچھ ایسی حرکتیں کیں کہ خلا میں خاک اُڑنے لگی) تمام عرب، تمام مصر، شام، عراق، یورپ، ہندوستان غرضکہ تمام دنیا مخالفت کرے۔ مگر میں تو اس وحشت کو روا رکھتا ہوں اور روا رکھونگا۔ "وحشت اور پاگل پن" دنیا والوں نے آزادی وسکون کے یہ چند نام رکھ لیے ہیں۔ بے معنی الفاظ، مہمل باتیں، لغو خیالات، اب لوگوں کو خیال ہے۔ کہ مصری محمل آ گیا تو مؤتمر کے بعض مقاصد کی تردید اچھی طرح ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں۔ ایک نہیں ہزار محمل آ جائیں . . . . لفظ محمل ہی خلا جانے کیا لیلائیت تھی۔ کہ علامہ القیس النجدی کو چکر آ گیا۔ وہ ذرے کی نشست پر گھومنے لگا۔ اُس کے منہ سے کف جاری ہو گیا۔ وہ تھرتھرانے لگا۔ اُس کا تنفس گڑبڑ آ گیا۔ شرکا رجلسہ (روحین) دوڑیں۔ صاحب صدر کو سنبھالا۔ ذرہ معلقہ کو زمین پر آتارا۔ اور اُس کے بعد صدر کو آسمان پر لے گئیں۔

مؤتمر میں اس برہمی پھیلنے کا تمام روحوں کو افسوس ہے۔ مگر کارروائی کمل کرنے کے لئے ۳۰ جولائی کو پھر ایک جلسہ منعقد کرنے کا اعلان آسمانوں پر ہو چکا ہے۔ جسمیں وہ تمام ارواح مقدسہ بھی شریک ہونگی جنکا تعلق "جنت البقیع" سے ہے۔ اور وہ ارواح متبرکہ بھی تشریف لائیں گی۔ جو حجاز کے قالب حکومت میں کچھ کام کر چکی ہیں ـــ صدارت علامہ مبرور ہی فرمائینگے۔ مگر عام رائے اس کے خلاف ہے کہ آئندہ مؤتمر مکہ کی تنگ فضاؤں میں منعقد ہو۔ بلکہ اسکے لئے نجد کا وہ وسیع میدان تجویز کیا گیا ہے۔ جہاں کا ذرہ ذرہ عقائد وادی اور بے قاعدگی کی روح سے لبریز ہے۔ عزّ اللہ نجد کو حکم دے دیا گیا ہے۔ کہ وہ ۱۲ جولائی تک نجد کے مقامات خالی کر دیں۔ تاکہ علامہ صدر کو پھر لیلیٰ کی یاد نہ آ جائے اور وہ اپنے احساس کی کمزوری سے پھر ناتواں اور ناقابل تقریر نہ ہو جائیں۔

س

الہامات

خلاصۃ الباب :-

(۱) مولانا رضا علی وحشت (کلکتہ)
(۲) ابوالعلیٰ مولانا سیماب اکبرآبادی (صاحب "نیستان")
(۳) مولانا اکبر حیدری (پروفیسر السنہ مشرقیہ)
(۴) مولانا علی سکندر جگر۔ مرادآبادی۔
(۵) مولانا مولوی رشید احمد ارشد تھانوی۔

مشاہیر کا تازہ ترین اور غیر مطبوعہ کلام

مولانا رضا علی وحشت

کچھ دل کے اضطراب نے رسوا کیا مجھے　　کچھ تیرے اجتناب نے رسوا کیا مجھے
عاشق کو اپنے رکھتے ہیں الزام سے بری　　کہتے ہیں وہ شباب نے رسوا کیا مجھے
چھانٹا ہزار میں دل الفت سرشت کو　　اُس چشم انتخاب نے رسوا کیا مجھے
اُتنی ہی میرے شوق کو بالیدگی ہوئی　　کافر ترے حجاب نے رسوا کیا مجھے
کھولا نگاہِ عجز نے شوق نہاں کا راز　　ظالم ترے عتاب نے رسوا کیا مجھے
لوٹا ترا غرور تغافل ہزار شکر　　ہر چند اضطراب نے رسوا کیا مجھے

سودائے زلف یار میں ہرگز زیاں نہ تھا
خود دل کے پیچ و تاب نے رسوا کیا مجھے

علامہ سیماب اکبر آبادی

کوئی آسودگی ممکن نہ تھی دنیائے امکاں میں　　مسلسل اک تباہی تھی مرے خواب پریشاں میں
چمک ہے یاس کی دیباچۂ اُمید و ارماں میں　　جھلک ہے تکملہ کی میرے افسانے کے عنواں میں
یہ کس کافر نے لیں انگڑائیاں صحن گلستاں میں　　قیامت چھپتی پھرتی ہے گلوں کے چاک داماں میں
شباب اک سانحہ تھا ہو چکا۔ اب صرف کاہش ہے　　مری راتیں مجھے اُلجھا گئیں خواب پریشاں میں
بس اب رہنے بھی دے آئینہ میں تجھ سے کیوں کہہ دوں　　کہ مجھکو کیا نظر آنے لگا، تصویر جاناں میں
خدا جانے وہ آ پہنچے۔ کہ صبح حشر آ پہونچی　　یہ کیسی بجلیاں چمکیں سوادِ شام ہجراں میں
دل غمگین مدارات ستم کی بات رہ جائے　　لہو کی بوند بن کر جذب ہو جا نوک پیکاں میں
تصور نے اُبھر کر نقش حسرت کر دیا پھیکا　　نئی دنیا نکل آئی مری دنیائے حرماں میں
تجلّی کے لئے انسان ہے آوارۂ عالم　　تجلّی خود بنا ہیں ڈھونڈتی پھرتی ہے انساں میں
نئی تحقیق ہے وہ جلوہ فرمائے کلیسا ہے　　اضافے ہونے والے ہیں مذاق چشم حیراں میں

وہ جوہر جو فضا کو رنگ و بو تقسیم کرتا ہے
پھر آجاتا ہے شبنم بن کے دامانِ گلستاں میں

دمِ گریہ مدیں ہلتی ہیں دنیائے تصور کی
یہ لرزش میرے اشکوں میں ہے یا تصویرِ جاناں میں

تو اپنا غم عنایت کر کہ ہنگامہ نزے غم کا
سما سکتا نہیں تو گونج سکتا ہے رگِ جاں میں

بتا اے ناخدا، ساحل بتا، یا غرق ہونے دے
یہ طوفاں ہیں دلاسے !! اور پھر اس تیز طوفاں میں!!

مرے سامان خود خلّاق ہیں میری تباہی کے
جنوں نے پرورش پائی ہے آغوشِ گریباں میں

نہ جانے کون سی یہ صنف ہے اسرارِ قدرت کی
ابھی تک کاوشیں ہیں عقل کو تحقیقِ انساں میں

ذرا کھُل کر پکار اے صورِ مجذوبانِ اُلفت کو
یہ دیوانے کہیں بیٹھے نہ رہ جائیں بیاباں میں

کسی کا عشق ہے سیماب صرفِ کار فرمائی
یہ اک پہلو نمایاں ہے مرے کارِ نمایاں میں

مولانا اکبر حیدری

مری انجام بیں نظروں نے دیکھا رنگِ دوراں کو
بہارِ گل بداماں کو، عروجِ ماہ تاباں کو

سنبھالیں گے کہاں تک غنچہ و گل اپنے داماں کو
نہیں آسان ان پردوں میں رکھنا حسنِ عریاں کو

جگر کا خون اپنی منزلیں طے کر چکا آخر
مبارکباد دیتا ہوں - بہارِ گل بداماں کو

مری ٹوٹی ہوئی کشتی اور آغوشِ تلاطم میں
بہت کم ظرف پاتا ہوں حوادث خیزِ طوفاں کو

مرے پہلو میں ہو کر منجمد دل بن گئی آخر
جگر میں رکھ لیا تھا اُس نگاہِ فتنہ ساماں کو

بہت ممکن ہے خود داری محبت کی غلط نکلے
کہیں برہم نہ کر دے کوئی اس دنیائے امکاں کو

محبت کی مسیحائی، شبِ غم میں نظر آئی
چھپا رکھا ہے کن تاریکیوں نے آبِ حیواں کو

اِدھر جوشِ عبودیّت نے الفاظِ دعا چھینے
اُدھر دل نے سکھائی ترجمانی چشمِ گریاں کو

مرا ہر اشکِ خونیں اک صحیفہ ہے محبت کا
نمایاں کر دیا میں نے حدیثِ یاس و حرماں کو

خدا بہتر سمجھتا ہے کہ کیوں بیداریاں بخشیں
تیری دزدیدہ نظروں نے مرے جذباتِ پنہاں کو

مجھے معلوم ہے جو کچھ مرا انجام ہونا ہے
مری آنکھوں نے دیکھا ہے عروجِ ماہِ تاباں کو

کسی کی زلفِ پرخم نے کسی کی آہِ پیہم نے
بہت سے راز سونپے ہیں نسیمِ عنبر افشاں کو

بہارِ لالہ و گل سے بھی کچھ تسکیں نہیں اکبر
خدا جانے یہ آنکھیں ڈھونڈھتی ہیں کس گلستاں کو

حضرت جگر مرادآبادی

عشق کا پیغام ہستی، شوق کی روداد ہوں
زندگی جس سے برستی ہے میں وہ فریاد ہوں

نغمہ ہوں، نالہ ہوں، کیفِ شوق ہوں فریاد ہوں
مختصر یہ ہے کہ اک مجموعۂ اضداد ہوں

ہر نفس سرمایہ دارِ عشقِ کامل ہے مرا
اے خوشا دردے، کہ حسنِ دوست کی میں یاد ہوں

عشق بے پروا مرا۔ کافی حقیقت ہے مری
کچھ سمجھ کر میں بلا کا حسنِ بے بنیاد ہوں

مائل فرزانگی ہے اب مرا ذوقِ جنوں
آجکل میں محوِ تعمیرِ خراب آباد ہوں

اور بھی عشقِ فنا سے بڑھ گئی اپنی نظر
جس طرف اب دیکھتا ہوں میں ہی میں آباد ہوں

میری ہستی جستجو۔ میری حقیقت احتیاج
میں سراپا درد ہوں، میں مستقل فریاد ہوں

کچھ نہیں کھلتا جگر رازِ طلسمِ کائنات
مجھ میں یہ آباد ہے یا میں اس میں آباد ہوں

مولانا ارشد تھانوی

قلب میں کر رہا ہوں جذب، نزہتِ حسنِ یار میں
ایک بنا رہا ہوں یوں گلشنِ صد بہار میں

کشمکشِ صد اضطراب۔ مشغلۂ حیات ہے
شکر گزار ہوں ترا، اے دلِ بیقرار میں

یاد نہیں ہیں کیا مجھے اپنی وہ پہلی خواریاں
آؤں تری گلی میں کیوں لوٹ کے بار بار میں

میری سرشت ہے وفا۔ گو نہ ہو وجہِ التفات
کر نہ سکوں گا انحراف اس سے تو زینہار میں

لذتِ امتنانِ جور، میرے نصیب میں کہاں
در خورِ قہر بھی نہیں، ہوں وہ گناہگار میں

قدر شناسیاں تری۔ قابلِ داد ہیں ضرور
واثق الاعتماد غیر، ساقط الاعتماد میں

ہاں مجھے اعتراف ہے آپ کے لطفِ عام سے
دل میں لئے ہوئے ہوں گو جذبۂ ناگوار میں

جور بجا، جفا درست۔ صبر غلط، وفا دروغ
صرف ہوا بکار آپ، صرف خطا شعار میں

حسن ہے مبتلائے وجد میرے تخیلات سے
نغمہ طرازِ عشق ہوں، ارشدِ شعر بار میں

نادر موقع — خوشخبری — نادر موقع

علامہ ڈاکٹر شیخ سر محمد اقبال صاحب کے۔ ٹی بیرسٹرایٹ لار
کے اردو کلام کا مجموعہ

موسومہ بانگ درا

کا دوسرا ایڈیشن

نہایت آب و تاب سے بہت عمدہ کاغذ پر طبع ہونیوالا ہے لکھائی اور چھپائی مثل سابق دیدہ زیب ہوگی سر ورق جو ایک نہایت خوبصورت ہوگا اور ہر ایک جلد ڈاکٹر صاحب موصوف کی تصویر سے مزین ہوگی باوجود ان تمام خوبیوں کے سابق قیمت مبلغ چار روپیہ کے بجائے دو روپیہ آٹھ آنہ علاوہ محصول ڈاک صرف ان اصحاب سے لئے جاویں گے جو ۱۵ دسمبر تک اپنا آرڈر درج کرادیں گے یکصد کتاب سے زاید کے خریدار کو کمیشن بھی دیا جائیگا دس کتاب کے خریدار کو محصول ڈاک معاف (نوٹ) مجلد کتاب بھی ایک روپیہ زاید خرچ کرنے پر مل سکتی ہے جلد پر بانگ درا اور ڈاکٹر صاحب کا نام سنہرے حروف سے لکھا ہوگا۔

المشتہر۔ حکیم شیخ طاہر الدین بازار انارکلی لاہور

تصاویر

ادبی انمول تصویریں جو آرٹ پیپر پر چھپی ہوئی ہیں

چھوٹا سائز

(۱) کنیز کلیسا (مطبوعہ پیمانہ فروری ۱۹۲۳ء) قیمت فی تصویر ۱/
(۲) دو شیزۂ بہار (" " مارچ ") ۱/
(۳) دل کسی دینا (" " اپریل ") ۱/

بڑا سائز

(۴) برسات کی کالی راتوں میں (مطبوعہ پیمانہ اگست ۱۹۲۴ء) قیمت فی تصویر ۲/
(۵) تخلیق زمزمہ (" " ستمبر ") ۲/

(۶) حضرت ساغر نظامی (مطبوعہ پیمانہ نومبر ۱۹۲۴ء) قیمت فی تصویر ۲/
(۷) ساغر (عالم رنگ و بو میں) (" " ") ۲/
(۸) علامہ سیماب اکبر آبادی (" " دسمبر ") ۲/
(۹) گناہ کلیسا (رنگین) (" " فروری ") ۲/
(۱۰) زلیخائے مصر (" " اپریل ") ۲/
(۱۱) موسیقی صحرا (" " مئی ") ۲/
(۱۲) محویت (" " جون ") ۲/

مطلوبہ یکجائی طلب کرنے پر ہم محصول ڈاک چھوڑ دیں گے۔ دو چار تصویریں منگوانی ہوں تو ٹکٹ بھیج دیجئے۔ وی۔ پی لینے میں آپ کا فضول نقصان ہوگا۔

آگرہ کی مشہور و معروف فرشی اور پلنگ کی دریاں

ہم نے شائقین کی سہولت اور آسانی کے لیے ہر قسم کی خوشرنگ خوشنما اور دیرپا فرشی و پلنگ کی دریوں کی تیاری کا انتظام کیا ہے جو حسب فرمایش رعایت و کفایت کے ساتھ جلد سے جلد بھیجی جاتی ہیں ہمارے یہاں کی دریاں خوشنمائی اور پائداری میں لاجواب ہیں آپکو جس پیمانہ اور جس رنگ کی فرشی دری کی ضرورت ہو منگوا لیجیے بلحاظ پیمانہ و رنگ نرخ حسب ذیل ہے

(۱) دری پلنگ کی پھولدار رنگ سیاہ و سفید پیمانہ ۷ × ۴ فٹ یعنی لمبائی سوا دو گز چوڑائی ایک گز جہ سے عہ تک

(۲) دری پلنگ کی پھولدار رنگ سیاہ و سفید پیمانہ ۷½ × ۴ فٹ یعنی لمبائی ڈھائی گز چوڑائی ڈیڑھ گز لعہ سے عہ تک

(۳) دری پلنگ کی رنگین پھولدار جو بادی النظر میں ریشمی معلوم ہوتی ہے لمبائی ڈھائی گز چوڑائی ڈیڑھ گز عہ سے عہ تک

(۴) دری فرشی نیلی آبی و کالا سفید عہ فی گز مربع۔ سرخ و سفید یا سرخ و نیلی عہ فی گز مربع

ان کے علاوہ خاص رنگ اور خاص ڈزائن کی دریاں بھی بکفایت تیار کرا کر بھیجی جاسکتی ہیں

آگرہ کے بنے ہوئے خوش رنگ اور دیرپا مصلے جانمازیں و صفیں

آگرہ کی بنی ہوئی جانمازیں اور صفوں نے جو مقبولیت فی زمانہ حاصل کی ہے وہ محتاج بیان نہیں یہ جانمازیں اور صفیں رنگین کام نہایت خوشنما اور پائدار ہوتی ہیں مسجد و گھر کی آرایش اور زیبایش کیواسطے مخصوص ہیں بغرض رفاہ عام قیمت خاص رعایتی ہے

مصلا یعنی جانماز ایک ایک آدمی کے واسطے نگین اور خوشنما قیمت سے ۳ سے عہ تک

مصلی یعنی جانماز دو آدمی کے واسطے رنگین اور خوشنما۔ قیمت ے سے عہ تک

صفیں جن پر دس بیس۔ پچاس آدمی ایک قطار میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر سکتے ہیں۔ نیلی آبی چوڑائی سوا گز لمبائی حسب منشا چاہیں۔ نیلی فی گز مربع ہے، لال کالی فی گز مربع [illegible]

فرش اور پلنگ کیواسطے خوشرنگ اور خوشنما اونی و سوتی قالین

جہاں آگرہ کی بنی ہوئی دریاں اور جانمازیں مشہور ہیں وہاں آگرہ کے بنے ہوئے قالین بھی عجیب و غریب ہوتے ہیں اونی ہر قسم کے تیار کرا کر بھیجے جاتے ہیں نرخ حسب ذیل ہے۔

(۱) قالین سوتی واسطے تخت و پلنگ عہ سے عہ تک (۲) قالین اونی واسطے تخت اور پلنگ عہ سے عہ تک

(۳) قالین فرشی اونی و سوتی کا ناپ معلوم ہونے پر نرخ لکھا جاتا ہے (۴) جس قسم کی دری۔ صف جانمازیں یا قالین کی ضرورت ہو اس پتہ سے طلب فرمایئے اور فرمایش کے ساتھ زرچہارم پیشگی آنا چاہیے۔ بلا وصول زر پیشگی فرمایش کی تعمیل نہ ہوگی صاحب فرمایش خط میں اپنا نام۔ ڈاکخانہ و ضلع صاف و خوشخط تحریر فرمایئں تاکہ روانگی مال میں دقت نہو۔

ہر قسم کی دری۔ جانماز۔ صف منگانیکا پتہ۔ وارثی اینڈ سنس منڈی بھیم آگرہ

اگر آپ عدیم الفرصت ہیں

یا اگر آپ شاعر نہیں ہیں اور آپ کو قوم و ملک یا دوست احباب کے سامنے اپنا کلام منظوم پیش کر کے سرخروئی حاصل کرنی ہے یا اگر آپ کو کوئی کتاب اپنے نام سے لکھوانی ہے تو بے تکلف معتمد دارالاصلاح و دارالترجمہ آگرہ کو اطلاع دیجئے۔

اعلیٰ درجہ کی غزلیں قدیم و جدید رنگ میں، عجیب غریب فسانے، ناول، کتابیں آپ کے نام سے لکھی جا سکتی ہیں [illegible] کے لئے مضامین اور نظمیں تصنیف کی جا سکتی ہیں۔ غرضکہ تمام ادبی و علمی کام آپ کے نام سے اس شعبہ میں انجام [illegible] ہیں۔ یہ شعبہ ۱۹۲۳ء سے برابر کام کر رہا ہے۔ اس کی خدمتیں ملک میں مقبول و مستند ہو چکی ہیں۔ اور اس شعبہ نے [illegible] اپنا وقار و اعتبار قائم کیا ہے کہ تمام ارشادات کی تعمیل بصیغۂ راز ہوتی ہے۔ اور خطوط بجنسہ واپس کر دیئے جاتے [illegible] اسکول کے طلبا، مدرسین اور عدیم الفرصت یا مبتدی شعرا کے لئے نہایت اچھا موقع ہے۔

قطعات تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات لوح مزار پر کندہ کرنے کے لئے بہتر سے بہتر مادۂ تاریخ کے ساتھ لکھی جا [illegible] ہر چیز کا معاوضہ اتنا کم اور مناسب رکھا گیا ہے کہ ایک معمولی سے معمولی شخص بھی آسانی کے ساتھ فائدہ اٹھا [illegible] آپ ایک مرتبہ کسی مشاعرہ کے لئے کوئی غزل طلب فرمائیں۔ اس مشاعرہ میں صرف آپ کامیاب ہوں گے [illegible] فسانہ لکھوائیے ہر رسالہ اُسے شوق سے شائع کریگا۔ غرض کہ آپ کوئی ادبی خدمت لیجئے آپ کی شہرت دنیا میں چار چاند لگ جائیں گے۔

شرائط کارڈ کا ٹکٹ بھیجکر آج ہی طلب فرما لیجئے۔ جو مطبوعہ ہیں۔ اور جن میں یکم اکتوبر ۱۹۲۶ء تک [illegible] ہے۔ معاوضہ میں کافی کمی کر دی گئی ہے۔

ہر خط کی تعمیل فوراً ہوتی ہے۔ اور ہر خط بجنسہ واپس کر دیا جاتا ہے۔ رازداری کا حلفاً یقین دلایا جاتا ہے۔

پتہ :- معتمد دارالاصلاح و دارالترجمہ (دفتر پیمانہ) آگرہ

[illegible] محمد وارثی اکبرآبادی نے دی آگرہ اخبار پریس آگرہ میں چھپا کر [illegible] دفتر پیمانہ آگرہ سے شائع کیا